آیاتِ بینات
از
محسن الملک نواب سید مہدی علی خاں صاحب
حسب الارشاد
سید محمد معصوم جیلانی
قادری نوری
رالاشاعت جماعتِ نوری بازار داتا صاحب لاہور
(کتبہ الماس رقم)
ENGRAVICO.

پیش لفظ

ہر چند کہ کہنے والے کے مقابلہ میں قابلِ اعتنا وہ کچھ ہوتا ہے جو وہ کہے۔ لیکن اس امر سے بھی مجالِ انکار نہیں کہ بات کا اثر بات کرنے والے کی ذات اور شخصیت پر منحصر ہے۔ اس عام قانون کے پیش نظر ہم "آیات بینات" کی اہمیت و افادیت کے پہلو کو صاحب تصنیف کے تعارف سے مزید اجاگر کرنا چاہتے ہیں۔ آیات بینات اپنی وضاحت کے لئے خود مکتفی سہی لیکن مصنف کے تعارف سے مستغنی نہیں۔ اس لئے تفصیل متن ہم بعد میں ہدیۂ ناظرین کریں گے۔

کتاب "آیات بینات" کے مصنف نواب محسن الدولہ محسن الملک سید مہدی علی خان منیر نواز جنگ بہادر جنگ ہیں۔ موصوف قصبہ اٹاوہ (یو پی) میں سادات بارہہ کے ایک معزز شیعہ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ ۹ دسمبر ۱۸۳۷ء کو پیدا ہوئے اور اس کے بعد ہی وہ زمانہ شروع ہو گیا جب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی تباہ کاریوں کے بعد دورِ ادبار و تنزل میں مسلمانوں کو سر سید احمد خان صاحب کی مساعی جمیلہ سہارا دے رہی تھیں۔ مسلمانوں کی مالی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ چنانچہ اس زبوں حالی کا شکار سید صاحب بھی ہوئے۔ اور ابھی اپنی تعلیم بھی پوری نہ کر پائے تھے کہ انہیں ملازمت اختیار کرنا پڑی دوران ملازمت میں آپ نے قانون میں کافی دسترس حاصل کی۔ جنگ آزادی کی آفات سے آپ اپنی مصلحت بین روش کے باوجود متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

نواب صاحب کے خاندان کے کچھ بزرگ حکومت کے اعلےٰ عہدوں پر مامور تھے۔ چنانچہ آپ بھی اپنی خداداد استعداد کے پیش نظر دس روپے ماہوار کی ملازمت سے تحصیلداری اور ڈپٹی کلکٹری اور بعد کے اعلےٰ مراتب طے کر کے نظام حیدرآباد کے ہاں بڑے منصب پر فائز ہوئے۔ اور محسن الملک، محسن الدولہ وغیرہ خطاب پائے، آپ نے دوران ملازمت میں ملکی نظام میں بیشمار مفید اصلاحات کیں جس سے انہیں حکومت کا کافی اعتماد حاصل ہو گیا۔ آپ سرکار نظام کی طرف سے ملکی معاملات کے سلسلہ میں ۱۸۸۸ء میں لندن گئے جہاں انہوں نے بڑے بڑے ذمہ دار برطانوی افسروں کے ساتھ ملاقات کی اور وہاں کے ملکی انتظامی اور معاشرتی اور تمدنی ماحول کا بغور مطالعہ کیا۔

موصوف کی زندگی کا دوسرا پہلو قومی خدمت کا ہے۔ یہ سلسلہ ۱۸۶۲ء سے شروع ہوتا ہے۔ جب وہ سر سید کے رفقائے کار میں شامل ہوئے۔ تا بہ ایں کالج میں اور سر سید کی تحریک کے لئے موصوف ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوئے۔ سر سید اپنی غیر حاضری میں موصوف پر تمام امور کی ذمہ داری ڈال دیا کرتے تھے۔

نیز سر سید کے تالیف و تصنیف کے کام میں بھی نواب صاحب برابر کے شریک تھے۔

سر سید کی وفات کے بعد سارے مشن کے پشتیبان موصوف ہی تھے۔ انہوں نے "مرآۃ الاخبار" اور "مانیٹر" نام دو اخبار

بھی جاری کرائے جو مدت مدید تک قومی خدمت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ علی گڑھ کالج میں غبن کی واردات ہونے کے بعد انہوں نے یہاں کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ پبلک جلسوں میں تقریریں کرتے اور کالج کی ترقی و بقا کا سامان پیدا کرتے رہے۔ خدمت قوم کے صلہ میں سرسید کے ساتھ ساتھ نواب صاحب بھی کفر و الحاد اور نیچریت کے فتووں سے نہ بچ سکے لیکن اس کے باوجود انہوں نے بس اخلاص محبت اور ہمدردی سے علی گڑھ کالج کی ترقی میں کوشش کی۔ اس کی نظیر سرسید کے دوسرے ساتھیوں میں مشکل سے ملے گی۔

موصوف نے سیاسی معاملات میں بہت کم حصہ لیا۔ کیونکہ انہوں نے ابتداء ہی سے ملازمت اختیار کر لی تھی اور اس کے بعد حیدرآباد دکن میں اعلیٰ عہدوں پر کام کرتے رہے تاہم انہوں نے جو کچھ کیا وہ نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ غدر کے بعد جب انگریزوں کے از سر نو ہندوستان میں پاؤں جم گئے۔ تو مسلمانان ہند ایک عجیب بے اطمینانی اور افراتفری کا شکار ہوئے۔ حاکم قوم کو اُن پر خاص طور پر بے اعتمادی تھی انہیں کسی معاملہ میں مسلمانوں پر اعتبار و اعتماد نہ تھا۔ بلکہ ہر معاملہ میں مسلمانوں کو مشتبہ نظروں سے دیکھا جاتا تھا اس وقت نواب موصوف نے سرسید کی پیروی میں مسلمانوں کی طرف سے انگریزوں کو ہر ممکن وفاداری کا یقین دلایا اور ایک عام اضطراب کو کم کرنے میں حتی الامکان کوشش کی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے کئی بیانات دیئے۔ مضامین شائع کئے اور جلسہ ہائے عام میں اپنے خیالات کا اظہار کر کے مسلمانوں کے حقوق کو تسلیم کروانے کی جدوجہد کی۔

موصوف کانگرس کا گو احترام کرتے تھے لیکن کانگرس کے نقطۂ نظر سے انہیں اتفاق نہ تھا۔ انہوں نے ہر مقام پر اپنی قومیت کو برقرار رکھنے اور رکھوانے کی خاطر کوشش کی اسی سلسلہ میں انہوں نے ناگری رسم الخط کے رواج کی مخالفت کی۔ چنانچہ مئی ۱۹۰۰ء میں علی گڑھ میں اس مقصد کے لئے احتجاجی جلسہ کیا گیا۔ حاصل کلام انہوں نے اس معاملہ میں پوری پوری کوشش کی۔ نواب صاحب نے اپنے اقتدار کے دور میں بھی ہند و مسلم اتحاد کی زبردست حمایت کی اور انہوں نے طلبا کو بھی اسی نظریہ کی تلقین کی۔ مسلم ممالک سے نواب صاحب کی ہمدردیاں ظاہر و باہر ہیں انہوں نے ہر جگہ مسلم ممالک کے مفاد کی حمایت کی ہے۔

نواب صاحب جسم و جثہ کے لحاظ سے بھی اچھے خاصے تھے قد متوسط تھا۔ طرز معاشرت میں فطرۃً ایک خاص مذاق لئے ہوئے تھے۔ ان کی خوش مزاجی اور زندہ دلی ضرب المثل تھی۔ نواب صاحب کا خاندان ایک عالی شیعہ خاندان تھا منقول و معقول کی تعلیم سے فارغ ہو کر موصوف کے نظریات میں وسعت پیدا ہوئی اور انہوں نے مذہبی تعصب کو خیرباد کہ دیا۔ اس تبدیلی کے بعد موصوف نے آیات بینات تصنیف کی۔ اس کتاب کی تصنیف پر انہیں اپنے قرابت داروں کی اور دیگر علماء کے مطاعن کا ہدف بننا پڑا۔ لیکن انہوں نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی۔ محنت و جفاکشی اُن کا شعار تھا۔ اور طبیعت بھی فیاض پائی تھی۔

نواب صاحب نے دو شادیاں کیں ایک لڑکا بھی پیدا ہوا لیکن افسوس کہ خدا کو آپ کی صلبی اولاد کا باقی رکھنا منظور نہ تھا۔ چنانچہ آپ کی معنوی اولاد ہی آپ کے صلبی اولاد کا نعم البدل بن گئی۔

موصوف نے علمی مشاغل میں بھی بہرہ وافر پایا تھا۔ چنانچہ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ رسالہ میلاد شریف: ان کی پہلی تصنیف ہے۔ یہ رسالہ ۱۲۷۷ھ = ۱۸۶۰ء میں چھپا۔

۲۔ رسالہائے قوانین:۔ اپنی تحصیلداری کے زمانہ میں اُن کی مقنن طبیعت کی یادگار ہے۔

۳۔ آیات بیّنات:۔ تبدیلیٔ عقائد کے بعد اُن کی صفائی ذہن کا شاہکار ہے۔ یہ کتاب شیعہ سُنّی مناظروں میں عالم گیر شہرت رکھتی ہے۔ اسے ۱۸۸۰ء میں پہلی بار چھاپا گیا اور اب ہم اسے دوسری بار ۱۹۵۶ء میں افادہ عام کی غرض سے شائع کر رہے ہیں۔ یہ کتاب اب نایاب ہو چکی ہے اس لئے ایسی کتاب کا احیا مسلمانوں کے دینی مفاد کے پیش نظر از بس ضروری تھا۔ ہمیں انجمن نعمانیہ پاکستان لاہور کا ممنون ہونا چاہیئے کہ اُس کے ارکین نے بصرف زر کثیر اسے شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

۴۔ کتاب المحبت والشوق:۔ غزالی کی احیاء علوم الدین اور رومی کی مثنوی حمزوج اقتباس ہے اور اسمیں مفید پند و نصائح ہیں۔

۵۔ تقلید اور عمل بالحدیث:۔ تہذیب الاخلاق پر موصوف کا ایک مضمون ۱۲۸۸ھ میں چھپا اور بعد میں کتابی صورت میں شائع ہُوا۔

۶۔ مجموعۂ تقاریر:۔ اس میں موصوف کی تقاریر اور لیکچرز جمع ہیں۔

اس کے علاوہ موصوف کے اپنے دوستوں کے نام خطوط بھی اس قابل ہیں کہ اُن کو شائع کیا جائے۔ لیکن ہم یہ سعادت کسی اور صاحب کے لئے رکھ چھوڑتے ہیں۔

موصوف کا انتقال ۱۹۰۷ء میں ہوا۔ اس ناقابل تلافی نقصان پر ملک کے ہر گوشہ میں ماتم کی صف بچھ گئی اور ملک کے ہر فرد نے تعزیت کا اظہار کیا۔

تصنیف کی اشاعت سے ہمارا مقصد طالبانِ حق کی صحیح رہنمائی ہے اور ہم دعا کرتے ہیں کہ ہماری یہ کوشش بفضل اللہ العزیز مشکور ہو۔ آج کل کے پر آشوب زمانے میں اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ نوجوان تعلیم یافتہ حضرات بڑے انہماک کے ساتھ اس قسم کی کتابوں کا بغور مطالعہ کریں تاکہ وہ نہ صرف نور ایمان کی روشنی میں اپنے دل و دماغ کو تازہ کرلیں بلکہ صحیح حالات سے واقفیت پیدا کر کے اپنے کو گمراہی اور ضلالت سے محفوظ رکھ سکیں فما علینا الا البلاغ

بندہ سید محمد اولاد علی گیلانی عفا اللہ عنہ ایم۔اے (الہ آباد)

بی۔اے، منشی فاضل (پنجاب)

جنرل سیکرٹری، مدرسہ انجمن نعمانیہ پاکستان

لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَحَبِیْبِہٖ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَاُمَّتِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ بعد حمد و صلوٰۃ کے جاننا چاہیئے کہ خدائے عزوجل نے ہماری ہدایت کے واسطے اپنا محبوب پیغمبر بھیجا اور اپنا خاص کلام اُن پر نازل کیا اور چراغ رہنمائی کا اس کے ہاتھ میں دیا اور اپنی کمال مہربانی سے شرک اور کفر کی تاریکی سے نکال کر ہمارے دلوں کو نور ایمان سے روشن کیا۔ پس ایمان اور اسلام ایک ایسی اس کی نعمت ہے کہ ہم اس کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔ لیکن شیطان نے بعد ایمان کے اکثر مسلمانوں کو بہکایا اور ان کے دلوں کو باطل عقیدوں سے پھر تاریک کر دیا اور مسلمانوں میں ایسا تفرقہ ڈال دیا کہ بہتّر فرقے گمراہ ہو گئے جن کی نسبت ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی سے خبر دی تھی پس ہم لوگوں کو فقط اسلام کے نام پر خوش ہونا اور صرف توحید اور نبوت کے اقرار پر اپنے آپ کو ناجی سمجھنا نہ چاہیئے بلکہ ہر عقیدے کی تحقیق کرنا اور ہر اعتقادی مسئلے کی تطبیق کتاب اللہ اور کتاب الرسول سے دینا ضرور ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ جو شخص اپنے سچے اور صاف دل سے صرف اپنی نجات کی امید پر خدا کی کتاب کو دیکھے اور تعصب اور عناد کو دخل نہ دے. وہ حق اور باطل میں تمیز نہ کر سکے اور ایسے حق کے طالب کو خدا گمراہی میں پڑا رکھے۔ ہاں جو کوئی پہلے ہی سے سچائی کا طالب نہ ہو اور مذہبی تعصّب میں گرفتار ہو اور سوائے مجادلے اور مکابرے کے اُسے اور کچھ منظور نہ ہو اور اپنے آبائی دین و مذہب کو تقلیداً سچ جاننا اور اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰۤی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ کہتا ہو وہ بیشک اپنی گمراہی میں پڑا رہے گا اور اپنے دل کو باطل عقیدوں سے کبھی پاک و صاف نہ کر سکے گا۔ بعد اس تمہید کے بندۂ گنہگار مہدی علی ابن سیّد ضامن علی غفر اللہ ذنوبہ اپنے بھائیوں کی خدمت میں التماس کرتا ہے کہ منجملۂ مذاہب مختلفہ مسلمانوں کے دو مذہب زیادہ جاری ہیں ایک اہل سنت و جماعت دوسرا امامیہ دونوں اپنے مذہب کو حق اور دوسرے کے مذہب کو باطل کہتے ہیں

اور اپنے آپ کو ناجی اور دوسرے کو ناری سمجھتے ہیں ہزاروں کتابیں تالیف ہوگئیں - اور صدہا رسالے تحریر ہوئے مگر یہ جھگڑا اب تک طے نہ ہوا جس کا جو عقیدہ تھا وہ اس پر قائم رہا۔ بہت کم ایسے ہیں جنہوں نے حق پر نظر کر کے اپنے آبائی دین کو چھوڑا ہو اور دوسرے مذہب کو صرف اپنی نجات کے لئے اختیار کیا ہو لیکن میں اپنے خدائے عزوجل کا ہزار ہزار شکر کرتا ہوں کہ میں ان چند آدمیوں میں سے ہوں جنہوں نے اپنی نجات کی امید پر دونوں مذہب کے اصول پر انصاف سے غور کیا اور مذہب اہل سنت کو مطابق کلام آلہٰی کے پاکر اور مذہب امامیہ کو اُس کے مخالف دیکھ کر اپنے آبائی دین کے چھوڑنے میں اور تمام کنبے قبیلے سے جدا ہونے میں کچھ کسی کا لحاظ وخیال نہیں کیا اور امامیہ مذہب کو جو مصرع بر عکس نہند نام زنگی کافور ؀ کے مخالف عقائد ائمہ اکرام علیہم السلام کے ہے چھوڑ کر سچا مذہب اہل سنت وجماعت کا اختیار کیا - چونکہ میرے عزیز وقریب اور بھائی بھتیجے اکثر اپنے قدیم مذہب پر ہیں اور مجھے گمراہ جانتے ہیں اس لئے میں ان پر اُن دلائل عقلی کو ظاہر کرتا ہوں جنہوں نے میرے دل کو ان کے مذہب سے متنفر کیا اور اُن شواہد نقلی کو بیان کرتا ہوں جن کے سبب سے میں نے مذہب اہل سنت و جماعت کو اچھا جان کر اختیار کیا اسی واسطے میں یہ رسالہ اہل سنت وجماعت کے مذہب کی خوبیوں میں لکھتا ہوں خدا کرے کہ میرے اور بھائی اس کو نظر انصاف سے دیکھیں اور اپنے باطل عقیدوں کو چھوڑیں اللہم آمین ؀

تمہید

یہ سب پر ظاہر ہے کہ دونوں مذہب کا اصل اختلافی مسئلہ معاملہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کا ہے کہ اہل سنت اُن کو اچھا جانتے ہیں اور شیعہ ان کو بُرا سمجھتے ہیں بلکہ جس طرح پر اہل سنت ان کو تمام امت سے مرتبے میں اعلےٰ اور افضل اور ایمان اور اسلام میں سب سے بہتر اور کامل جانتے ہیں اسی طرح پر شیعہ ان کو سب سے زیادہ تر بُرا اور خراب حتیٰ کہ کافر اور مرتد کہتے ہیں پس درحقیقت یہی ایک مسئلہ ایسا ہے جس پر دونوں مذہب کی حقیقت اور بطلان کا مدار ہے یعنی اگر موافق اصول مذہب اہل سنت کے صحابہ کا ایمان اور اسلام میں کامل ہونا اور مرتے دم تک ان کا اس پر ثابت قدم رہنا ثابت ہوگیا تو بلا شبہ سنیوں کا مذہب حق اور شیعوں کا مذہب باطل اور اگر برخلاف اس کے ان کا کافر اور مرتد ہونا (ونعوذ باللہ من ذلک) معلوم ہوا تو شیعوں کا مذہب سچا اور سنیوں کا مذہب جھوٹا ہے اس واسطے ہم اول صحابہ کے

فضائل بیان کرتے ہیں۔ خلافت راشدہ کو ثابت کرینگے پھر جواب مطاعن کا جو صحابہ کی نسبت امامیہ کرتے ہیں دینگے۔

دلائل عقلی صحابہ کی فضیلت میں

پہلی دلیل

یہ بات سب جانتے ہیں کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خدا نے عرب میں مبعوث کیا اور مکہ معظمہ میں اول اول حضرت کو اظہار نبوت کا حکم دیا تو اس وقت میں سب لوگ کافر اور مشرک تھے اور آپ کے عزیز اور قریب اور رشتہ دار اور بھائی بند اس خبر کو سنتے ہی آپ کے دشمن ہو گئے تھے اور آپ کی تکذیب کرتے تھے۔ کوئی مجنوں کہتا تھا کوئی دیوانہ بتلاتا تھا (ونعوذ باللہ من ذلک) اور چھ برس تک باوجود دعوت اور اظہار معجزات کے صرف چند آدمی جو چالیس سے کم تھے مسلمان ہوئے مگر چھ برس کے بعد کسی قدر جماعت مسلمانوں کی ہو گئی اور دعوت عام اسلام کی علانیہ ہونے لگی اور ارکان دین کو حضرت نے علیٰ رؤس الاشہاد ظاہر کرنا شروع کیا۔ تب اہل مکہ نے یہاں تک تکلیف اور ایذا دینی شروع کی کہ آخر کار مکہ چھوڑنا اور مدینے کو ہجرت کرنا پڑا اور بعدہ آہستہ آہستہ دین اسلام کی ترقی ہونی شروع ہوئی اور پھر اس قدر جلد اسلام پھیلا کہ چند سال کے عرصے میں سینکڑوں سے ہزاروں کی اور ہزاروں سے لاکھوں کی نوبت آ گئی اور جماعت کی جماعت اور فوج کی فوج خدا کے دین میں داخل ہو گئی۔ پس غور کرنے کا مقام ہے کہ جن لوگوں نے ابتدائے دعوت میں اسلام قبول کیا اور سب سے پہلے پیغمبر صاحب کے کہنے کو سچ جانا اور اول ہی اول آپ کی نبوت کو تصدیق کیا اور بلا توقف بلا تامل کلمہ شہادت پڑھا اور بغیر صلاح اور مشورے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے اپنے قدیمی دین کو چھوڑ دیا اور اپنے بھائی بندوں سے علیحدہ ہو کر اول ہی اول آپ کا دامن رحمت پکڑا اور اپنے دوست آشناؤں سے مخالفت کر کے غاشیۂ اطاعت نبوی اپنے دوش پر رکھا تو ایسے لوگوں کے اسلام کا جو ایسے نازک وقت میں اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر نئے دین میں آئے کوئی نہایت قوی سبب ہوگا ورنہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ اپنے قدیمی دین کا چھوڑنا اور نیا دین اختیار کرنا نہایت ہی

مشکل ہوتا ہے اور اپنے عیش و آرام کا ترک کرنا اور مصیبت اور ایذا میں پڑنا اور تکلیفیں اُٹھانا بلا کسی سبب کے کسی کو گوارا نہیں ہوتا۔ پس اگر ہم ان اسباب کو سوچیں جن سے اول اول صحابہ نے اسلام قبول کیا تو صرف دو سبب معلوم ہوتے ہیں یا دین کی خواہش اور نجات کی امید یا دنیا کی طمع اور مال و دولت کا لالچ۔ اگر پہلے سبب کو ہم تسلیم کریں اور اس امر کو مانیں کہ صحابہ نے اپنی نجات کی امید پر دین اسلام قبول کیا تھا۔ اور صرف خدا کی رضامندی کے لئے اپنے گھر بار کو چھوڑا تھا۔ تو ہمارے وہم میں بھی یہ بات نہیں آتی۔ کہ پھر ایسے لوگ کسی وقت میں اُس دین سے پھر گئے ہوں اور کبھی انہوں نے اس محبت کو جو اُن کو ایمان اور اسلام کے ساتھ تھی دل سے نکال دیا ہو بلکہ ہم یقین کر سکتے ہیں۔ کہ جن لوگوں نے صرف خدا کی رضا حاصل کرنے کے لئے اسلام کو مصیبت اور تکلیف کے وقت میں اختیار کیا ہوگا برسوں اس کے پیچھے درد اور دکھ اُٹھائے ہونگے وہ کبھی اُس دین سے نہ پھرے ہونگے بلکہ مرتے دم تک اس پر ویسے ہی ثابت قدم رہے ہونگے اور اگر ہم دوسرے سبب پر نظر کریں کہ وہ لوگ دنیا کی طمع اور مال و دولت کے لالچ سے مسلمان ہوئے ہوں تو یہ ایسی بات ہے کہ جس کی نسبت ہم فرضی خیال بھی نہیں کر سکتے اور نہ کوئی شخص جس کو ذرا ایمان اور عقل اور شرم کا پاس ہوگا اس امر کو خیال کر سکتا ہے اس لئے کہ ابتداء اسلام میں جو کچھ دنیا کی طمع تھی وہ ظاہر۔ جو کچھ مال اور دولت کی حرص تھی وہ معلوم پس ثابت ہوا۔ کہ صحابہ کا ایمان لانا اور مسلمان ہونا صرف نجات آخرت کی امید پر تھا اور جب اس امید پر ایمان لانا ان کا ثابت ہوا تو پھر اس سے پھرنا ان کا غیر ممکن تھا۔

دوسری دلیل

جب کہ ہم خلفاء راشدین اور مہاجرین و انصار کے حالات پر نظر کرتے ہیں اور ان کے چال چلن پر خیال کرتے ہیں تو اس سے ہم کو یقین کامل ہوتا ہے کہ وہ قدم بقدم اپنے پیغمبر کے چلتے تھے۔ اور حرص و ہوا کو کسی کام میں دخل نہ دیتے تھے اور شب و روز خدا اور اس کے رسول کی رضا کے طالب رہا کرتے تھے اُن کے دشمن بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ انہوں نے حضرت کی رفاقت کا حق نہایت خوبی سے ادا کیا اور اپنی جانوں اور مالوں کو نہایت خوشی سے حضرت پر فدا کیا کون سی مصیبت رہ گئی کہ جو کفار نے ان کو نہیں دی۔ کون سی تکلیف باقی رہ کہ مشرکین

نے اُن کو نہیں پہنچائی۔ جب کفار نے پیغمبر خدا کو ستانا اور ایذا دینا شروع کیا اُس وقت اصحاب نبی نے کیسی حمایت اور رفاقت کی اور دعوتِ اسلام میں کیسی سعی بلیغ فرمائی۔ جب عرب عامۃً اور قریش خاصۃً حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ایذادہی پر مستعد ہوئے اُس وقت ؎ یارانِ وی خود را سپر وی ساختہ از مشرب عشق چہ بادہ ہا کہ نہ خوردند و چہ مستیہا کہ نہ کردند و ہر گاہ کہ آنجناب بہجرت و جہاد مامور شد اصحاب وے در مقابلۂ کفار چہ رنجہا کہ نہ کشیدند و چہ غمہا کہ نہ چشیدند ؎ پس اگر خدا اور اس کے رسول کی محبت ان لوگوں کو نہ تھی تو کیوں اپنی جانوں اور مالوں کو تلف کرتے تھے اور کیوں سختیاں اور مصیبتیں اپنے اوپر اُٹھاتے تھے سوچنا چاہیئے کہ مہاجرین کو کس کے عشق نے گھروں سے نکالا اور انصار کو کس کی محبت نے دیوانہ کیا آخر **شعر**

زنگین کہ گرد پنجۂ مژگانم آں چنیں
لعل و گہر کہ ریخت بدامانم آں چنیں

میں حضرات شیعہ سے پوچھتا ہوں کہ صحابۂ کبار اور مہاجرین و انصار مصیبت اور رنج کے وقت میں حضرت کے شریک ہوئے یا نہیں اور مال اور جان اور عزت اور آبرو کو آپ پر نثار کیا یا نہیں۔ حضرت کے پیچھے اُنہوں نے اپنے عزیزوں اور قریبیوں کو چھوڑا یا نہیں۔ اسلام کے پھیلانے میں اُنہوں نے تکلیف اور ایذا پائی یا نہیں پس یا ایسی بدیہیات سے انکار کیجئے یا اقرار۔ چونکہ انکار کرہی نہیں سکتے اس لئے لازم آیا کہ اقرار کریں اور اگر ان کی محنتوں اور کوششوں کا اقرار کریں تو پھر ذرا انصاف بھی کریں کہ جس کے پیچھے اُنہوں نے یہ تکلیفیں گوارا کی ہونگی اُس کی نگاہ میں کیا کچھ بھی قدر و منزلت ان کی نہ ہوگی اور جس کی خاطر اُنہوں نے اپنے گھر بار کو چھوڑا ہوگا اُس کے دل میں کیا کچھ بھی محبت ان کی نہ ہوگی۔ اے یارو تم کو علی مرتضیٰ ہی کی قسم ہے کہ اگر مصیبت کے وقت میں کوئی تمہارا شریک ہو اور دکھ درد کی حالت میں کوئی تمہارا ساتھ دے اور اپنے بھائی بندوں کو چھوڑ کر تمہارے ہمراہ ہووے اور اپنی جان و مال کو تمہارے پیچھے ضائع کرے تو تمہاری نگاہ میں اُس کی کچھ عزت اور تمہارے دل میں اُس کی کچھ محبت ہوگی یا نہیں اگر ہووے تو وہی مہاجرین و انصار کی نسبت حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے سمجھو اور انصاف کرو کہ جس وقت لوگ چاروں طرف سے یا ساحر یا مجنوں کہہ کر آپ کا دل دکھاتے ہونگے اس وقت جو لوگ یا رسول اللہ اور یا حبیب اللہ کہہ کر آپ کو پکارتے ہونگے اور جب کہ خویش و اقارب آپ کے آپ کو ستاتے اور تکلیفیں دیتے

ہونگے اس وقت جو لوگ اپنا سینہ سپر کر دیتے اور حضرت کو بچاتے ہونگے ان کی اس اعانت کی کیا کچھ قدر و منزلت آپ کے نزدیک ہوتی ہوگی اے یارو اگر انصاف کی آنکھ بند نہ کرو تو صحابۂ کرام کے مرتبوں کی کوئی انتہا نہیں ہے کون شخص اس دنیا میں ایسا ہے کہ اب ان کے مرتبے کو پہنچے اور اُن کا سا درجہ پا سکے کہاں ہیں اب رسول خدا کہ وہ دعوت کریں اور اُن کے کنبے قبیلے کے لوگ اُن کو جھٹلاویں اور ہم میں سے کوئی سامنے آکر صدقت یا رسول اللہ کہہ کر آپ کے دل کو خوش کرے کہاں ہے وہ وقت کہ پیغمبر خدا ہجرت کریں اور غار میں جا کر چھپیں اور کوئی ہم میں سے اُس وقت ساتھ ہووے اور یار غار کہلاوے۔ کہاں ہے وہ زمانہ کہ فقراء مہاجرین کو لے کر حضرت مدینے میں پہنچیں اور مدینے والے اپنے اُوپر مصیبت گوارا کر کے ان کو اپنے گھروں میں ٹھہرائیں اور انصار کہلائیں کیا اب پھر وہ دن مل سکتے ہیں۔ کہ پیغمبر خدا بدر کی لڑائی پر جائیں اور ہم لوگ حضرت کے ساتھ ہوں اور ہماری مدد کے لئے خدا ملائکہ کو بھیجے اور لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ کہہ کر اپنی رضامندی ظاہر فرمائے۔ اے بھائیو وہ زمانہ گذر گیا وہ وقت باقی نہیں رہا جن کو یہ نعمت ملنے والی تھی اُن کو مل گئی جن کو یہ دولت حاصل ہونے والی تھی اُن کو حاصل ہو چکی جو لوگ مہاجرین میں داخل ہوتے والے تھے وہ مہاجرین میں داخل ہو گئے جو انصار میں شامل ہونے والے تھے وہ انصار میں شامل ہو چکے اب ہزار جان و مال کو کوئی نثار کرے مگر وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ کی فضیلت پا نہیں سکتا۔ تمام جہان کی دولت کوئی لٹاوے مگر اصحاب بدر یا یاران بیعت الرضوان میں داخل نہیں ہو سکتا ان دولتوں کو لینے والے لے گئے ان نعمتوں کو لوٹنے والے لوٹ لے گئے ؛ شعر

حریفاں بادہا خوردند و رفتند تہی خم خانہا کردند و رفتند

اے یارو جن لوگوں نے بلا واسطہ پیغمبر خدا سے تعلیم پائی اور جن شخصوں نے خود صاحب شریعت سے ہدایت حاصل کی کیونکر تمہارے دل میں اُن کی محبت اور تمہاری نظر میں اُن کی قدر و منزلت نہیں ہے کیا تمہاری عقل اس کو قبول کرتی ہے کہ اُن ہزاروں لاکھوں آدمیوں میں جو برسوں پیغمبر صاحب کی صحبت اور رفاقت میں رہے کسی کے دل پر ایمان کا کامل اثر نہ ہوا اور ان بیشمار آدمیوں میں جو نمازوں اور جہادوں میں حضرت کے شریک رہے کوئی اسلام پر ثابت قدم نہ رہا باوجودیکہ حضر اور سفر میں آپ کے ہمراہ رہے

شب و روز اپنے کانوں سے وعظ و نصیحت سنتے رہے اپنی آنکھوں سے جبرئیل کا آنا وحی کا لانا دیکھتے رہے لیکن اپنے نفاق اور کفر سے (والعیاذ باللہ منہ) باز نہ آئے۔ گو کہ حضرت نے طرح طرح کے معجزے اُن کو دکھلائے انواع انواع کی دعائیں اُن کے حق میں فرمائیں لیکن نہ کسی معجزے کا اُن پر اثر ہُوا نہ کوئی دعا اُن کے حق میں مقبول ہوئی بھلا انصاف کرو کہ کوئی مسلمان ایسا عقیدہ رکھے گا اور اپنے پیغمبر کی شان کو داغ لگائیگا اور اس کے تمام شاگردوں اور کل مریدوں کو کافر اور مرتد کہے گا ذرا تو سوچو کہ اگر کسی عالم کے تمام شاگرد جاہل رہیں اور کسی امیر کے مصاحب سب کے سب بدچلن ہوں اور کسی ولی کے مرید کلہم اجمعین فاسق فاجر ہوں تو کیا اس سے کچھ بدظنی اُس عالم اور اس امیر اور اُس ولی کی نسبت لوگوں کو نہ ہوگی بیشک ضرور ہوگی پس اسی طرح پر تمام صحابہ کے کفر اور ارتداد پر اعتقاد رکھنا درپردہ حضرت کی نبوت میں داغ لگانا ہے (ونعوذ باللہ من ذلک)

تیسری دلیل

اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے وقت میں مبعوث ہوئے کہ لوگ توحید سے منکر ہو گئے تھے عبادت اور استعانت میں شرک کرنے لگے تھے معاد پر یقین نہ رکھتے تھے عبادت کے طریقوں کو بھول گئے تھے دین ابراہیمی میں تحریفیں کرنے لگے تھے جانوروں کی طرح آپس میں لڑتے اور وحشیوں کے مانند باہم جھگڑتے تھے علم اور حکمت سے بے بہرہ ہو گئے تھے اخلاق حسنہ کو چھوڑ کر جاہلانہ رسموں کے پابند ہو گئے تھے چنانچہ اللہ جل شانہ نے توحید کے بتلانے شرک کے چھڑانے عبادت کے طریقے سکھلانے دین ابراہیمی کے جاری کرنے اخلاق حسنہ کی تعلیم دینے کے لئے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت اور رسالت کا مرتبہ دیا اور تمام بنی آدم کی ہدایت کا بار آپ کے اوپر رکھا اور چونکہ بعد حضرت کے خدا کو دوسرا نبی بھیجنا منظور نہ تھا اور سلسلہ نبوت کا آپ کی ذات پر ختم کرنا منظور تھا اس لئے جو فضائل اور کمالات اور معجزات جدا جدا اور انبیاء علیہ السلام کو دیے گئے تھے وہ سب حضرت کو دیے گئے اور جو طریقے ہدایت اور تعلیم کے علیحدہ علیحدہ اور پیغمبروں کو سکھلائے گئے تھے وہ سب حضرت کو سکھلائے گئے

بلکہ اس نظر سے کہ کوئی فرقہ کوئی گروہ آپ کے فیضان نبوت سے محروم نہ رہے اور آپ
کی ہدایت اور تعلیم مثل بعض اور نبیوں کے بے اثر نہ ہو جائے اور کسی کو کوئی عذر ایمان اور
اسلام لانے پر باقی نہ رہے اور کسی کو موقع آپ کی نبوت کے انکار کرنے کا نہ ملے - وہ
معجزات حضرت کو دیے گئے جو اور کسی نبی کو نہیں دیے گئے اور اُن اُن باتوں کی اجازت
آپ کو دی گئی کہ اور کسی پیغمبر کو نہیں دی گئی اسی واسطے آپ کی ہدایت کا اثر جلد اور کامل
ہوا اور کچھ ایک ہی ذریعے سے نہیں بلکہ مختلف ذریعوں سے لوگوں نے ایمان کو قبول کیا
جو لوگ فصحا اور بلغا مشہور تھے وہ قرآن مجید کی فصاحت دیکھ کر قائل ہو گئے - اور جو
لوگ علم اور حکمت کا دعوےٰ کرتے تھے وہ آپ کی تعلیم حکیمانہ دیکھ کر معتقد ہو گئے - جو
اشخاص معجزے کے طالب تھے وہ معجزات دیکھ کر ایمان لائے جو لوگ شجاعت اور مردانگی
میں مشہور تھے وہ میدان جنگ میں مقابلے کی تاب نہ لا سکے - آخر مغلوب ہو کر مطیع بن
گئے اور جو غرض اللہ جل شانہ کی آپ کی نبوت سے تھی کہ دین اسلام تمام دنیا میں پھیل
جائے اور سب باطل دینوں پر غالب ہو جائے وہ حاصل ہو گئی لیکن یہ فائدہ جو بعثت نبوی
سے ہوا صرف اہل سنت کے اصول کے مطابق ثابت ہوتا ہے اور موافق اصول مذہب شیعہ
کے ہرگز ثابت نہیں ہوتا - اس لیے کہ جو لوگ حضرت کے سامنے ایمان لائے جب اُن
کی نسبت یہ اعتقاد کیا جائے کہ وہ ایمان اور اسلام میں کامل تھے اور دل سے حضرت
کی نبوت کے معتقد تھے اور مرتے دم تک اُس پر ثابت قدم رہے تو یہ امر البتہ تسلیم کیا
جا سکتا ہے کہ حضرت کی ہدایت سے جو غرض تھی وہ حاصل ہو گئی - مگر جب کہ ان لوگوں
کی نسبت یہ گمان کیا جائے کہ وہ ظاہر میں مسلمان تھے اور باطن میں (عیاذاً باللہ) کافر
یا حضرت کی وفات کے بعد ہی مرتد ہو گئے تو کس کے مُنہ سے یہ بات نکل سکتی ہے - کہ
حضرت کی ہدایت سے کچھ فائدہ ہوا حقیقت یہ ہے کہ جو اعتقاد شیعوں کا بہ نسبت صحابہ
کے ہے اس سے الزام آپ کی نبوت پر آتا ہے اور سننے والے کو مذہب اسلام پر شبہہ
ہوتا ہے اس لئے کہ جب کوئی اس امر پر یقین کرے کہ جو لوگ حضرت پر ایمان لائے - اُن
کے دلوں پر کچھ اثر ایمان اور اسلام کا نہ تھا اور وہ صرف ظاہر میں مسلمان اور (عیاذاً باللہ
باطن میں کافر تھے یا حضرت کے انتقال کرتے ہی وہ اُس سے پھر گئے وہ حضرت کی
نبوت کی تصدیق کر نہیں سکتا اور کہہ سکتا ہے کہ اگر حضرت سچے نبی ہوتے تو کچھ نہ کچھ اُن کی

ہدایت میں تاثیر ہوتی اور کوئی نہ کوئی دل سے اُن پر ایمان لایا ہوتا اور منجملہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں کے جو اُن پر ایمان لائے سو دو سو آدمی تو ایمان پر ثابت قدم رہتے اگر صحابۂ کرام تمہارے عقائد باطلہ کے موافق اسلام اور ایمان میں کامل نہ تھے تو پھر وہ لوگ کون سے ہیں جن پر حضرت کی ہدایت کا اثر ہوا اور وہ لوگ کتنے ہیں جن کو حضرت کی نبوت سے فائدہ ہوا اگر اصحاب نبوی سوائے معدودے چند کے بقول تمہارے سب کے سب (عیاذاً باللہ) منافق اور مرتد تھے تو دین اسلام کو کس نے قبول کیا اور پیغمبر صاحب کی تعلیم اور تلقین سے کس کو نفع پہنچا کن لوگوں نے حضرت کے کہنے سے شرک چھوڑ کر توحید پر اعتقاد کیا کن شخصوں نے عبادت کے طریقوں کو سیکھا۔ کس گروہ نے دین محمدی کو جاری کیا کس فرقے نے ایمان کو پھیلایا اے یارو تم کو تو اسلام کا نام لینا اور پیغمبر صاحب کی نبوت کا اقرار ظاہر بھی کرنا نہ چاہیئے اگر پیغمبر صاحب پر ایمان لانے والوں میں سے سو دو سو ہزار دو ہزار کو تم کافر کہتے یا ان لوگوں کو جو بعد غلبۂ اسلام کے مسلمان ہوئے تم منافق جانتے تو صبر آتا مگر افسوس تو اسی بات پر آتا ہے کہ تم انہیں لوگوں پر اعتراض کرتے ہو جو سب سے پہلے ایمان لائے اور اُنہیں کو منافق بتلاتے ہو جنہوں نے خدا کے دین کو جاری کیا اور اُن ہزاروں لاکھوں آدمیوں میں سے جو حضرت پر ایمان لائے تھے سوائے چار چھ شخصوں کے کسی کو اچھا نہیں کہتے ہو بھلا کیونکر ایسے عقیدے پر تعجب نہ آئے اور کیونکر تمہاری اس گمراہی پر افسوس نہ ہو۔

چوتھی دلیل

ہم لوگ کیا شیعہ اور کیا سنّی پیغمبر صاحب کی زیارت کو افضل ترین سعادات اور بہترین قربات سے سمجھتے ہیں اور چونکہ اب زمانہ آپ کی حیات کا نہیں ہے اس لئے آپ کی قبر مبارک کے دیکھ لینے کو اور آپ کے روضۂ انور کی خاک آنکھوں میں لگانے کو غنیمت جانتے ہیں اور اُسی کو بہترین سعادت سمجھتے ہیں اور اگر کوئی شخص خواب میں آپ کی زیارت سے مشرف ہو جاتا ہے تو وہ بڑے بزرگوں میں شمار کیا جاتا ہے اور حقیقت میں جب تک کوئی شخص نہایت ہی نیک اور مخلص اور پرہیزگار نہیں ہوتا وہ خواب میں بھی سعادت زیارت سے مشرف نہیں ہو سکتا پس نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ہم اُن لوگوں کی بزرگی

اور فضیلت کا کچھ بھی اعتقاد نہ کریں جو برسوں حضرت کی زیارت کرتے رہے اور رات دن آپ کی صحبت میں حاضر رہے اور ہر لحظہ اور ہر ساعت آپ کے دیدار سے مشرف ہوئے اور ہمیشہ آپ سے ہم کلام رہے اور نہ صرف زیارت اور صحبت کی سعادت پائی بلکہ حضرت کے غم اور خوشی میں شریک رہے اور آپ کی یاری اور مددگاری اعلائے کلمۃ اللہ میں کرتے رہے۔ ابیات

از وطنہا ہجرت کردند	برالم ہا مصابرت کردند	در سفر ہمرکاب او بودند
در حضر ہم خطاب او بودند	ہمہ آثار وحے دیدہ ازو	ہمہ اسرار دین شنیدہ ازو
بانی در شدائد و اہوال	بذل ارواح کردہ اموال	پایۂ دین بلند ازیشاں شد
کار شرع ارجمند ازیشاں شد	رضی اللہ عنہم از سوی حق	بہر الشان بشارت مطلق

غرضکہ صرف زیارت اور صحبت ہی حضرت سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثنا کی ایسی فضیلت ہے کہ کوئی بزرگی اُس کو نہیں پاتی نہ کہ جب اُس کے ساتھ اور فضائل ذاتی بھی صحابہ میں موجود ہوں تو پھر اُن کے مراتب اور مدارج کی کیا انتہا ہے۔

پانچویں دلیل

اس امر کو سب مسلمان تسلیم کرتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ اسلام کی ابتداء اور ترقی کے مقام ہیں۔ اور ان میں دو جگہوں کو سب دنیا سے بڑھ کر عزت ہے ایک خدا کا گھر اور رسول کا مولد ہے دوسرا حضرت کا شہر اور آپ کا مدفن ہے مکہ معظمہ میں بنیاد اسلام کی قائم ہوئی اور مدینہ منورہ میں اُس کی ترقی ہوئی اور ان دونوں جگہوں کی بزرگی ایسی ہے کہ کبھی کوئی مذہب باطل ان میں پھر جاری نہ ہوگا اور دجال ملعون کا بھی گذر ان میں نہ ہوگا پس ہم کو غور کرنا چاہیئے کہ ان دونوں شہروں کے رہنے والے اب تک صحابہ کی نسبت کیسا اعتقاد رکھتے ہیں۔ جو کچھ اُن کا اعتقاد ہو اُسی کو اصل ایمان سمجھنا چاہیئے پس خدا کے فضل سے اُن دونوں شہروں کے رہنے والے بلکہ تمام عرب کے باشندوں کا جو اعتقاد صحابہ کی نسبت ہے وہ ظاہر ہے۔ اگر ہم موافق شیعوں کے یہ کہیں کہ وہ سب کے سب گمراہ ہیں اور باطل اعتقاد پر اب تک قائم ہیں تو اس سے اصل مذہب اسلام پر بڑا الزام آتا ہے کیونکہ خداوند عالم نے جہاں اپنے نبی کو پیدا کیا اور جہاں اپنے پیغمبر کا مدفن بنایا اور جن جگہوں کو عرش و کرسی کے برابر رتبہ دیا

اور جہاں سے اسلام اور ایمان جاری کیا اُنہیں جگہوں کے رہنے والوں کو خدا نے اب تک باطل اعتقاد پر قائم رکھا اور اُن لاکھوں کروڑوں آدمیوں کو جو اس تیرہ سو برس کے عرصے میں وہاں پیدا ہوئے اور وہاں رہے گمراہ رکھا اور گمراہی پر اُن کا خاتمہ کیا اور ایک مومن کا گذر بھی وہاں نہ ہونے دیا اور اب تک خدائے عزوجل کو وہی اصرار ہے۔ کہ اُنہیں بد اعتقادوں سے مکہ اور مدینہ بھرا ہوا ہے اور وہی گمراہی اور ضلالت اب تک تمام عرب میں پھیلی ہوئی ہے اور باوجود گذر جانے اس قدر عرصۂ دراز کے اب بھی کوئی مومن پاک بغیر تقیہ کے وہاں جانے نہیں پاتا اور اپنے ایمان اور اعتقاد کو بخوف اپنی عزت اور جان کے ظاہر نہیں کرسکتا قیامت تو قریب آگئی اس دنیا کے ختم ہونے کے دن نزدیک ہوگئے لیکن خدا اُن ظالموں اور بد اعتقادوں سے اپنے گھر اور اپنے رسول کے گھر کو پاک نہیں کرتا اور مومنین سے اُن شہروں کو آباد نہیں فرماتا اور گمراہوں کو ایسی پاک جگہوں سے نہیں نکالتا اگرچہ جس قدر زمانہ نبوت کا دُور ہوتا گیا اور اسلام میں ضعف آتا گیا۔ مذہب شیعوں کا ترقی پاتا گیا اور اُن کے عقائد باطلہ کو رواج ہوتا گیا اور اکثر شہروں اور ملکوں میں اُن کی حکومت بھی ہوگئی اور بادشاہت اور سلطنت بھی نصیب ہوئی۔ لیکن با ایں ہمہ مکہ اور مدینہ اور عرب میں جو دین پیغمبر خدا کے وقت میں تھا۔ وہی جاری ہے اور جو مذہب رسول مقبول کے سامنے تھا وہی اب بھی ہے ؎ شعر

ہست محفل بران قرار کہ بود ہست مطرب بران ترانہ ہنوز

ہم حیران ہیں کہ جب مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ میں اس تیرہ سو برس کے عرصے میں ایک مسلمان پاک اعتقاد نہ ہوا اور ایسی پاک جگہ میں کسی مومن پاک کا گذر نہ ہوا تو پھر کونسا مقام ہوگا جہاں کے رہنے والے مومن اور مسلمان ہونگے اور خدا کے گھر اور رسول کے گھر کو چھوڑ کر کس کے گھر میں ایمان والے رہتے ہونگے اے بھائیو بغیر اس کے کہ یہ امر قبول کیا جاوے کہ اصل دین اور مذہب وہی ہے جو مکے اور مدینے کے رہنے والوں کا ہے۔ کوئی دوسرا علاج نہیں ہے ؎

شواہد نقلی صحابہ کی فضیلت میں

ہم صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فضائل کے ثبوت میں تین قسم کی نقلی

شہادتیں بیان کرتے ہیں اول وہ شہادتیں جو توریت و انجیل میں مذکور ہیں دوم وہ شہادتیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ سوم وہ شہادتیں جو ایمہ کرام علیہم السّلام سے کتب امامیہ میں منقول ہیں ؛

توریت و انجیل کی شہادتیں صحابہ کی فضیلت میں

اتنی بات تو امامیہ مذہب والے بھی جانتے ہیں کہ جس طرح اللہ جل شانہ نے کتب سماوی میں ذکر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بطور پیشین گوئی کے کیا ہے اسی طرح حضرت کے یاروں کا بھی تذکرہ فرمایا ہے اور ان کی صفات اور حالات کو مثالوں میں بیان کیا ہے۔ اور اس سے انکار اس لئے نہیں کرتے کہ خدا نے خود فرمایا ہے کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ج وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ج کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ ط[1] (معنی) محمد رسول اللہ کا ہے اور جو لوگ ساتھ ان کے ہیں سخت ہیں اوپر کفار کے رحم دل ہیں درمیان اپنے دیکھتا ہے ان کو رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے چاہتے ہیں فضل خدا کا اور رضامندی اس کی نشانی ان کی اُن کے چہرے پر ہے اثر سے سجدے کے یہ ہے صفت اُن کی بیچ توریت کے اور صفت اُن کی بیچ انجیل کے جیسے کھیتی نکالے اکھوا اپنا پس قوی کرے اُس کو پس موٹے ہو جاویں پس کھڑے ہو جاویں اوپر چھڑی اپنی کے خوش لگتی ہے کھیتی کرنے والے کو تاکہ غصے میں لائے اللہ بسبب اُن مسلمانوں کے کافروں کو۔ اب ہم ان مسلمانوں کو جو توریت و انجیل میں مذکور ہیں اور جن کی خبر خدائے جل شانہ نے اس آیت میں دی ہے بیان کرتے ہیں۔

پہلی شہادت توریت کی

توریت کی کتاب استثنا کے تیرھویں باب کے چھٹی درس میں لکھا ہے کہ (اگر تیرا بھائی یا بیٹا یا جورو یا دوست کوئی تجھے پھسلاوے اور کہے کہ آؤ غیر معبودوں کی بندگی کرو تو

[1] پارہ ۲۶ - رکوع ۴، سورہ فتح ۱۲ ؛

تو اُس کے موافق نہ ہونا اور اُس کی بات نہ سُننا اور اُس پر رحم کی نگاہ نہ رکھنا اور اس کی رعایت نہ کرنا اور اُسے پوشیدہ نہ رکھنا بلکہ اُس کو ضرور قتل کر ڈالنا۔ اس کے قتل پر پہلے تیرا ہاتھ پڑے۔ پس غور کرنا چاہیئے کہ جو کچھ حضرت موسٰی نے اپنی قوم سے کہا۔ صحابۂ کرام نے اُس کو کر دکھایا اور جیسی کچھ شدت اور سختی کافروں پر چاہیئے اُس کا ظہور صرف پیغمبر صاحب کے یاروں کے ہاتھ سے ہوا اسی واسطے خدا نے اُن کی شان میں اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ فرمایا اگرچہ صحابۂ کرام کی شدت اور صلابت کا جو دین میں تھی امامیہ انکار نہیں کر سکتے مگر ہم اُن کے اطمینان کے لئے حضرات شیخین کے حالات کو جو بڑے دشمن شیعوں کے ہیں اور جو ضمنی قرمیش کر کے اُن میں مشہور ہیں بیان کرتے ہیں اور زیادہ تو نہیں کہ سکتے اتنا عرض کرتے ہیں کہ اپنی ہی کتابوں کی روایتوں کو سُنیں اور پھر اُس کو توریت کے مضمون سے اور قرآن شریف کی آیت سے ملاویں اور خود ہی انصاف کریں اور اگر حیا و شرم مانع نہ ہو تو تعصب اور عناد کو چھوڑ کر اُن کی فضیلت کا اقرار کریں اور اپنے باطل عقیدوں کو چھوڑ کر جماعت میں داخل ہو جاویں ؀

پہلی روایت کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کے قتل کا قصد کیا

امام اعظم شیعوں کے حضرت شیخ حلی تذکرۃ الفقہا کی چھٹی فصل میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اُحد کے دن اپنے باپ کے قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے منع کر دیا اور فرمایا کہ تو جانے دے اور کوئی یہ کام کرلے گا۔ پس اے بھائیو خدا کے واسطے ذرا اپنے امام اعظم کی تصدیق کو دیکھو کہ وہ صدیقیت صدیق اکبر کو کیسی تصدیق کرتے ہیں اور جو کچھ توریت میں کفار پر شدت کرنے کا ذکر ہے اُس کو شان میں حضرت ابوبکر صدیق کی کیسا تسلیم کرتے ہیں کیوں یارو اشداء علی الکفار کا مصداق کیا سوائے اُس کے کوئی دوسرا ہوگا جو اپنے باپ کے قتل پر آمادہ ہوا اور توریت کے اس مضمون کا کہ (غیر معبودوں کی بندگی پر پھسلانے والے کو اگرچہ بھائی یا بیٹا یا جورو یا دوست ہو تو قتل کر ڈالنا اور پہلے اپنا ہاتھ اُس کے قتل پر اُٹھانا) اطلاق کسی اور پر ہوگا تعجب ہے شیعوں سے اور اُن کے

ؔ ولان ابا بکر اراد قتل ابیہ یوم احد فنہاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک وقال وعبہ قتلی غیرک ۱۲

امام اعظم سے کہ ایسی روایت کی تصدیق بھی کریں اور صدیق اکبر کی مستعدی کو باپ کے قتل پر قبول بھی کریں اور پھر ان کی صدیقیت سے انکار فرمائیں۔

دوسری روایت کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رشتہ داروں کے قتل کا مشورہ دیا

تفسیر مجمع البیان اور منہج الصادقین اور خلاصہ تفسیر جرجانی میں امامیہ مذہب کے مفسرین نے لکھا ہے کہ جب بدر کی لڑائی فتح ہوئی اور بہت سے لوگ مکے کے قید ہوئے۔ جن میں اکثر مہاجرین کے عزیز اور قریب تھے اور حضرت نے اُن کے معاملے میں صحابہ سے مشورہ کیا تب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ (جو کوئی جس کا رشتہ دار ہے وہ اس کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ اپنے ہاتھ سے اپنے کافر رشتہ دار کو قتل کرے اور خدا کی محبت کے سامنے رشتے اور قرابت کا خیال نہ کرے اس لئے عقیل علی کو اور نوفل مجھے اور فلاں فلاں کے حوالے کیا جائے واسطے قتل کے) اے شیعیان پاک ذرا اس روایت کو اپنی تفسیروں میں دیکھو اور انصاف کرو کہ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کا مضمون حضرت عمرؓ پر صادق ہے یا نہیں اور جو حضرت موسیٰؑ نے کفار پر شدت کرنے کے لئے فرمایا وہ اُن کے حال سے مطابق ہے یا نہیں اور اگر اس پر بھی نہ سمجھو تو خدا تم سے سمجھے ؛

دوسری شہادت انجیل کی

متی کی انجیل کے باب ۱۳ کے ورس ۳۱ و ۳۲ میں لکھا ہے کہ (آسمان کی بادشاہت رائی کے دانے کے مانند ہے جسے ایک شخص نے لے کے اپنے کھیت میں بویا اور وہ سب بیجوں سے چھوٹا ہے پر جب اُگتا ہے تب سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا درخت ہوتا ہے کہ ہوا کے پرندے اُس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں) اس پیشین گوئی کو اس آیت سے ملانا چاہیئے جو ابھی مذکور ہوئی کہ مَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ یعنی خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ پیغمبر کے یاروں کی مثال انجیل میں اس طرح لکھی ہے جس طرح ایک چھوٹا سا دانہ کہ اُس میں اول بیج نکلتی ہے پھر وہ بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ بڑا درخت ہو جاتا ہے اور دیکھنے والے

کو تعجب آتا ہے پس اس آیت کے مضمون کی اُس عبارت سے انجیل کی جو ہم نے اوپر بیان کی کیسی تصدیق ہوتی ہے اور اس سے بشہادت قرآن و بشہادت انجیل صحابہ کی فضیلت بخوبی ثابت ہوتی ہے اور درحقیقت یہ مثال بالکل صحابہ کے حال کے مطابق ہے۔ اس لئے کہ وہ اول تھوڑے تھے پھر آہستہ آہستہ بڑھ گئے اور ایک بڑا لشکر ان کا ہوگیا جس کی جماعت اور کثرت کو دیکھ کر کفار تعجب کرتے تھے اور اُن کی قوت کو دیکھ دیکھ کر جلے مرتے تھے پس جو کوئی اُن کی بزرگی کا قائل اور اُن کی فضیلت کا معتقد نہ ہو وہ درحقیقت قرآن اور انجیل اور تمام کتب سماوی کا منکر ہے اے صاحبو اگر صحابۂ رسول کے ایمان اور اسلام کے تم قائل نہیں ہو تو مہربانی کرکے ذرا ارشاد فرماؤ کہ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ سے کیا مراد ہے یعنی وہ کون لوگ حضرت کے ساتھ تھے جن کی صفت اللہ جل شانہ اس آیت میں فرماتا ہے اور اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کا مصداق بتلاؤ کہ وہ کون حضرات تھے جو کفار پر سختیاں کرتے تھے اگر صحابۂ کبار سوائے چار چھ کے سب کے سب منافق اور کافر تھے (ونعوذ باللہ من ذلک) تو وہ کون لوگ تھے جن کے سبب سے اسلام ایک دانے سے بڑا درخت ہوگیا اور وہ کتنے شخص تھے جن کو کفار دیکھ کر غیظ میں آتے تھے کیا کسی کے قیاس میں آسکتا ہے کہ چار چھ شخصوں کو دیکھ کر کافر جلتے ہوں اور معدودے چند کے ایمان لانے پر تعجب کرتے ہوں اگر ہزاروں آدمی مسلمان نہیں ہوگئے تھے اور وہ سب کے سب ایمان میں کامل نہ تھے۔ تو اللہ جل شانہ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ کیوں فرماتا اور اگر ہزاروں شخص اسلام نہیں لائے تھے تو کن کو دیکھ کر کفار کو غصہ آتا پس جب تک کوئی صحابہ کی فضیلت اور اُن کی کثرت کو تصدیق نہ کرے وہ ان آیتوں کو بھی تصدیق نہیں کرسکتا اے یارو خدا کی قسم سچ جاننا اور یقین کرکے ماننا کہ ہم کو نہایت ہی تعجب آتا ہے کہ جو لوگ ایسی آیتوں کو تصدیق کرتے ہیں اور جو مثال انجیل میں مذکور ہے ان کو پیغمبر خدا کی نبوت کی نسبت پیشین گوئی پر محمول کرتے ہیں اور پھر صحابۂ کبار کی فضیلت اور کثرت سے انکار کرتے ہیں۔ اور ایسی آیتوں اور پیشین گوئیوں کو صرف چار چھ شخصوں پر ختم کرتے ہیں اور صحابہ سے عداوت رکھ کر لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ کی تہدید سے ذرا بھی نہیں ڈرتے ؛

قرآن مجید کی شہادتیں صحابہ کی فضیلت میں پہلی آیت

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ط مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ[۱]

(معنی)، تم بہترین اُمت ہو جو نکالے گئے ہو آدمیوں کے لئے حکم کرتے ہو نیک باتوں کا - اور روکتے ہو بُری باتوں سے اور ایمان رکھتے ہو خدا پر اور اگر ایمان لاتے اہلِ کتاب تو بہتر ہوتا اُن کے حق میں بعضے ان میں سے مومن ہیں اور اکثر فاسق ÷

اس آیت میں اللہ جل شانہ صحابہ کی فضیلتوں کو اور اُن کی بزرگیوں کو خود اُن سے بیان فرماتا ہے اور اُن سے مخاطب ہو کر ارشاد کرتا ہے کہ تم بہترین اُمت سے ہو اور تم کو میں نے اور مخلوق سے منتخب کر لیا ہے تاکہ لوگوں کو ہدایت کرو چنانچہ تم جس کام کے لئے مقرر ہوئے وہ کرتے ہو اور جو خدمت تمہارے سپرد ہوئی اُس کو ادا کر رہے ہو تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کہ لوگوں کو نیک کام سکھلاتے ہو اور بُری باتوں سے بچاتے ہو ÷ جو شخص ذرا غور اور انصاف سے دیکھے تو یہی ایک آیت عقاید شیعیان عبداللہ بن سبا کے بطلان پر کافی ہے کہ خداوند کریم جب کہ اصحاب رسول کی نسبت فرمائے کہ وہ بہترین اُمت سے ہیں اور واسطے ہدایت بنی آدم کے پیدا کئے گئے ہیں اور اُن کے افعال حسنہ کی تصدیق کرے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں اور باوجود اس کے حضرات شیعہ اُن کو بدترین اُمت سے جانیں اور اُن کی بزرگی اور فضیلت سے انکار کریں -

ہم نہایت تعجب کرتے ہیں کہ ایسی صریح آیتوں اور ایسی صاف شہادتوں پر بھی وہ اپنے عقیدے کے فساد پر خیال نہیں کرتے اور ذرا بھی قرآن مجید کے لفظوں کو نہیں دیکھتے اگر صحابۂ کبار بہترین امت سے نہیں تھے تو خدا کا یہ خطاب کہ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ یعنی بہترین اُمت سے ہو کس سے ہے اور اگر اُن کے اعمال نیک نہ تھے تو اللہ جل شانہ کا یہ ارشاد کہ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ تم نیک کام اوروں کو بتلاتے ہو - اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو کس کی طرف ہے اگر وہ سچے دل سے ایمان نہیں لائے تھے تو خدا کی اس تصدیق کے کہ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ تم خدا پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہو کیا معنی ہیں ÷ یہ آیتیں تو ایسی صاف ہیں کہ ان میں کوئی تاویل اور کوئی بناوٹ ہو ہی نہیں سکتی سیدھی

---

[۱] پارہ ۴ رکوع ۱۲ سورہ آل عمران ۱۲

سیدھی لفظوں میں اللہ جل شانہ صحابہ کے ایمان اور اعمال کو بیان کر رہا ہے اور کمال عنایت سے اُن ہی سے مخاطب ہو کر خود اُن کی تعریفیں کر رہا ہے لیکن ہم کو سخت حیرت ہے کہ شیعیان پاک کے نزدیک اس آیت کے الفاظ کیا مہمل ہیں جن کے کچھ معنے نہ ہوں یا یہ کوئی لغز اور پہیلی ہے جو اُس کا مطلب ان کی سمجھ میں نہ آئے یا کوئی دقیق معما ہے کہ وہ اُن سے حل نہ ہو سکے یا ان کے عقیدے میں یہ الفاظ قرآن کے نہیں ہیں اور جامع قرآن نے اپنی اور اپنے بھائیوں کی بزرگی ظاہر کرنے کے لئے بڑھا دیئے ہیں کہ اس پر ایمان نہ ہو آخر ان باتوں میں سے اگر کوئی بات نہیں ہے تو یہ کیا بات ہے کہ اس کا اقرار کرتے جاتے ہیں کہ یہ آیتیں خدا کی کتاب کی ہیں اس کو تصدیق کرتے جاتے ہیں کہ صحابہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور پھر صحابہ کی فضیلت پر اعتقاد رکھنے کا کیا ذکر ان کے ایمان اور اسلام کی بھی تصدیق نہیں کرتے۔ اور جن کو خداوند کریم خَيْرَ اُمَّةٍ فرمائے [شر امۃ] سمجھتے ہیں اور جن کی نسبت خدا تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کہے اُن کے حق میں [یامرون بالمنکر وینہون عن المعروف] کا اعتقاد رکھتے ہیں اگرچہ یہ آیات بینات قرآن مجید کی ایسی صریح اور صاف ہیں کہ تفسیر دیکھنے کی حاجت نہیں ہے۔ لیکن ہم حضرات شیعہ کے اطمینان خاطر کے لئے اُن ہی کی معتبر تفسیروں کی سند لاتے ہیں اے بھائیو سنو تفسیر مجمع البیان طبرسی میں (جو کہ تمہاری تفسیروں میں سے بہترین تفاسیر ہے ۱۲۷۵ھ ہجری میں بمقام طہران دار السلطنت ایران چھپی ہے) اُس کے صفحہ ۲۰۰ میں لکھا ہے کہ[1] [پہلے خداوند تعالیٰ نے امر و نہی کا ذکر کیا۔ پیچھے اُس کے اُن لوگوں کا بیان کیا جو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں اور اس واسطے اُن لوگوں کی تعریف کی تاکہ اور لوگ اُن کی پیروی کریں اور اس واسطے ان ہی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم بہترین امت سے ہو] اور اس واسطے کہ کسی کو شبہہ نہ رہے کہ یہ خطاب كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ کا کس سے ہے اُسی تفسیر میں فرمایا ہے کہ[2] [بعضوں نے لکھا ہے کہ مراد اس سے خاص مہاجرین ہیں اور بعضوں نے لکھا ہے کہ یہ خطاب صحابہ سے ہے لیکن اور امت بھی شامل ہیں]

[1] لما تقدم ذکر الامر والنہی عقبہ تعالیٰ بذکر من تصدی للقیام بذلک مدحہم ترغیبا فی الاقتداء بہم فقال کنتم خیر امۃ اخرجت للناس قیل فیہ اقوال احدہا ان معناہ انتم خیر امۃ ۱۲ مجمع البیان [2] واختلف فی المعنے بالخطاب فقیل ہم المہاجرون خاصۃ وقیل ہو خطاب الاصحابۃ ولکنہ یعم سائر الامۃ ۱۲ مجمع البیان

اے یارو اس تفسیر کو دیکھو اور اپنے مفسّر کی تصدیق پر غور کرو کہ وہ خود اقرار کرتا ہے کہ خدا نے ان آیتوں میں صحابہ کا ذکر اس لیئے کیا کہ اور لوگ اُن کی پیروی کریں تو کیا پیروی اسی کا نام ہے جو تم کرتے ہو اگر بیزاری تمہاری اصطلاح میں بمعنی پیروی ہے تو بیشک تم خدا کے کلام کی تصدیق کرتے ہو ورنہ صریح تکذیب ؛

اس مقام پر جاہلوں کو کنتم کے لفظ پر ایک شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ خدا صحابہ سے فرماتا ہے کہ (تم بہترین امت سے تھے) اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اخیر تک ویسے ہی رہے ہوں شاید بعدہ بدترین امت سے ہو گئے ہوں لیکن اُن ہی کے علامہ طبرسی نے اس کا بھی جواب دے دیا چنانچہ اپنی تفسیر میں علامۂ موصوف لکھتے ہیں کہ[له] {کنتم خیر امۃ اللہ جل شانہ نے واسطے تاکید کے فرمایا کہ ضرور ایسا ہی ہوگا اور اس کے وقوع میں کچھ شک نہ ہوگا اور صحابہ جیسے بہتر ہیں ویسے ہی رہیں گے اور اس کی مثال یہ ہے کہ خدا اپنی نسبت فرماتا ہے کہ وکان اللہ غفوراً رحیما تو کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا تھا بخشنے والا مہربان اور اب نہیں ہے یا آیندہ نہ رہے گا} غرض کہ جب ان آیتوں اور تفسیروں سے صحابہ کی فضیلت ثابت ہو گئی اور کوئی موقع ان کی بزرگی کے انکار کا نہ رہا۔ تب بعض حضرات نے اپنا قدم دوسری راہ پر اُٹھایا اور قرآن مجید کی تحریف کا اقرار کیا چنانچہ بعض نے فرمایا ہے کہ بجائے کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ کے {خیر ائمۃ} تھا اور یہ خطاب خدا نے اماموں سے کیا تھا کہ {کنتم خیر ائمۃ} یعنی تم سب اماموں سے بہتر ہو مگر جامعان قرآن نے بجائے {ائمۃ} کے لفظ امۃ کا بنا دیا اگرچہ اور علمائے شیعہ کو کسی قدر حیا نے منع کیا اور اُنہوں نے اس جواب کو پسند نہیں کیا مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ اثر اُس کا اب تک باقی ہے چنانچہ جناب میرن صاحب قبلہ بھی اپنے حدیقۂ سلطانیہ کے باب سوم میں اُس کا ذکر کرتے ہیں اور اپنے پدر بزرگوار کی صوارم کا حوالہ دے کر یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ {تغییر و نقصان در قرآن منحصر در چہار چیز ست یکی تبدیل لفظی بلفظ آخر مثلاً

له ورالبهان كان مزيدة دخولها كخروجها الا انها تاكيداً لوقوع الامر لا محالة لانه بمنزلة ما قد كان فى الحقيقة فهى بمنزلة قوله تعالى واذكروا اذ انتم قليل وفى موضع آخر اذ كنتم قليلا فكثركم ونظيره قوله تعالى وكان الله غفورا رحيما لان المغفرة المستانفة كالماضية فى تحقيق الوقوع ۱۲ مجمع البيان -

اینکہ گفتہ شود بجاے کنتم خیر امۃ خیر ائمۃ بودہ لیکن بعضے از اعداے اہل بیت آں را تبدیل نمودہ اند} اور پھر اخیر میں خود ہی فرمادیا ہے کہ{ وجہ اوّل بعید ست} ہمارے نزدیک بجائے اس کے کہ خیر امۃ کی تصدیق کر کے صحابہ کے خیر امت ہونے سے انکار کریں شیعیان پاک کے حق میں یہی بہتر ہے کہ بجاے خیر امۃ کے خیر ائمۃ ہونے کا اقرار کریں اور تحریف قرآنی کے عذر سے اپنے آپ کو صریح منکر آیات بینات کا نہ بناویں۔

افسوس کہ جناب میرن صاحب قبلہ اور اُن کے والد ماجد انتقال فرما گئے ورنہ میں اُس حدیقۂ سلطانیہ اور صوارم کو لئے ہوئے خدمت میں حضرات کی حاضر ہوتا اور پُوچھتا۔ کہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ صحیح ہے یا کنتم خیر ائمۃ اگر فرماتے کہ کنتم خیر ائمۃ صحیح ہے اور خیر امۃ تحریف جامعین قرآن کی ہے تو بندہ عرض کرتا کہ اس وقت اور ائمۂ کرام سواے علی مرتضیٰ کے کون تھا اور کس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا تھا۔ جن سے خدا یہ خطاب کرتا اور جن کی یہ فضیلتیں بیان کرتا اور اگر فرماتے کہ نہیں خَیْرَ اُمَّۃٍ صحیح ہے تو کمترین التماس کرتا کہ پھر اُس گروہ سے جس کو خدا خیر اُمۃٍ فرماتا ہے اور جس کی آپ بھی تصدیق کرتے ہیں بیزاری کفر ہے یا نہیں اور اُن کے آگے اُنہی کی کتاب کھول کر اس کے صفحہ ۱۸۶ کی یہ عبارت نکال کر پوچھتا کہ حضرت اس کا کیا مطلب ہے وہو ہذہ{ از انجملہ است انچہ از حضرت صادق علیہ السلام ماثور ست کہ فرمود آن ہذا القرآن فیہ منار الہدیٰ ومصابیح الدجیٰ یعنی درین قرآن انوار ہدایت و چراغہای دور کنندۂ تاریکی ضلالت و غوایت روشن ست} اور قسم دے کر پوچھتا کہ تم کو اپنے اجتہاد ہی کی قسم ہے کہ جس قرآن کو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس میں انوار ہدایت اور چراغ روشن ہیں اُس میں صحابہ کی نسبت کیا لکھا ہوا ہے اگر کنتم خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ لکھا ہے تو پھر آپ کیوں اُس سے انکار کرتے ہیں اور کیوں روشنی چھوڑ کر تاریکی میں پڑتے ہیں اور پھر اُسی کتاب کی یہ عبارت نکالتا کہ (از حضرت امام باقر علیہ السلام منقولست کہ در ہنگامیکہ فتنہا بر شما ملتبس شود۔ مانند پارہای شب تار پس رجوع آرید بقرآن کہ شفاعت کنندہ و مقبول الشفاعت ست ہر کسے کہ آنرا پیش نہد اللہ او را براہ جنت مے برد) اور یہ کہتا کہ قبلہ و کعبہ سُنیے آج کل کوئی فتنہ اس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ ہم صحابہ کو بہترین امت سے جانتے ہیں اور آپ بدترین اُمت سے اور نہ آپ ہماری مانتے ہیں نہ ہم آپ کی۔ اب آپ آئیے امام باقر علیہ السلام

کے قول پر عمل کیجئے اور قرآن سے رجوع کیجے اگر اُس میں کنتم خیر اُمّتہٍ صحابہ کی نسبت لکھا ہو
تو بس راہ جنت کی اختیار کیجیے اور اپنا مذہب چھوڑ دیئے اور اگر اس میں کنتم شر امۃ اُن
کی نسبت ہو تو ہم کو اپنے مذہب میں لیجیے اور تاریکی سے نکالئے معلوم نہیں کہ اگر حضرات
موصوف زندہ ہوتے تو کیا جواب دیتے اور خبر نہیں کہ اب اُن کے جانشین کیا جواب دینگے

دوسری آیت

فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ
عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ج ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط
وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ۔ اس آیت میں اللہ جل شانہ مہاجرین کی تعریف کرتا ہے اور
اُن کے جنتی ہونے کی بشارت دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے میرے پیچھے اپنے
وطن اور گھر اور کنبے قبیلے کو چھوڑا اور جن پر میرے اُوپر ایمان لانے سے تکلیفیں پہنچیں
اور جن کو میری راہ میں ایذائیں دی گئیں تو میں بھی اپنے ایسے سچے ایمان لانے والوں اور
پکے مسلمانوں سے بڑی مہربانی سے پیش آؤں گا اور ان کی محنتوں اور مصیبتوں اور جانفشانیوں
کا ان کو اچھا بدلہ دوں گا اُن کے گناہوں سے درگذر کروں گا ان کی بھول چوک کو نہ دیکھونگا
بلکہ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دونگا اور بے پوچھے بتلائے اُن کو ایسی جنتوں
میں جگہ دونگا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جہاں اُن کو نہ کچھ غم رہے گا نہ رنج نہ کوئی فکر
اُن کو رہے گی نہ کھٹکا اور یہ ثواب اُن کو اپنی طرف سے دونگا اور اپنے فضل اور مہربانی
سے اُن کے اعمال سے بہت بڑھ کر اُن کو درجہ عطا کروں گا اب ان آیتوں کو دیکھ کر
مہاجرین کی فضیلت اور بزرگی پر خیال کرنا چاہیئے کہ کس محبت اور پیار سے خدائے عزّ و
جل اُن کا ذکر کرتا ہے اور اُن کے مدارج اور مراتب کا کس خوبی سے اظہار فرماتا ہے
اور ان کے قطعی جنتی ہونے کا اقرار کرتا ہے اور اُن کے گناہوں اور سئیات سے درگذر
کرنے کا اور نیکیوں سے بدل دینے کا وعدہ کرتا ہے اور اُن کے اعمال کی جزا میں جو
کچھ دیگا وہ تو ایک طرف اپنی طرف سے براہ تفضلات ثواب دینے کا بیان کس مہربانی

لہ پارہ ۴ - رکوع ۲۰ سورۂ آل عمران ۱۲

سے فرماتا ہے پس اب ان آیتوں کے دیکھنے والوں سے ہم عرض کرتے ہیں کہ جن مہاجرین کی نسبت خدا نے یہ وعدے کئے ہیں اور جن کے بہشتی ہونے کا ذکر فرمایا ہے وہ کون تھے کیا وہ لوگ مہاجرین نہ تھے جن کا نام ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ ہے اور کیا گھر بار چھوڑنے والوں میں وہ اشخاص نہ تھے جن کو شیعہ بُرا جانتے ہیں اور کیا یہ لوگ اس آیت سے مستثنیٰ کر دیئے گئے ہیں اور کیا یہ اشخاص لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ کے وعدے سے خارج کر دیے گئے ہیں اے بھائیو اس آیت کو پڑھ کر اب تم مہاجرین کے گناہوں کے ڈھونڈھنے میں اوقات ضائع نہ کرو اور ان کی برائیوں کی تلاش میں اپنی عمر نہ گنواؤ اگر دو چار عیب اُن کے تم نے ڈھونڈھ بھی لیے تو بھی جب تک تم مہاجرین میں ہونے سے اُن کا انکار نہ کرو گے اور جب تک تم اُن کی ہجرت کا اقرار کرتے رہو گے تمہاری عیب جوئی اور نکتہ چینی کچھ کام نہ آویگی اور اس سے اُن کے یقینی جنتی اور قطعی بہشتی ہونے میں کچھ ضرر نہ ہوگا اس لئے کہ وہ خود فرما چکا ہے کہ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ کہ میں اُن کے گناہوں سے درگذر کروں گا اور ضرور ضرور اُن کو جنت میں داخل کروں گا اس لئے کہ وہ میرے پیچھے گھروں سے نکالے گئے میری بدولت رنجوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہوئے اپنے دوستوں کو چھوڑ کر میرے دوست کے ساتھ ہوئے اپنے محبوبوں سے جدا ہو کر میرے محبوب کے شریک ہوئے پس اُن کا ہجرت ہی کرنا ایک ایسا عمل ہے کہ ہزار اعمال اور لاکھ عبادت اور کروڑ نیکیوں سے بہتر ہے۔

تیسری آیت

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًاؕ اس آیت میں اللہ جل شانہ مہاجرین اور انصار کی نسبت اپنی رضامندی ظاہر فرماتا ہے اور ان کو اور ان کی پیروی کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری پہنچاتا ہے ہمارے نزدیک اگر کوئی شخص اس آیت پر ذرا بھی غور کرے اور اُس کے مطلب کو سوچے تو وہ ہرگز صحابۂ کبار اور مہاجرین

لہ پارہ ۱۱ - رکوع ۱۲ - سورہ توبہ ۱۲

اور انصار کی نسبت سوائے فضیلت اور بزرگی کے دوسرا اعتقاد نہ رکھے اس لئے کہ جب
اُن کی شان میں خدائے جل شانہٗ فرمائے کہ رضی اللّٰہ عنہم ورضوا عنہ کہ میں اُن سے راضی
اور وہ مجھ سے راضی اور اُن کے حق میں اللّٰہ تبارک و تعالےٰ ارشاد کرے کہ اَعَدَّ لَہُم جَنّٰتٍ
کہ تیار کر رکھی گئی ہیں اُن کے لئے جنتیں اور آراستہ کردی ہیں اُن کے واسطے بہشتیں
تو پھر کون ہے کہ اُن کی فضیلت کا نہ ہو پس شیعیان پاک کو صرف اس قدر غور کرنا
چاہیئے کہ مہاجرین اور انصار میں صحابہ کبار جن سے وہ عداوت رکھتے ہیں داخل ہیں
یا نہیں اگر ہیں تو پھر ان کے جنتی ہونے میں کیا شک ہے اور اگر نہیں ہیں تو یہ خطاب
خدا کا کس سے ہے اے بھائیو ذرا سوچو کہ قرآن مجید پر ایمان اسی کا نام ہے کہ جن کے
حق میں اللّٰہ اپنی رضامندی ظاہر کرے اُن سے تم ناراض ہو اور جن کے جنتی ہونے کی
خدا خبر دے اُن کو تم مسلمان بھی نہ سمجھو اور اگر اس آیت پر بھی کوئی ایمان نہ لائے اور یہ
شبہ کرے کہ اس میں خلفائے ثلثہ کے نام تو مذکور ہی نہیں ہیں اس لئے ان کی فضیلت
کا انکار مستلزم انکار آیت نہیں تو اس کے شبہ دور کرنے کے لئے ہم امام باقر علیہ السلام کی
شہادت پیش کرتے ہیں اور جس طرح اُنہوں نے خلفائے ثلثہ کو داخل حکم اس آیت کے
بیان کیا ہے اس کو ہم بیان کرتے ہیں اس کو ذرا دل سے سنو اور اپنے ہی مذہب کی کتاب
سے اس کی سند لو (وہو ہذہ) صاحبؔ الفصول نے امام باقر علیہ السلام سے روایت کی
ہے کہ (ایک روز حضرت امام باقر علیہ السلام کا گذر ایک جماعت پر ہوا جو کہ خلفائے ثلثہ کی
عیب جوئی کر رہے تھے آپ نے پوچھا کہ مجھے تبلاؤ کہ تم اُن مہاجرین میں سے ہو کہ جو خدا کے
لئے گھر سے نکالے گئے اور خدا کے لئے ان کا مال لوٹا گیا اور جنہوں نے خدا اور رسول کی مدد

لہ انہ قال لجماعۃ خاضوا فی ابی بکر و عمر و عثمان الا تخبرونی انتم من المہاجرین الذین اخرجوا من دیارہم و اموالہم
یبتغون فضلا من اللّٰہ و رضوانا و ینصرون اللّٰہ و رسولہ قالوا لا قال فانتم من الذین تبوؤ الدار و الایمان
من قبلہم یحبون من ہاجر الیہم قالوا لا قال اما انتم فقد برئتم ان تکونوا احد ہذین الفریقین و انا اشہد انکم
لستم من الذین قال اللّٰہ تعالےٰ والذین جاؤا من بعدہم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان
ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم

کی انہوں نے کہا کہ نہیں ہم اُن میں سے نہیں ہیں تب آپ نے پوچھا کہ پھر کیا تم ان لوگوں میں سے ہو کہ جنہوں نے دار ہجرت میں اور دار ایمان میں گھر بنایا تھا اور مہاجرین کو آرام دیا تھا انہوں نے کہا کہ نہیں تب آپ نے کہا کہ خود تم بیزار ہو اور نہیں چاہتے کہ دونوں فریق میں سے ہو اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تم ان میں سے بھی نہیں ہو جن کی نسبت خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ بعد ان مہاجرین اور انصار کے آئیں گے۔ وہ ایسے مومن ہونگے کہ یہ دعا کیا کرینگے کہ الٰہی ہماری اور ہمارے اگلے بھائیوں کی جو ہم سے ایمان میں سبقت لے گئے ہیں مغفرت کر اور ہمارے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے کینہ مت رکھ بیشک تو نرمی کرنے والا مہربان ہے) اے بھائیو تم اپنے آپ کو امامیہ کہتے ہو اور ائمہ کرام کے اقوال کو کم از آیات نہیں سمجھتے مگر نہیں معلوم کہ اُن اقوال کو جو صحابہ کے فضائل میں ہیں کیوں نہیں مانتے اور کیوں اپنے اماموں کی پیروی نہیں کرتے۔ اور کیوں ان کو صحابہ کے فضائل بیان کرنے میں جھوٹا جانتے ہو غرض کہ اس حدیث سے امام باقر علیہ السلام کی ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک خلفائے ثلٰثہ اس آیت کے حکم میں داخل ہیں اور جو وعدے جنت وغیرہ کے خدا نے مہاجرین اور انصار سے کئے ان میں وہ شریک ہیں اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ جو لوگ ان کی عیب جوئی کرتے تھے اُن سے حضرت امام موصوف بیزار تھے اور ان کو اسلام اور ایمان سے خارج سمجھتے تھے پس سوائے تقیہ کے اور تو دوسرا کوئی جواب ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن معلوم نہیں کہ کہاں تک تقیہ کا عذر کیا کرینگے اور کب تک تقیہ کو ڈھال بنائے رہیں گے افسوس ہے کہ جب خدا صاف صاف مہاجرین اور انصار کی تعریف کرے اور آیمہ علیہ السلام خلفائے ثلٰثہ کی صاف فضیلت بیان کریں۔ اور پھر بھی حضرات شیعہ قائل نہ ہوں اب معلوم نہیں کہ مہاجرین اور انصار کی فضیلت کے لئے کیسی دلیل چاہتے ہیں۔

حضرات شیعہ بعض مرتبہ یہ شبہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ نے ان مہاجرین اور انصار کی تعریف کی ہے جنہوں نے خاص خدا کے لئے ہجرت اور نصرت کی تھی نہ کہ ان کی جنہوں نے دنیا کی طمع سے ہجرت اور نصرت کی تھی۔ اس شبہ کو ہم تین طرح سے رد کرتے ہیں اول یہ کہ جب مہاجرین نے ہجرت کی اور انصار نے نصرت اُس وقت دنیا اور دولت کہاں تھی جس کی طمع ہوئی ہو جب مہاجرین نے مکے سے ہجرت کی تب کیا مدینے میں کیسی

خزانے کے نکلنے کی خبر اُن کو ملی تھی جس کے لوٹنے کے لئے گئے ہوں یا جب انصار نے مہاجرین کی خاطر کی اور اُن کو اپنے گھر ٹھہرایا تو کیا مہاجرین کچھ بہت سا مال اپنے ہمراہ لے کر گئے تھے جس کے چھین لینے اور لوٹ لینے کی نیت سے انہوں نے ان کی مدد کی ہو اگر مہاجرین نے خدا کے لئے ہجرت اور انصار نے اللہ کے واسطے نصرت نہیں کی تو پھر ان کی ہجرت اور نصرت کا کیا سبب تھا دوسرے اگر تمام مہاجرین اور انصار نے ہجرت اور نصرت دنیا کی طمع پر کی تھی تو خدا کا مہاجرین اور انصار کی تعریف کرنا (معاذ اللہ) فضول اور مہمل ہوا جاتا ہے اس لئے کہ جب کسی نے خدا کے لئے ہجرت اور نصرت نہیں کی تو خدا کس کی شان میں وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ فرماتا ہے اور جب سب کے سب منافق تھے تو کن کی نسبت لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ارشاد کرتا ہے اور اگر بعضوں کی ہجرت اور نصرت خدا کے لئے اور بعضوں کی دنیا کے لئے تھی ان کا نشان دیجئے کہ وہ کتنے صاحب تھے جنہوں نے خدا کے لئے ہجرت اور نصرت کی جب نام لینا اور نشان دینا شروع کرو گے تو سوائے تین چار کے اور کوئی نہ نکلے گا۔ اور تین چار کی ہجرت اور نصرت کے ثبوت سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ تیسرے اللہ جل شانہ نے خود اپنی کتاب پاک میں اس شبہے کو دور کر دیا اور اپنے مہاجرین اور انصار کی طرف سے جواب دے دیا۔ چنانچہ اور دو آیتوں میں اللہ جل شانہ نے اس امر کو تصدیق کر دیا کہ مہاجرین اور انصار نے جو کچھ کیا۔ وہ میرے ہی واسطے کیا ہے چنانچہ ہم دو آیتوں کو ایک مہاجرین کی نسبت دوسری انصار کی نسبت بیان کرتے ہیں۔ پہلی آیت اللہ جل شانہ مہاجرین کی نسبت فرماتا ہے کہ اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ[1] کہ جو لوگ نکالے گئے اپنے گھروں سے اُن سے کوئی قصور نہیں ہوا تھا سوائے اس کے کہ وہ اللہ کو اپنا پروردگار کہتے تھے اور گھر کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے تھے پس اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین کی ہجرت کا باعث سوائے اس کے دوسرا نہ تھا کہ کفار اُن کے اسلام لانے سے خفا ہو گئے تھے اور ان کے خدا کو رب کہنے سے ناراض ہو گئے تھے کہ اسی قصور میں انہوں نے ایذا دینی شروع کی اور بمجبوری اُن کو گھر بار چھوڑنا پڑا اب اس آیت کو بھی سن کر اگر حضرات شیعہ

---

[1] پارہ ۱۷۔ رکوع ۶۔ سورۂ حج ۱۲۔

یہ کہیں کہ مہاجرین نے بطمع دنیا کے ہجرت کی تھی تو ان کو زیبا ہے ہمارے تو منہ سے ایسی بات نکل بھی نہیں سکتی۔ دوسری آیت اللہ جل شانہٗ انصار کی شان میں فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[1] کہ جو لوگ مہاجرین سے پہلے مدینے میں رہتے تھے وہ چاہتے ہیں اُن لوگوں کو جو ہجرت کر کے آئیں اُن کے پاس اور جو کچھ مہاجرین کو دیا جاتا ہے اس کا کچھ خیال نہیں کرتے اور اُس سے رنجیدہ نہیں ہوتے اگرچہ وہ خود بھی محتاج ہیں اور اپنی جانوں سے زیادہ مہاجرین کو چاہتے ہیں اور کچھ بھی حرص وطمع نہیں رکھتے اور جو ایسے ہیں وہ فلاح پائیں گے پس دیکھنا چاہیئے کہ خدا انصار کی نصرت کی کیسی تعریف کرتا ہے اور اس امر کی کہ اُن کی نصرت صرف واسطے خدا کے ہے کیسی تصدیق فرماتا ہے پس اب ہم حیران ہیں کہ جب اللہ جل شانہٗ مہاجرین کی ہجرت کو صرف اپنے واسطے فرمائے اور انصار کی نصرت کو فقط اپنے لئے تصدیق کرے اور پھر شیعوں کے مُنہ سے یہ بات نکلے کہ اُن کی ہجرت اور نصرت دنیا کے واسطے تھی اے یارو ذرا تو سوچو کہ تم خدا کے کلام کی تصدیق کرتے ہو یا تکذیب اللہ کے حکم کو مانتے ہو یا اُس سے مقابلہ کرتے ہو خدا تو فرمائے کہ مہاجرین اور انصار اچھے تم کہو کہ نہیں وہ بُرے سے بُرے وہ کہے کہ میں اُن سے راضی وہ مجھ سے راضی۔ تم کہو کہ نہیں بالکل غلط نہ خدا اُن سے راضی نہ وہ خدا سے راضی۔ اللہ فرمائے کہ اُنہوں نے ہجرت میرے لئے کی اور نصرت میرے واسطے کی اور تم کہو کہ نہیں کہ وہ دنیا کی طمع سے نکلے حرص دولت کے پیچھے پیغمبر کی نصرت میں شریک ہوئے آخر ذرا تو غور کرو کہ کیا کہتے ہو اور کیا کرتے ہو اے بھائیو ایک آیت ہو دو آیت ہوں اس کی تاویل ہو سکتی ہے اُس کے معنی بن سکتے ہیں جب سارا قرآن مجید مہاجرین اور انصار کے ذکر سے بھرا ہوا ہے تو کہاں کہاں تاویل کرو گے کس کس آیت کی تحریف معنوی فرماؤ گے۔ ع
دتن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہی[؟] حقیقت یہ ہے کہ مذہب تو عبد اللہ بن سبا کا اختیار

---

[1] پارہ ۲۸۔ رکوع ۱۔ سورہ حشر ۱۲۔

کر لیا مگر اب کوئی بات بن نہیں پڑتی نہ قرآن مجید سے انکار ہو سکتا ہے نہ اس کی تصدیق کی جاتی ہے۔ شعر

عشق چہ آسان نمود آہ چہ دشوار بود　　ہجر چہ دشوار بود یار چہ آسان گرفت

چوتھی آیت

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ۙ وَّمَغَانِمَ کَثِیْرَۃً یَّاْخُذُوْنَھَا ۭ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا وَعَدَکُمُ اللّٰہُ مَغَانِمَ کَثِیْرَۃً تَاْخُذُوْنَھَا فَعَجَّلَ لَکُمْ ھٰذِہٖ وَکَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ عَنْکُمْ وَلِتَکُوْنَ اٰیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَیَھْدِیَکُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۙ وَّاُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْھَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰہُ بِھَا وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا [1]۔ سبب نزول اس آیت کا یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارادہ کیا کہ عمرہ ادا کریں۔ پس اعراب اور بادیہ نشینوں کی اس سفر میں ہمراہی کے لئے دعوت فرمائی اس لئے کہ اندیشہ تھا کہ کفار مکے میں لڑائی کریں اور اندر مکے کے نہ جانے دیں لیکن اکثر اعراب نے حضرت کی دعوت کو نہ سنا اور اس سفر میں آپ کے ہمراہ نہ ہوئے مگر وہی خالص مخلص کہ جو سراپا ایمان سے بھرے ہوئے تھے حضوری میں چلے جب مکے کے نزدیک پہنچے قریش مانع ہوئے تب حضرت نے حراش کو اہل مکہ کے پاس بھیجا مگر لوگ اس کے قتل کے درپے ہوئے وہ لوٹ آیا تب حضرت نے حضرت عثمانؓ کو بھیجا کہ اہل مکہ نے حضرت عثمان کو قید کر لیا اور اُن کے قتل کی خبر مشہور ہوئی تب حضرت نے اپنے یاروں کو جو آپ کے ساتھ تھے جمع کیا جن کی تعداد باختلاف روایات چار سو سے کر دو ہزار تین سو تک تھی اور حضرت نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر ان سب سے بیعت لی کہ قریش سے لڑیں اور کسی طرح منہ نہ پھیریں۔ چنانچہ اُن سب نے خوشی سے بیعت کی اور سوائے قید بن قیس منافق کے کسی نے تخلف اس بیعت سے نہیں کیا [2]۔ چونکہ اس سفر میں منافقوں کا نفاق اور مخلصوں کا اخلاص ظاہر ہوا اور بیعت میں صحابہ کی مضبوطی اور ایمان کا

[1] پارہ ۲۶ - رکوع ۳ - سورہ فتح ۱۲
[2] یہ روایت موافق روایت شیعوں کے ہے جس کا ثبوت آئندہ

مگر کتاب نے اردو ترجمہ کشف الغمہ سے اسی روایت کو نقل کیا ہے۔

حال کھل گیا اس لئے اس بیعت کا نام بیعت الرضوان ہوا اور اُنہی بیعت کرنے والوں کی
شان میں خدا نے فرمایا کہ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ کہ خدا
راضی ہوا اُن ایمان والوں سے کہ جنہوں نے درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کی فَعَلِمَ مَا فِیْ
قُلُوْبِہِمْ اور ان کے دِلوں کا اخلاص اس سے ظاہر ہو گیا اگر وہ منافق ہوتے تو اس
سفر میں ساتھ نہ آتے اور کبھی ایسے وقت پر بیعت نہ کرتے فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْہِمْ اور
اُن کے دِلوں کو طمانیت اور تسکین دے دی تاکہ بلا خوف و خطر لڑائی پر مستعد
ہوئے اور مرنے اور مارنے پر تیرے ہاتھ پر بیعت کی وَاَثَابَہُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا اور ان
کی شکستگی دُور کرنے کے لئے اُن کو بہت ہی جلد بہت سی غنیمتیں دیں اور آئندہ
بڑے بڑے فتوحات اور غنائم کا مثل روم اور پارس کے وعدہ کیا۔ پس ان
آیتوں سے اُن سب اصحاب کی جنہوں نے حضرت کے ساتھ درخت کے نیچے بیعت
کی بزرگی ثابت ہوتی ہے اور اُن کا اخلاص اور ایمان میں کامل ہونا ظاہر ہوتا ہے
کوئی لفظ کوئی حرف بھی خدا نے ان آیتوں میں ایسا ذکر نہ کیا جس سے کوئی موقع
کوئی محل انکار کا ہو بلکہ اپنی رضامندی کا اظہار اس طور سے کیا کہ جس کا کبھی زوال
نہ ہو اور اُن فتوحات کا وعدہ کیا جن کا ظہور اُن ہی صحابہ کے ہاتھ سے ہوُا۔ اب ہم
شیعیان علی سے پوچھتے ہیں کہ وہ اول یہ فرمائیں کہ یہ آیت قرآن مجید کی ہے یا نہیں
اگر ہے تو یہ اُن ہی لوگوں کی شان میں ہے جنہوں نے پیغمبر خدا کی بیعت درخت کے
نیچے کی تھی یا نہیں اگر اُن ہی کی شان میں ہے تو اُن میں حضرت ابو بکر صدیق رضؓ اور
حضرت عمر وغیرہ صحابہ کرام داخل تھے یا نہیں اگر تھے تو جو کچھ خدا ان بیعت کرنے
والوں کے حق میں فرماتا ہے کہ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ کہ میں اُن سے راضی ہوا تو اس رضا
میں وہ لوگ بھی آ گئے یا نہیں اگر نہیں آئے تو ان کے مستثنیٰ ہونے پر کیا دلیل ہے
اور اگر وہ بھی آ گئے تو جن سے خدا راضی ہوا اور جن کی شان میں خود لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ
فرمائے اُن سے ناراض ہونا اور اُن کو بُرا جاننا انکار آیات قرآنی سے ہے یا نہیں اگر
یہ کہو کہ وہ منافق تھے تو اس کا رد بھی خدا نے خود کر دیا کہ فرماتا ہے فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِہِمْ
فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْہِمْ کہ مَیں نے ان کے دِلوں کا امتحان کر لیا اور سمجھ لیا کہ یہ بڑے
پکے مسلمان اور سچے ایمان والے ہیں اسی لئے میں نے نازل کی ان پر تسلی اور دی

ان کو فتح اور اگر وہ لوگ منافق ہوتے تو کیوں خدا ان کے ایمان پر شہادت دیتا اور کیوں اُن کو فتح اور غلبہ عنایت کرتا ✤

ان آیتوں کو دیکھ کر اگر کسی شیعہ کو یہ خطرہ پیدا ہو کہ جب ایسی آیت صریح صحابہ کی فضیلت میں خدا کی کتاب میں موجود ہے تو پھر کیا سبب ہے کہ ہمارے مذہب کے علما نے صحابہ کی فضیلت سے انکار کیا ضرور کوئی نہ کوئی سبب ہو گا - ورنہ کیا سب عالم سب مولوی سب فاضل سب مجتہد ہمارے مذہب کے نادان تھے کہ ایسی آیت سے ایسا صریح انکار کیا اور باوجود اس کے بھی صحابہ کو بُرا جانا اس لئے ہم اُن ہی کے مذہب کی معتبر تفسیروں سے اپنے دعوے کو ثابت کرتے ہیں اور یہ امر کہ اُن کے عالم اور مولوی نادان تھے یا دانا ایمان والے تھے یا بے ایمان منصف تھے یا متعصب اُن ہی کی عقل پر چھوڑتے ہیں اُن کی تفسیروں کو دیکھ کر جو کچھ وہ انصاف سے مناسب جانیں ویسا سمجھیں - اے بھائیو سنو کہ تمہارے یہاں کے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کیا لکھا ہے (کاشانی) اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ (آنحضرت فرمودند بدوزخ نزود یک کس ازاں موماناں کہ در زیر شجر بعیت کردند وایں رابعیت الرضوان نام نہادہ اند بجہت آنکہ حق تعالےٰ درحق ایشاں فرمود کہ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ) الخ اگر اس روایت پر اطمینان نہ ہو اور حضرات شیعہ کو اپنے متکلمین اور متعقبین کے جواب سننے کا اشتیاق ہو تو اس کو بھی سنیں کہ اُن کے علما نے اس آیت کو دو طرح پر رد کیا ہے بعضوں[1] نے یہ فرمایا ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خداوند تعالےٰ اس فعل خاص سے یعنی بعیت سے راضی ہوا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا ان کے سب کاموں سے راضی ہوا ہو اور آیندہ بھی راضی رہے ✤

اور بعض[2] کا یہ قول ہے کہ بعد اس بعیت کے صحابۂ کبار نے وہ کام کئے جو مخالف

---

[1] قاضی نوراللہ شوستری نے مجالس المومنین میں لکھا ہے کہ مدلول آیت عند التحقیق رضا حق تعالےٰ است ازاں فعل خاص کہ بعیت ست وکسے منکر این نیست کہ بعضے از افعال حسنہ مرضیہ ازایشاں واقعست سخن درین ست کہ بعضے افعال قبیحہ ازایشاں بوجود آمدہ کہ مخالف آن عہد و بعیت ست چنانکہ در امر خلافت ۱۲

[2] صاحب تقلیب المکائد نے بجواب کید نود و یکم تحفۂ اثنا عشریہ کے لکھا ہے کہ اما بودن ابوبکر و عمر در اہل

اس بیعت کے بھتے یعنی لڑائیوں میں بھاگ گئے خلافت خلیفۂ برحق کی غصب کر گئے پس وہ
اس آیت کے وعدے سے خارج ہو گئے پس بہ نسبت امر اول کے ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ
خدا کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ صحابہ کے اور کاموں سے راضی نہ تھا صرف ایک فعل خاص
بیعت سے راضی ہوا اس لئے لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ فرمایا ایسی تہمت ہے کہ کوئی مسلمان
اپنے دل میں اس کا خیال بھی نہیں کر سکتا کیا یہ ممکن ہے کہ اگر خدائے عزوجل اُن بیعت کرنے
والوں سے ہر طرح پر راضی نہ ہوتا تو وہ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ صرف اُن کے دل
خوش کرنے کو براہ تدلیس فرماتا اور جن باتوں سے اُن کی ناراض تھا اُن کو تقیۃً ظاہر نہ
کرتا اور یہ امر بھی غور کرنے کے لائق ہے کہ حضرات شیعہ کو کس طرح معلوم ہوا کہ صحابہ کے
اور کاموں سے خدا ناراض تھا آخر کیونکر ان کو اُس کی نارضامندی کا حال معلوم ہوا۔
نہایت تعجب کا مقام ہے کہ خدا اُن کے اُس فعل کو جس سے راضی ہوا۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ کہ
کر ظاہر کرے اور اُن کے وہ افعال جن سے ناراض ہو سوائے شیعیان عبد اللہ بن سبا
کے کسی پر اظہار نہ فرمائے شاید شیعیان پاک یہ جواب دیں کہ اُس قرآن میں جو امام
مہدی کے پاس ہے اصحاب کی بُرائیاں لکھی ہوئی ہیں مگر ہم جب تک کہ اس کو اپنی آنکھ
سے نہ دیکھ لیں اور امام صاحب سے اُس کی تصدیق نہ کر لیں اس کو قبول نہیں کر سکتے
لیکن افسوس تو یہی ہے کہ نہ امام صاحب کا کچھ نشان ملتا ہے نہ اُس قرآن کا کچھ پتا چلتا
ہے۔ ہزار برس تو گزر گئے اور ہنوز معلوم نہیں کہ ابھی اور کتنے امام کے ظہور میں باقی
ہیں۔ شعر

صد شب ہجر گذشت و مہ من پیدا نیست　　طرفہ عمری کہ بصد سال ندیدم یک ماہ

اور بہ نسبت امر دوم کے کہ صحابۂ کبار اس آیت کے وعدے سے بسبب نکث بیعت کے
خارج ہیں اس کا جواب ہم اس طرح دیتے ہیں کہ اس اعتراض سے بھی اتنا ثابت ہوتا

بقیہ حاشیہ صـ ۳۱ - بیعت رضوان ہیں فائدہ بحال شان نمی رساند زیرا کہ حق سبحانہٗ وتعالےٰ مے فرماید ان الذین
یبایعونک الخ این کلام معجز نظام دلالت میکند برا اینکہ بعضے اہل بیعت رضوان نکث بیعت خواہند کرد۔ چنانچہ
از ابو بکر و عمر و دیگران بظہور رسید بیانش آنکہ بیعت باین شرط بودہ است کہ فرار ہزیمت نکنند و در حرب
ثابت بمانند یا کشتہ شوند بعد ازین بیعت در ہمان سال جنگ خیبر پیش آمد ابو بکر و عمر فرار کردند و ہزیمت خوردند ۱۲

ہے کہ بیعت رضوان کے وقت تک صحابۂ کبار اور مہاجرین و انصار سچے مسلمان اور پکے مومن تھے نہ منافق تھے نہ کافر اور اُن کی بیعت صادق تھی نہ منافقانہ چنانچہ یہ فقرہ صاحب تقلیب المکائد کا کہ (این کلام معجز نظام دلالت میکند بر اینکہ بعضے از اہل بیعت رضوان نکث بیعت خواہند کرد) دلیل اس پر ہے کہ جب بیعت کی تھی اُس وقت تک نہ منافق تھے نہ کافر بلکہ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ میں داخل تھے اور شہید ثالث نور اللہ شوستری کا یہ کلمہ کہ (مدلول آیۃ عند التحقیق رضا حق تعالیٰ ست ازاں فعل خاص کہ بیعت ست و کسے منکر این نیست کہ بعضے از افعال حسنہ مرضیہ از ایشاں واقع ست) شاہد اس پر ہے کہ اُن کا بیعت کرنا فعل حسنہ تھا بس اسی سے یہ اعتقاد کہ صحابۂ کبار اول ہی سے منافق تھے باطل ہوا اور جب تک یہ آیت جس میں خدا نے اپنی رضامندی ظاہر کی نازل ہوئی اُن کا مسلمان اور باایمان ہونا ثابت ہوا خیر اب آگے چلئے اور بعد اس بیعت کے اُن کے حال پر نظر کیجئے کہ کیا کام اُن سے ایسے ہوئے جن سے اُن کا نکث بیعت کرنا ثابت ہوا اور وہ کام کس وقت ہوئے پیغمبر صاحب کے جیتے جی یا اُن کی وفات کے بعد چنانچہ اُس کی نسبت شہید ثالث اور صاحب تقلیب المکائد نے جو کچھ لکھا ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعد اس بیعت کے پیغمبر صاحب کے سامنے اُن سے نکث بیعت ہوا یعنی وہ جنگ خیبر پر ثابت قدم نہ رہے بلکہ بھاگ گئے اُس کی نسبت ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ اگرچہ قلعۂ خیبر حضرت صدیق اکبر یا حضرت عمر رض کے ہاتھ سے فتح نہیں ہوا لیکن فتح نہ ہونا مستلزم فرار نہیں ہے بھاگنا جنگ خیبر سے حضرات شیعہ نے کہاں سے ثابت کیا اور بالفرض اگر وہ جنگ خیبر سے بھاگے اور اُنہوں نے نکث بیعت کیا۔ تو جس طرح ہم نے اُن کی بیعت کو خدا کے کلام سے ثابت کیا اور خدا کی رضامندی کا لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ کی آیت پیش کر کے ثبوت دیا اسی طرح حضرات شیعہ کے ذمے ہے کہ بمقابلے اس آیت کے اُن کا بھاگنا جنگ خیبر سے اور نکث بیعت کرنا اور خدا کا اُن سے ناراض ہونا کسی آیت سے ثابت کردیں (و اذ لیس فلیس) اور ہم خوب یقین کرتے ہیں کہ اگر صحابۂ کبار سے کوئی فعل بعد اس بیعت کے موجب ناراضمندی خدا کا ہوتا تو ضرور وہ اُس سے بھی خبر دیتا اور جس طرح اُن کی بیعت سے راضی ہو کر لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ فرمایا اسی طرح پر اُن کے فرار اور نکث بیعت سے ناراض ہو کر لَقَدْ غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ ارشاد کرتا اس

لئے کہ لڑائی سے بھاگنا اور بعیت کا توڑنا آخر پیغمبر ہی صاحب کے سامنے ہؤا اُس وقت تک سلسلہ وحی کا جاری تھا جبرئیلؑ کا آنا بند نہ ہوا تھا پھر کیا سبب ہے کہ خدا اُن کے اچھے کاموں کو ظاہر کرے اور بُرے کاموں کی خبر تک نہ دے اُن کے افعال حسنہ کی تو شہرت دے اور اُن کے افعال بد کی پردہ پوشی کرے پس یا تو خدا اُن سے ڈرتا تھا کہ اُن کی برائی بیان نہ کر سکتا تھا یا درحقیقت اُن سے کوئی برائی نہ ہوتی تھی جس کو ظاہر کرتا اگر کوئی لغزش ہو جاتی تھی تو اس کو عفو کر دیتا تھا اور اُن کے اور نیک کاموں پر خیال کر کے اس کو براہ ستاری چھپا دیتا تھا اور اگر یہ کہا جائے کہ بعد وفات پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کبار نے ایسے کام کئے کہ جن سے خدا ناراض ہوا مثل خلافت غصب کرنے وغیرہ کے اس کی نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر اُن سے بعد وفات پیغمبر خدا کے کوئی کام ایسا ہونے والا تھا کہ جس سے خدا ناراض ہوتا تو ضرور اُس کی خبر دیتا اور کبھی اُن کے حق میں لقد رضی اللہ نہ فرماتا اور جب کہ خدا نے اس آیت میں یہ فرما دیا کہ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ کہ میں اُن کے دلوں کی بات جانتا ہوں اور فرمایا کہ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ کہ میں نے نازل کی اُن پر تسلی تو کیونکر قیاس میں آسکتا ہے کہ ایسے لوگ کبھی جادۂ حق سے منحرف ہوئے ہوں لیکن ہم حضرات شیعہ سے عرض کرتے ہیں کہ وہ کیوں سوال و جواب میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں اور کیوں علامۂ کاشانی کی تفسیر کی ان لفظوں کو نہیں دیکھتے کہ (آں حضرت فرمود کہ بدوزخ نرود یک کس ازاں مومناں کہ در زیر شجرہ بعیت کردند) اس مفسر نے تو کچھ قصہ جھگڑا باقی ہی نہیں رکھا عام بشارت جنت کی اُن لوگوں کے حق میں جو اس بعیت میں شریک تھے پیغمبر صاحب کی زبان سے تصدیق کر دی لیکن اگر اس ایک روایت پر اطمینان نہیں ہوتا تو اس کی تائید میں دوسری روایت سنیں کہ ترجمۂ کشف الغمہ میں لکھا ہے کہ (از جابر بن عبداللہ انصاری روایت ست کہ با دران روز ہزار و چہار صد کس بودیم دران روز من از حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم شنیدم کہ آنحضرت خطاب بحاضران نمود و فرمود کہ شما بہترین اہل روی زمینید و ما ہمہ دران روز بعیت کردیم و کسے از اہل بعیت نکث نہ نمود مگر قید بن قیس کہ آن منافق بعیت خود را شکست) اس روایت سے چند فائدے حاصل ہوئے اول یہ ثابت ہوا کہ بعیت کے وقت چودہ سو صحابی موجود تھے جن کے ایمان اور اسلام کی خبر خدا دیتا ہے کہ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ

اور اُن کی شان میں فرماتا ہے لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ دوسرے حضرت پیغمبر خدا نے اُن کی نسبت فرمایا کہ تم بہترین اہل زمین سے ہو۔ تیسرے ثابت ہوا کہ سوائے ایک منافق کے اور کسی نے بیعت کو نہیں توڑا پس اے شیعیان پاک اب تم انصاف سے ان روایتوں کو دیکھو اور اپنے شہید ثالث اور صاحب تقلیب المکاید کے ایمان اور انصاف پر خیال کرو کہ وہ محبت اہل بیت کے پردے میں کیسی خدا کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور کس طرح ایسے صریح نصوص سے انکار فرماتے ہیں ؛

لیکن اگر ہم صحابہ کی برائیوں کو تسلیم بھی کرلیں تب بھی کچھ فائدہ شہید ثالث کی تقریر کا نظر نہیں آتا اس لئے کہ جو علامۂ کاشانی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ (آنحضرت فرمود بدوزخ نرود یک کس ازاں مومناں کہ در زیر شجرہ بیعت کردند) اس کا کیا جواب ہے بغیر اس کے کہ یہ کہا جاوے کہ حضرت نے تفسیر سے کہ دیا ہوگا ؛

اس مقام پر یہ امر بھی لائق لکھنے کے ہے کہ اگر کوئی شبہ کرے کہ حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عنہ اس بیعت میں شریک نہ تھے اس لئے وہ بیعت الرضوان سے خارج ہیں اُس کا جواب یہ ہے کہ پیغمبر خدا کو حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہ سے ایسی محبت تھی کہ باوجود نہ موجود ہونے اُن کے وقت بیعت کے اُن کو شریک کرلیا اور کیسا شریک کیا کہ جس سے اُن کو اپنا ہاتھ بنا دیا۔ چنانچہ اس مقام پر جو کچھ مولانا و بالفضل اولانا مولوی علی بخش خاں صاحب نے اپنے ایک رسالے میں لکھا ہے اُسی کو ہم بجنسہ نقل کرتے ہیں وہو ہذہ (اور واسطے حصول شرف بیعت الرضوان کے رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے عثمان غنی رضؓ کی طرف سے بھی اپنے دونوں ہاتھ سے وہ معاملہ فرمایا کہ دست حق پرست اپنے کو عثمان کا ہاتھ قرار دیا لہٰ روضۂ کلینی

لہ فلما انطلق عثمان لقی ابان بن سعید فتاخر عن السرج فحمل عثمان بین یدیہ ودخل عثمان فاعلمہم وکانت المناوشۃ فجلس سہل بن عمرو عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وجلس فی عسکر المشرکین وبایع رسول اللّٰہ المسلمین وضرب صلعم باحدی یدیہ علی الاخری لعثمان وقال المسلمون طوبیٰ لعثمان قد طاف بالبیت وسعے بین الصفا والمروۃ احل فقال رسول اللّٰہ ما کان یفعل فلما جاء عثمان قال لہ رسول اللّٰہ اطفت بالبیت فقال ما کنت لاطوف بالبیت ورسول اللّٰہ لم یطف بہ ثم ذکر القصۃ وما کان فیہا الحدیث صـ جلد اول عماۃ حیدریہ

میں حدیث وارد ہے کہ بیعت لی پیغمبر خدا نے مسلمانوں سے اور ایک ہاتھ کو اپنے دوسرے پر مارا واسطے عثمان کے کہ وہ لشکر میں مشرکوں کے تھے) اس حدیث سے علاوہ قطعیت مغفرت ورضوان آلہٰی کے ایک لطیفہ عمدہ ہاتھ آیا کہ دست نبی دست عثمان قرار پایا اور دست نبی وہ ہے کہ مجازاً دست خدا ہے یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِم اب دیکھئے عثمانؓ غنی کو (ید اللہ یا ید النبی) کا خطاب منصف مزاج عنایت کرتے ہیں یا اُس لقب کو پھر بھی مخصوص واسطے علی مرتضیٰ کے کیے جاتے ہیں انتہی بلفظہ (واللہ درہ وعلی اللہ اجرہ) اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے یاروں کی یاری پر نہایت بھروسہ تھا اور اُن کے استقلال پر یقین کامل تھا اس لئے کہ جب لوگوں نے کہا کہ خوشا حال عثمان رضا کا کہ اُن کو خانۂ کعبہ کا طواف نصیب ہوا تو حضرت نے فرمایا۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ عثمان بغیر ہمارے طواف کرے آخر ویسا ہی ہوا کہ بغیر حضرت کے حضرت عثمان نے طواف نہ کیا چنانچہ اسی حدیث کے مضمون کو حملۂ حیدری کے مؤلف نے بھی نظم کیا ہے کما قال ؎ **نظم**

طلب کرد پس اشرف انبیا	ز اصحاب عثمانؓ صاحب حیا	با وہم ہمان گفت خیر البشر
کز ان پیشتر گفتہ بُد با عمرؓ	بوسید عثمان زمین در زمان	بمقصد روان شد چو تیر از کمان
چو او رفت از اصحاب و دزگر	بگفتند چیاری بہ خیر البشر	خوشا حال عثمان با احترام
کہ شد قسمتش حج بیت الحرام	رسول خدا چون شنید این سخن	بپاسخ چنین گفت با انجمن تو
بہ عثمانؓ نداریم ما این گمان	کہ تنہا کند طوف آن آستان	

اور بعد اس کے یہی مؤلف لکھتا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ مکے میں پہنچے اور ابوسفیان سے کہا کہ پیغمبر خدا طواف کے لئے آنا چاہتے ہیں اُس نے کہا کہ یہ ممکن نہیں ہے مگر تمہارا دل چاہے تو طواف کرو تب حضرت عثمانؓ نے انکار کیا اور اس پر ابوسفیان نے ان کو قید کر لیا کما قال ؎ **نظم**

بجوشید ش انگہ بدل مہر خون	بہ عثمانؓ چنیں گفت آن سرنگون	کہ گر میل داری تو طوف حرم

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۔ ۲۰۷ صفحہ ۲۰۷ سطر ۲ مطبع سلطانی مطبوعہ ۱۲۶۷ھ ہجری ۱۲ امنہ ؎ جلد اول حملۂ حیدری سے صفحہ ۲۰۷ سطر ۲۲ مطبع سلطانی مطبوعہ ۱۲۶۷ھ ہجری ۱۲ امنہ۔

بکن مانعت نیست کس زین حشم	ولیکن محالست آن بی گزاف	که آید محمد برای طواف
چو بشنید عثمانؓ از و این سخن	چنین داد پاسخ بآن اہرمن	که طوف حرم بے رسول خدا
نباشد بر پیر دانش روا	ازین گفتہ مفیان برآشفت بیش	بگرداند از سوی او روی خویش
بہ فرمود پس باد گر مشرکان	کہ عثمانؓ و آن دہ کس از پیروان	نیابد رفتن بہ نزد رسول
اگر شاد باشند ازین گر ملول	چو عثمانؓ از و این حکایت شنید	علاجی بجز صبر کردن ندید
مقید نمودندش اعدای دین	بیان نجاتش کنم بعد ازین	

غرض کہ ہم حضرات شیعہ سے التماس کرتے ہیں کہ وہ ذرا انصاف فرماویں کہ اُن کے مفسّرین اور محدثین اور مؤرخین صحابہ کی نسبت کیا لکھتے ہیں اور اُن کے استقلال اور صبر اور ایمان اور اسلام کو کیسا تسلیم کرتے ہیں اور پھر با این ہمہ اُن سے عداوت رکھتے ہیں اور ایسے لوگوں کو جن کے ایمان اور اسلام پر پیغمبر صاحب کو اطمینان ہو اور جن کی لغزش کرنے کا شبہ تک حضرت کے دل پر نہ گذرے اور جو باوجود مصیبتوں اور محنتوں کے سرمو اطاعت نبوی سے باہر نہ ہوں اور جن کے استقلال اور صبر کی خدا تعریفیں کرے۔ منافق اور مرتد کہتے ہیں (ونعوذ باللہ من ذالک)۔

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرات شیعہ کس طرح ایسے سچے مسلمانوں اور پکے ایمان والوں کو منافق کہتے ہیں اور کیونکر ایسی صریح آیات اور سچی روایات سے انکار کرتے ہیں اس لئے کہ جب کوئی شخص ان آیتوں اور حدیثوں اور روایتوں کو دیکھے تو بھلا ممکن ہے کہ وہ صحابۂ کرام کے فضائل میں شبہ کر سکے۔ یا اُن کی نسبت نفاق اور ارتداد کا خطرہ بھی اُس کے دل میں گذر سکے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ خدا نے اُن کے حالات بیان کرنے میں فقط کنایے اور اشارے پر قناعت نہ فرمائی بلکہ صاف صاف تصریح کر دی اور ٹھیک ٹھیک پتہ اور نشان اُن کا بتلا دیا اور ایسی صریح آیتوں کو نازل کر کے منکرین کے شبہات کو دُور کر دیا اگر پیغمبر صاحب کے اوپر ایمان لانے والوں کی فقط خدا تعریف اجمالی کرتا تو منکرین کو تاویل اور شبہے کا موقع تھا مگر جب صاف کہہ دیا کہ میں اُن مسلمانوں سے راضی ہوں جنہوں نے پیغمبر صلعم کے ہاتھ پر بیعت کی اور جگہ بھی بیعت کرنے کی تبلادی کہ درخت کے نیچے اور یہ بھی کہہ دیا کہ یہ لوگ پیغمبر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتے ہیں بلکہ میرے ہاتھ پر تو اب کون شخص ہے کہ ایسی بیعت کرنے والوں کے ایمان اور اخلاص پر شبہہ کر سکے ہاں

یہ شبہہ ہو سکتا تھا کہ شاید بیعت کرنے والے وہی معدود ے چند ہوں جو موافق اعتقاد شیعوں کے مرتد نہیں ہوئے لیکن جب کہ علمائے شیعہ نے اس امر کو تسلیم کر لیا کہ صحابہ کبار چودہ سو اس بیعت میں شریک تھے اور یہ بھی قبول فرمالیا کہ آنہی کی شان میں اس آیت کو خدا نے نازل کیا اور اس کا بھی اقرار کیا کہ سوائے ایک منافق کے اور کسی نے بیعت کو نہیں توڑا تو ہم کو نہایت ہی تعجب آتا ہے کہ کیونکر ایسی بیعت کرنے والوں کے حق میں ایسا فاسد اعتقاد رکھتے ہیں لیکن یہ خیال کر کے کہ حضرات کو نہ خدا کے کلام پر یقین ہے نہ پیغمبر صاحب کی حدیثوں پر نہ اماموں کے قول پر تو کچھ تعجب نہیں ہوتا اگر اُن میں سے کسی پر عمل ہوتا تو کبھی ایسا عقیدہ نہ رکھتے اے بھائیو تمہارے حق میں ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ تم کو ایک ذرہ بھر ایمان عطا کر دے تاکہ تم لوگ اپنے عقیدوں کی برائیوں پر خود ہی اقرار کرنے لگو اور جو ہم تم کو سمجھاتے ہیں وہ تم خود ہی سمجھنے لگو اے یارو ذرا ایسے عقیدوں پر غور کرو اور سوچو کہ ان میں کچھ بھی اثر ایمان اور اسلام کا ہے اگر ہے تو دکھاؤ ۔ شعر

نالہ حزینت کو آہ آتشینت کو		لاف عشق بازی چند عشق را نشانہا ست	

پانچویں آیت

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ٥ شان نزول اس آیت کا یہ ہے کہ جب لڑائی بدر کی فتح ہوئی اور مشرکین قید میں آئے تب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ ان قیدیوں کو کیا کرنا چاہیئے ۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہیئے ۔ حضرت عمر رض نے کہا کہ ان کی گردنیں مار دینا چاہیئے بلکہ جو جس کا رشتہ دار ہو وہی اپنے ہاتھ سے اُس کو قتل کرے اور خدا کی محبت کے سامنے دوسرے کی محبت کا خیال نہ کرے لیکن حضرت نے موافق مشورے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور صحابہ کے فدیہ لے کر چھوڑ دیا اُس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ اور اس روایت کو علما اور مفسرین امامیہ بھی تصدیق کرتے ہیں چنانچہ[۲] تفسیر خلاصۃ المنہج کاشانی

ف پارہ ۱۰ ۔ رکوع ۹ ۔ سورہ انفال ۱۲ ۔ [۲] روز بدر ہفتاد تن اسیر شدند واز جملہٗ ایشان عباس وعقیل بودند

میں لکھا ہے کہ بدر کی لڑائی میں ستّر آدمی قید ہوئے منجملہ اُن کے عباس اور عقیل بھی تھے حضرت نے اُن کے باب میں اپنے یاروں سے مشورہ کیا ابو بکر نے کہ وہ بھی مہاجرین میں سے تھے کہا یا رسول اللہ یہ سب چھوٹے بڑے آپ کی قوم اور قبیلے کے ہیں اگر ہر ایک بقدر طاقت اور استطاعت اپنی کے کچھ فدیہ دے تو امید ہے کہ ایک دن دولت اسلام پر پہنچیں اور مجمع البیان طبرسی میں لکھا ہے کہ پیغمبر خدا نے بدر کے دن قیدیوں کے باب میں اپنے یاروں سے کہا کہ اگر تم چاہو ان کو مار ڈالو اور چاہے جانے دو تب حضرت عمر نے کہا کہ یا رسول اللہ انہوں نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کو نکالا اس لئے ان کی گردنیں مارنا چاہیئے۔ عقیل کو علی کے سپرد فرمائیے کہ وہ ان کو ماریں اور فلاں شخص میرے سپرد کیجئے کہ میں اُس کو قتل کروں اور یہ سب سرداران کفار سے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ یہ آپ کی قوم اور رشتے کے لوگ ہیں فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہیئے چنانچہ اسی طرح حضرت نے کیا تب یہ آیت نازل ہوئی اور پیغمبر خدا نے فرمایا کہ اگر عذاب نازل ہوتا آسمان سے تو سوائے عمر اور سعد بن معاذ کے کوئی نجات نہ پاتا۔ ان روایتوں سے باقرار علمائے امامیہ چند فائدے حاصل ہوئے:

اول۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کا مہاجرین اور اہل بدر میں سے ہونا دوسرے پیغمبر خدا کا اُن سے مشورہ کرنا۔ تیسرے حضرت عمرؓ کا کافروں پر سخت ہونا۔ اور خدا کی راہ میں قرابت اور برادری کا کچھ خیال نہ کرنا اور جو کچھ ان فائدوں سے فائدے حاصل ہوتے ہیں ان کو ہم بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کا مہاجرین میں سے ہونا ثابت ہُوا تو یہ فضیلتیں اللہ جل شانہٗ نے مہاجرین کی بیان کی ہیں اور جن کو اوپر ہم نقل کر چکے ہیں۔ وہ سب اُن کے حق میں ثابت ہوئیں:

دوسرے۔ جو بعض علمائے امامیہ نے انکار کیا ہے کہ اصحاب ثلاثہ مہاجرین

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸ حضرت در باب ایشان با اصحاب مشاورہ کرد ابوبکر کہ از مہاجرین بود گفت یا رسول اللہ اکابر و اصاغر این قوم اقارب و عشائر تو اند اگر ہر یک بقدر طاقت و استطاعت فدای بدہد باشد کہ روزے بدولت اسلام برسد الخ ۱۲ ؎ فقال رسول اللہ و ما یدریک یا عمر لعل اللہ اطلع علی اہل بدر فغفر لہم فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم بلفظہ قدر الضرورۃ ۱۲

میں سے نہ تھے وہ قول باطل ہوا چنانچہ تقلیب المکاید کے مؤلف نے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ کے تحفہ کے باب مکاید شیعیان کے کید نود ویکم کے جواب میں صاف لکھا ہے کہ (اصحاب ثلثہ از مہاجرین اولین نبودند) تیسرے امامیہ کا یہ گمان کہ معاذ اللہ حضرت ابوبکر صدیق رض اور حضرت عمر رض ابتدا ہی سے منافق تھے اور کبھی دل سے ایمان نہ لائے تھے اور ان کی نیت نیک نہ تھی فاسد ٹھہرا جیسا کہ جناب میرن صاحب قبلہ حدیقۂ سلطانیہ کے باب سوم میں لکھتے ہیں کہ (سیرت شیخین دلالت بر خبث سریرت آنہا دارد کہ در وقت کتمان از حضرت نبوی درخواست اظہار دعوت نمودہ و در فکر اضرار آن حضرت بر می آمدند و در وقت اعلان از نصرت دست می کشیدند فاعتبروا یا اولی الابصار) انتہی بلفظہ اگر میرن صاحب قبلہ زندہ ہوتے تو میں پوچھتا کہ حضرت اگر شیخین کی نیت نیک نہ ہوتی اور وہ وقت اعلان کے نصرت سے ہاتھ کھینچتے ہوتے تو بدر کی لڑائی میں کیوں شریک ہوتے اور کیوں خدا اُن کے ہاتھ پر فتح دیتا اور کیوں پیغمبر خدا اُن سے مشورہ کرتے اور کیوں آپ کے جدامجد کاشانی اور طبرسی مہاجرین اور اہل شوری میں ہونا اُن کا قبول کرتے اے مسلمانوں شیعوں کے ایمان اور عقل اور حیا پر غور کرو کہ وہ شیخین کی نسبت جو کہ تمام جان سے اپنی عاشق پیغمبر کے تھے اور تمام اپنا حضرت پر فدا کر چکے تھے اور جو شب و روز اظہار دعوت کے لئے اصرار کیا کرتے تھے یہ گمان کرتے ہیں کہ اُن کی نیت اس اصرار سے یہ تھی کہ پیغمبر خدا اظہار دعوت کریں اور لوگ ان کو ستادیں اور ہلاک کر ڈالیں افسوس ایسے عقیدے پر خیر بہر حال میرن صاحب قبلہ جو چاہیں فرمائیں اور اُن کے پدر بزرگوار جو دل میں آئے ارشاد کریں لیکن اس امر کو کہ شیخین مہاجرین اور اصحاب بدر میں سے تھے جھٹلا نہیں سکتے اور ہمارا مطلب اتنی ہی بات سے حاصل ہوا جاتا ہے اس لئے کہ جب وہ مہاجرین میں سے تھے تو اِن فضیلتوں کے مستحق ہیں جو خدا نے جابجا قرآن مجید میں ہجرت کرنے والوں کی بیان کی ہیں اور جب وہ اہل بدر سے تھے تو وہ اس مغفرت کے وعدے میں شریک ہیں جو اللہ جل شانہٗ نے اہل بدر سے کیا ہے کہ میں نے اُن کو مرفوع القلم کر دیا ہے چنانچہ اس امر کو علمائے امامیہ بھی قبول کرتے ہیں۔ علامۂ کاشانی خلاصۃ المنہج میں تفسیر کریمۂ مَاكَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى کی با این الفاظ کرتے ہیں کہ (اگر نہ حکمی و فرمانی می

بود از خدائے تعالٰے کہ پیشی گرفتہ شدہ اثبات آن در لوح محفوظ کہ بے نہی صریح عقوبت نہ فرماید یا اصحاب بدر را عذاب نکند) اور اسی طرح پر تفسیر مجمع البیان طبرسی میں لکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے (لعل اللہ اطلع علی اہل بدر فغفر لہم فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم) کہ خدا نے اہل بدر کی شان میں فرما دیا ہے کہ جو چاہو سو کرو میں تم کو بخش چکا ہوں اور تفسیر خلاصۃ المنہج میں لکھا ہے ۔ کہ خدای تعالٰی بدریان را وعدۂ مغفرت دادہ وایشان را خطاب مستطاب اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم نوازش فرمودہ (پس جب پیغمبر خدا کی زبان مبارک سے تمام اہل بدر کا قطعی جنتی ہونا اور خدا کا اُن کی نسبت اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ کہنا ثابت ہوا تو پھر اب صحابۂ کبار علی الخصوص اصحاب ثلٰثہ کے قطعی جنتی ہونے میں کون سا شبہہ رہا اے یارو ہم اب تک نہیں سمجھے کہ حضرات شیعہ کے مذہب کا مدار کس پر ہے اگر خدا کے کلام پر ہے تو وہ صحابہ کی فضیلتوں سے بھرا ہوا ہے اگر پیغمبر خدا کی حدیثوں پر ہے تو اُن میں بھی اُن ہی کے صفات کا تذکرہ ہے اگر آیمۂ کرام علیہ السلام کی روایتوں پر ہے تو اُن میں بھی اُن کی خوبیوں کا بیان ہے اگر اپنی ہی تفسیروں اور کتابوں پر ہے تو اُن سے بھی اُن کے فضائل کا ثبوت ہوتا ہے ۔ پس اب اور کیسی سند حضرات چاہتے ہیں جو صحابہ کے فضائل پر ہم پیش کریں اور کیسی دلیل چاہتے ہیں جو ان کی بزرگیوں کے ثبوت میں بیان کریں اصل یہ ہے کہ اگر ایمان اور انصاف ہو تو خدا کے کلام اور رسول کی احادیث اور آیمہ کے اقوال کو مانیں جب ایمان اور انصاف ہی نہیں ہے اور پیروی عبد اللہ بن سبا کی کرنی منظور ہے تو پھر کیونکر اپنے پیر و مرشد کے سکھائے ہوئے عقیدوں کو چھوڑیں افسوس ہزار افسوس کہ بارہ سو برس گذر گئے اور اُس ملعون یہودی کی ہڈیاں خاکستر تک ہو گئیں مگر جو کچھ وہ اپنے شیعوں کو سکھلا گیا اُس کو وہ نہیں بھولتے اور جس راہ پر وہ اپنے یاروں کو چلا گیا اُس سے نہیں ہٹتے ہزار ہزار کوئی سمجھائے لاکھ آیتیں اور حدیثیں دکھلائے مگر اپنے پیر و مرشد کے قول کے روبرو ایک پر بھی نظر نہیں کرتے کلام اللہ کی تاویل کر دیں حدیثوں کو بنا ڈالیں ۔ اماموں کے قولوں کو رد کر دیں مگر اپنے جد امجد کی بات کو نہیں بھولتے جس عقیدے کو خیال کیجئے اُس میں اُسی ملعون کی تعلیم کا اب تک اثر ہے جس مسئلے پر غور کیجیے اب تک

اُسی کمبخت کے قول پر عمل ہے ولنعم ماقیل ؎ **شعر**

بلبل ز درد دل آہی کہ داشتم دارم　　نشستنی سرراہی کہ داشتم دارم

چھٹی آیت

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ؎ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور خدا کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی سچے ایمان والے ہیں اُن کے لئے مغفرت اور رزق باکرامت ہے ؎

اس آیت پر ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار کے ایمان اور اسلام پر کچھ شبہ نہیں کر سکتے اور اُن کی مغفرت اور جنتی ہونے میں کچھ شک نہیں لاسکتے اس لئے کہ جب اللہ جل شانہ خود تصدیق فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھر بار کو چھوڑا اور جنہوں نے پیغمبر صاحب کو اور ہجرت کرنے والوں کو اپنے گھروں میں جگہ دی - اور اُن کی مدد کی وہ سچے مسلمان اور پکے ایمان لانے والے ہیں اور مغفرت اور رزق کریم اُن کے حصے میں ہے پس خدا کی ایسی شہادت کو سن کر کون سا شخص ہوگا کہ مہاجرین اور انصار کے ایمان میں شبہ کرے اور اُن کی مغفرت میں کلام کرے شیعیان عبداللہ بن سبا کو ذرا سوچنا چاہیئے کہ جب اللہ جل شانہٗ مہاجرین و انصار کے ایمان کی تصدیق کرتا ہے اور اُن کے حق میں شہادت اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کی دیتا ہے اور اُن کی شان میں لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ فرماتا ہے پھر کیونکر اُن کے دل میں ایسے پاک لوگوں کی طرف سے شبہ ہوتا ہے اور کس طرح اُن کی زبان سے ایسے شخصوں کی نسبت کفر و نفاق کا کلمہ نکلتا ہے كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اگر کسی کو شک ہو کہ یہ آیت اُن مہاجرین اور انصار کی شان میں نہیں ہے جن کی نسبت حضرات شیعہ نیک اعتقاد نہیں رکھتے اس لئے ہم تفسیر مجمع البیان سے جو معتبر تفاسیر امامیہ سے ہے تفسیر اس آیت کی لکھتے ہیں جس کو شک ہو وہ صفحہ ۵۲۴ تفسیر مذکور مطبوعہ طہران ۱۲۷۵ھ ہجری کو دیکھ لے. مفسر موصوف لکھتا ہے کہ خدا نے پھر ان آیتوں میں مہاجرین اور انصار کا ذکر کیا اور اُن

کی ثنا اور صفت بیان کی پس خدا کے اس قول کا کہ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَہَاجَرُوْا وَجَاہَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یہ مطلب ہے کہ تصدیق کی اُنھوں نے خدا کی اور اس کے رسول کی اور ہجرت کی اپنے گھروں اور وطن سے یعنی مکے سے مدینے کو اور جہاد کیا اُنھوں نے خدا کے دین کی ترقی کے لئے اور وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا کے یہ معنی ہیں کہ جگہ دی مہاجرین کو اپنے گھروں میں اور مدد کی پیغمبر کی اور اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کا یہ مطلب کہ وہی لوگ سچے مسلمان ہیں اس لئے کہ اُنھوں نے اپنے ایمان کو ہجرت کر کے اور مدد دے کر ثابت کر دیا ؛

اس تفسیر کو دیکھ کر اگر حضرات شیعہ مہاجرین اور انصار کی فضیلت کا اقرار نہ کریں تو سوائے تعصب اور ضلالت کے کیا تصور کیا جائے کاش اگر حضرات شیعہ بمقابلے ایسی صریح آیتوں اور ایسی صاف بشارتوں کے ایک دو آیت بھی قرآن سے نکال کر ہم کو دکھلاتے اور جس طرح پر ہم نے اُن کے فضائل اور درجات کو کلام اللہ سے ثابت کیا وہ قرآن ہی کی سند سے اُن کی ایک بھی برائی کا ثبوت پہنچاتے تو ہم اُن کو کسی قدر معذور بھی جانتے لیکن افسوس تو ہم کو اسی بات کا ہے کہ ہم کو مہاجرین اور انصار کے فضائل میں قرآن کی آیتوں کو پیش کرتے ہیں رسول کی احادیث کو بیان کرتے ہیں۔ اماموں کے قولوں کو اُنہی کی کتابوں سے نکال کر دکھلاتے ہیں اور وہ ان سب کو چھوڑ کر چند مفتری کذابوں کی جھوٹی باتوں کو پیش کرتے ہیں اور اُن لوگوں کے قولوں پر عمل کرتے ہیں جن کو اماموں نے نکال دیا اور جن پر اپنی زبان سے لعنت کی اور جن کو جھوٹا اور فریبی خطاب دیا جس کا ثبوت ہم آئندہ کرینگے انشاء اللہ تعالےٰ پس انصاف کرنے والے انصاف کر سکتے ہیں کہ خدا کے کلام پر ہم ایمان رکھتے ہیں یا حضرات شیعہ اور قرآن کی آیات کی ہم تصدیق کرتے ہیں یا شیعیان عبداللہ بن سبا ؛

حاشیہ صفحہ نمبر ۴۳:۔ ثم عاد سبحانہ الی ذکر المہاجرین والانصار ومدحہم والثناء علیہم فقال والذین آمنوا وہاجروا وجاہدوا فی سبیل اللہ اے صدقوا للہ ورسولہ وہاجروا من دیارہم واوطانہم یعنے من مکۃ اے المدینۃ وجاہدوا مع ذالک فے اعلاء دین اللہ والذین آووا ونصروا اے ضموہم الیہم ونصروا النبی اولئک ہم المؤمنون حقا اے اولئک الذین حققوا ایمانہم بالہجرۃ والنصرۃ ۱۲ مجمع البیان۔

اے یارو اگر فرض کیا جائے کہ جو ہمارا اعتقاد بہ نسبت صحابہ کے ہے وہ معاذ اللہ باطل ہو اور جو عقیدہ شیعوں کا بہ نسبت اُن کے ہے وہی صحیح ہو اور قیامت کے دن اللہ جل شانہٗ عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر ہمارے اعتقاد باطل پر ہم سے جواب چاہے تو ہم اُسی کی کتاب کو اُس کے سامنے کر دینگے اور نہایت ادب سے عرض کرینگے کہ آلہ العالمین تو عادل ہے اور موافق مذہب شیعوں کے تیرا عدل اصول ایمان میں سے ہے تو اب تو ہی انصاف کر کہ یہ کتاب تیری ہے جس کو تو نے ہماری ہدایت کے واسطے اپنے پیغمبر کی معرفت نازل کیا اور اس کا نام کتاب مبین رکھا اور اُس کی عبارت اور مضمون میں اغلاق اور تصنع کو دخل نہ دیا ہر چیز کو صاف صاف بیان کر دیا اور خود اُس کا حافظ رہ کر اُس کو تحریف سے محفوظ رکھا پس خداوندا ہم نے تیری ہی کتاب کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھ لیا اور جو کچھ اُس میں تو نے کہہ دیا اور فرما دیا اُسی پر ہم نے یقین کیا مہاجرین اور انصار کی اس قدر بزرگیاں اور فضیلتیں تو نے بیان کیں کہ ہم اُن کی نسبت نیک اعتقاد رکھنے پر مجبور ہو گئے اور تیری ہی شہادت سے اُن کے ایمان اور اسلام پر بلکہ اُن کے فضائل اور درجات پر معتقد ہو گئے کہیں تو نے اُن کے حق میں فرمایا۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ ہَاجَرُوْا وَ جَاہَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِہِمْ وَ اَنْفُسِہِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ وَ اُوْلٰٓئِکَ ہُمُ الْفَآئِزُوْنَ کسی مقام پر تو نے ان کی نسبت ارشاد کیا وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ ہَاجَرُوْا وَ جَاہَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کسی جگہ اُن کی شان میں تو نے فرمایا لَہُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ رِزْقٌ کَرِیْمٌ۔ کسی مقام پر ان کی صفت میں تو نے کہا لَیَرْزُقَنَّہُمُ اللّٰہُ رِزْقًا حَسَنًا غرض کہ خدایا جب ہم نے تیری کتاب کو کھولا تو کوئی ورق اور کوئی صفحہ اُس کا مہاجرین اور انصار کے ذکر سے خالی نہ پایا۔ کسی آیت سے اُن کی بُرائی کا ثبوت کیسا اُن کی فضیلت پر شبہ تک نہ ہوا جب تیری کتاب سے اُن کی نسبت شہادت چاہی تو یہی معلوم ہوا کہ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ جب قرآن سے اُن کے واسطے فال کھولی تو یہی نکلا کہ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْفَآئِزُوْنَ پس جب تو نے باین بے نیازی اُن کی صفات اور فضائل سے اپنی کتاب کو بھر دیا اور اُن کی شان میں بار بار رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ فرمایا اور ہم کو اُن کے اقتدا اور پیروی کی تاکید کی اور اُن سے محبت رکھنے کی تحریض اور عداوت اور کینہ رکھنے پر تہدید فرمائی تو ہم اگر اُن سے محبت نہ رکھتے

اور اُن کو اچھا نہ جانتے اور اُن کی اقتدا نہ کرتے تو کیا کرتے الہ العالمین تو نے ہم کو ان لوگوں میں تو پیدا ہنیں کیا تھا جن کی نسبت تو نے فرمایا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِہِم وَاَمْوَالِہِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَاناً اُس گروہ میں تو نے ہم کو شامل ہی نہ کیا تھا جس کی صفت میں تو نے ارشاد کیا ہے وَالَّذِیْنَ تَبَوَّءُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِہِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ ہَاجَرَ اِلَیْہِمْ ہم کو تو اُن سب کے پیچھے مخلوق کیا اور ہم لوگوں کی نسبت پہلے ہی سے تو نے یہ لکھ دیا کہ وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِہِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلاًّ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تو کیونکر ہم اُن پیشواؤں سے محبت نہ رکھتے اور کس طرح اُن سے کینہ اور عداوت رکھتے یہ کتاب تیری موجود ہے جس کی نسبت تو نے فرما دیا تھا کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ اور اسی وعدے پر ہم اُس کو برابر غیر محرف سمجھتے رہے اور اُس پر ایمان رکھتے آئے اگر یہ آیتیں جو مہاجرین اور انصار کی نسبت ہم نے بیان کیں تیری کتاب میں موجود ہیں تو پھر خدایا ہمارا کیا قصور اور کیا گناہ ہے جن کو تو نے اچھا کہا ہم نے اچھا جانا جن کی تو نے تعریفیں کیں اُن سے ہم نے محبت رکھی ہاں اگر ان لفظوں کے تو نے اور کچھ معنی رکھے ہوں اور اس عبارت کا مطلب اور کچھ ہو تو ہم نہیں جانتے موافق تیرے ارشاد کے تیری کتاب کو کھلی اور روشن کتاب سمجھتے تھے اور اس کو معما اور پہیلیوں کا مجموعہ نہ جانتے تھے غرض کہ ہم نہیں جانتے کہ جب ہم یہ جواب دینگے تو خداوند عادل کس جرم میں ہم کو سزا دیگا اور کس طرح ہم کو اپنی کتاب کا تصدیق کرنے والا نہ سمجھے گا ہم کو تو یقین ہے کہ ضرور ایسے عقیدے سے خدا ہماری نجات کرے گا اور ہم کو اُن کی مغفرت اور رزق کریم میں سے حصہ عطا کرے گا ❊

اے یارو ہمارا جواب تو سُن لیا اب کچھ اپنی جواب دہی کی فکر کرو کہ اگر تمہارا عقیدہ جو بہ نسبت صحابہ کے ہے باطل ٹھہرا اور قیامت کے دن خدا نے تم سے مواخذہ کیا تو تم کیا جواب دو گے ہمارے نزدیک تو سوائے اس کے دوسرا جواب نہیں ہو سکتا کہ خداوندا ہم نے تیری کتاب کو اس لئے پس پشت ڈال دیا تھا کہ اُس میں اصحاب رسول نے تحریف کر دی تھی اور اُس کو کم و بیش کر دیا تھا جیسا تو نے نازل کیا تھا ویسا نہ رکھا تھا اور اصلی مصحف امام صاحب کے پاس تھا وہاں ہمارا گذر بھی نہ ہو سکتا تھا کچھ کچھ نشان اور پتہ بھی امام صاحب کا نہ ملتا تھا پس ہم کیونکر مصحف عثمانی پر عمل کرتے

اور کیونکر محرف قرآن کی تصدیق کرتے ہم تو اس کو کبھی دیکھتے بھی نہ تھے حفظ یاد کرنے کا ذکر کیا ہے کبھی اُس کو پڑھتے بھی نہ تھے بلکہ ہمیشہ امام صاحب کے خروج کی دعا کیا کرتے تھے اور اُن کے ساتھ جو اصلی قرآن تھا اُس کے دیکھنے پر جان دیتے تھے مگر خداوندا ہمارا کیا قصور ہے اس لئے کہ تو نے ایسا اُن کو چھپایا کہ کہیں اُن کا سایہ بھی نہ دکھلائی نہ دیا ہزاروں عرضیاں بھیجیں ایک کا بھی امام نے جواب نہ دیا صدہا درخواستیں خضر و الیاس کے ذریعے سے براہِ دریا ارسال کیں کسی پر کچھ حکم نہ آیا۔ بڑے بڑے مجتہدوں سے پوچھا اُنہوں نے یہی فرمایا کہ ابھی انتظار میں رہو اور خروج اور ظہور کی دعا کیا کرو ہنوز وقت نہیں آیا لیکن ہم نے بہت انتظار کیا مگر ہمارے جیتے جی ظہور کس کا اور خروج کیسا کچھ خبر تک امام کی نہ آئی ✽ شعر

شام تک تو آمد جاناں کا کھنچا انتظار ‏ وہ نہ آیا وعدہ اپنا یاں برابر ہو گیا

ہند سے امام کی غیبت سرا تک ہم نے ہجرت کی لیکن دیکھنا کس کا ملنا کیسا صورت تو امام کی نظر ہی نہ پڑی۔ پس بغیر امام کے ہم کیا کرتے اور کیونکر راہِ حق پر چلتے ہاں امام کے دیکھنے والوں نے جو کچھ ہم سے کہہ دیا اُس پر ہم ایمان لے آئے اور اسی کو حق جانتے رہے اور کبھی اُس سے نہیں پھرے پس اگر خدا یہ جواب سُن کر فرمائے کہ اے کم بختو جب کہ میں اپنے کلام کا حافظ تھا اور خود کہہ چکا تھا کہ نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ۔ تو کس کی مجال تھی کہ وہ تحریف کرتا اور کون تھا کہ اُس کو بدل دیتا کس نے تم سے کہا کہ میری کتاب میں تحریف ہوئی تھی تب تم شاید یہی جواب دو گے کہ ہم نے زرارہ سے سنا تھا۔ ہم سے شیطان الطاق نے کہہ دیا تھا تب اس وقت اگر خدا یہ فرمائے کہ اے بدبختو میں سچا تھا یا زرارہ میرا رسول صادق تھا یا شیطان الطاق تو معلوم نہیں کہ کیا جواب دو گے ہمارے نزدیک تو سوائے اقرار جُرم کے اور کچھ جواب نہ دے سکو گے اور اس وقت سوائے اس کے کہ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْبِہِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحَابِ السَّعِیْرِ ۝ اور کچھ حکم نہ ہوگا۔

ساتویں آیت

یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ اَرَضِیْتُمْ

ف پارہ ۱۰۔ رکوع۔ سورہ توبہ ۱۲

بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَۃِ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیْلٌ ٥ اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا وَّیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ وَلَا تَضُرُّوْہُ شَیْئًا وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ٥ اِلَّا تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا وَجَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی وَکَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ٥ جو آیتیں اب تک ہم نے لکھیں اُن سے عام مہاجرین اور انصار کی فضیلتیں ثابت ہوئیں اب ہم اس آیت کو لکھ کر خاص حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی فضیلت ثابت کرتے ہیں ۞

جاننا چاہیئے کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف اور حُنین سے مراجعت فرمائی اور تھوڑے دن مدینے میں قیام فرما کر قصد جہاد روم کا کیا تو بعض لوگوں پر نہایت گراں گذرا اس لئے کہ گرمی کے دن تھے۔ سفر دور دراز تھا۔ خرموں کے پکنے کی فصل تھی اور روم کا خوف بھی غالب تھا۔ تب اللہ جلّ شانہٗ نے واسطے ترغیب جہاد کے ان آیتوں کو نازل کیا اور کئی طرح سے لوگوں کو سمجھایا۔ چنانچہ اول آیت میں فرماتا ہے کہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ ٥ کہ اے[1] مومنین تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے جہاد کے لئے کہا جائے تب تم اپنے گھروں سے نکلنا نہیں چاہتے کیا تم دنیا کی زندگی کو بمقابلے آخرت کے اچھا سمجھ کر اس پر راضی ہو حالانکہ دنیا کا فائدہ آخرت میں بہت ہی تھوڑا ہے اس آیت میں اللہ جلّ شانہٗ نے دنیا کی حقارت بیان کر کے جہاد پر ترغیب دی۔ بعدہ دوسری آیت اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا وَّیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ وَلَا تَضُرُّوْہُ شَیْئًا وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ میں فرمایا کہ اگر تم سستی کرو گے اور جہاد پر مستعد نہ ہو گے تو خدا تم کو دنیا و آخرت میں عذاب دیگا اور تمہارے بدلے اور غیر قوم کو پیدا کرے گا اور تمہارے مدد نہ کرنے سے خدا یا اس کے رسول کا کچھ نقصان نہیں ہے اس لیئے کہ خدا کو کچھ پروا نہیں ہے اور رسول کا وہ خود حافظ ہے چنانچہ اپنی بے نیازی اور اپنے رسول کی بے پروائی کو ان لفظوں سے بیان کیا۔ کہ

[1] یہ خطاب انہیں بعض سے ہے جو کہ جہاد پر جانے سے تساہل کرتے تھے نہ کل مہاجرین اور انصار سے اور خطاب کل سے کرنا اور بعض مراد ہونا کلام عرب میں جاری ہے ورنہ حضرت علی اور بنی ہاشم بھی اس خطاب میں شامل ہو جاوینگے ۱۲ منہ عفا عنہ ۞

اِلَّا تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ اگر تم لوگ پیغمبر کی مدد نہ کروگے تو اُس کو تمہاری مدد کی حاجت نہیں ہے اس لیئے کہ خدا اُس کا مددگار ہے اور اپنی مددگاری کو اللہ جل شانہٗ اس طرح سے ثابت کرتا ہے کہ اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ کہ جب کفار نے پیغمبر کو مکے سے نکالا اُس وقت کس نے اُس کی مدد کی اور اُس وقت کونسا لشکر اور گروہ اُس کا مددگار ہوا - اور سوائے ایک یار کے دوسرا کون اُس کے ساتھ غار میں گیا اور جب کفار در غار پر آپہنچے - اور درمیان پیغمبر کے اور اُن کے کچھ فاصلہ نہ رہا اُس وقت اُس کا یار غار بھی گھبرا گیا اور یہ خیال کرکے کہ ایسا نہ ہو کہ کفار غار میں چھپے ہونے سے آگاہ ہوجائیں اور مبادا پیغمبر کو کچھ صدمہ پہنچائیں - وہ غم کرنے لگا اُس اضطراب اور اضطرار کے حال میں بھی کہ بڑے بڑے شجاع اور جوانمرد گھبرا جاتے ہیں میرے پیغمبر کو کچھ اضطراب نہ ہوا اور اپنے یار کو لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کہہ کر مطمئن کیا اور میں نے اپنے پیغمبر کے کہنے سے اُس یار پر تسلی نازل کی - کہ اُس کا خوف اور اضطراب جو پیغمبر کو صدمہ پہنچنے کے خیال سے تھا جاتا رہا فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ علیہ اور بعد گذر جانے اُس مصیبت کے وقت کے جب بدر کی لڑائی ہوئی تب میں نے ایسے لشکر سے مدد کی کہ جس کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے وَ اَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا آخر کار کفار کی بات کو پست کرکے اپنی بات کو بلند کیا وَجَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی وَکَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا تمام مفسرین کیا شیعہ اور کیا سُنی اس پر متفق ہیں کہ اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا میں جس زمانے کا ذکر ہے - اُس سے ہجرت کا وقت مراد ہے اور اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ میں جو لفظ صاحب کا مذکور ہے اُس سے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ مراد ہیں اور اس کے بھی سب قائل ہیں کہ ہجرت کا وقت بڑا نازک اور نہایت مصیبت اور تنہائی اور رنج کا تھا جو اس وقت صدق دل سے شریک ہوا اس کا رتبہ بھی سب سے بڑا ہے اور اس سے بھی کسی کو انکار نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اُس وقت سے کہ جب سے پیغمبر صاحب اپنے گھر سے برآمد ہوئے اور جب تک غار میں رہے اور جب تک مدینے میں پہنچے برابر ہمراہ رہے لیکن باہم ہمارے اور شیعوں کے یہ اختلاف ہے کہ ہم حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی رفاقت کو اُن کے اخلاص اور نیک نیتی پر محمول کرکے اُن کو افضل مہاجرین جانتے ہیں اور حضرات شیعہ اُن کی ہمراہی کو بدنیتی پر (نعوذ باللہ من ذلک) محمول کرکے اُن کو منافقین میں سے سمجھتے ہیں اس لیئے ہم اسی آیت سے حضرت صدیق اکبر کے فضائل ثابت کرتے ہیں اور حضرات شیعہ کے شبہات بیان کرکے اُن کا ذکر کرتے ہیں ؛

بیان صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل کا جو اس آیت سے ثابت ہوتے ہیں

اس آیت سے بہت سی فضیلتیں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی ثابت ہوتی ہیں (اول) یہ کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل پر کفار مکہ نے اتفاق کیا اور اللہ جل شانہٗ نے اُن کے ارادے سے حضرت کو آگاہ فرمایا اور اجازت ہجرت کی دی۔ تب پیغمبر خدا نے بحکم آلہی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو اپنے ہمراہ لیا پس اگر خدائے جل شانہٗ کے نزدیک ابوبکر صدیق رضؓ ایمان میں سچے اور اسلام میں پکے نہ ہوتے اور پیغمبر صاحب پر جان و دل سے عاشق نہ ہوتے تو ہرگز وہ ایسے وقت میں اُن کو ساتھ لینے کی اجازت نہ دتیا اور خود پیغمبر صاحب کو اگر اُن کی محبت اور عشق پر یقین کامل نہ ہوتا تو کبھی ابوبکر صدیق رضؓ کو اس سفر میں اپنے ہمراہ نہ لیتے (دوسرے) اگر ابوبکر صدیق رضؓ اپنی جان و مال کو حضرت پر نثار کرنے سے راضی نہ ہوتے تو وہ ایسی مصیبت کے وقت میں خود شریک نہ ہوتے اور اپنے آپ کو معرضِ ہلاکت میں نہ ڈالتے بلکہ حیلہ حوالہ کر کے اپنے آپ کو ایسی مصیبت کے وقت میں شریک ہونے سے بچا لیتے (تیسرے) گھر میں سے نکلنے کے وقت سے مدینے منورہ میں پہنچنے تک جو باتیں صدیق اکبر نے کیں اور جس طرح پیغمبر خدا کی حفاظت کی اور جس طور پر حق رفاقت کا ادا کیا اُن سب باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوبکر صدیق رضؓ کو پیغمبر خدا کے ساتھ عشق کا مرتبہ تھا اور پیغمبر صاحب کے بچانے کے لئے اپنی جان اور آبرو کا خیال نہ تھا (چوتھے) جتنے اور اصحاب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تھے اُن میں سے کوئی اس رتبے کا نہ تھا کہ جس کو پیغمبر خدا اپنے ہمراہ لیتے اور جس کو اپنا یار غار بناتے سوائے ابوبکر صدیق کے کہ اُن ہی کو ایسے وقت میں اپنا رفیق بنایا اس سے ابوبکر صدیق کی فضیلت اور اصحابوں پر ثابت ہوتی ہے (پانچویں) اللہ جل شانہٗ کو یہ خدمت صدیق اکبر کی ایسی پسند آئی کہ اُن کی صدیقیت اور رفاقت کو اور لوگوں کی تحریص اور ترغیب کے واسطے اس آیت میں بیان کیا تاکہ اُس کو سُن کر لوگوں کو غیرت آئے اور پیغمبر صاحب کی رفاقت پر مستعد ہو جائیں پس اگر ابوبکر صدیق کی صدیقیت خدا کے نزدیک مقبول نہ ہوتی اور اُن کی خدمت اور رفاقت اعلیٰ درجے کی نہ ہوتی تو اُن کی مثال کیوں دی جاتی اور اُن کی یاری اور مددگاری اوروں کے دل بڑھانے کے لئے کس لئے بیان کی جاتی (چھٹے) اللہ جل شانہٗ نے ثَانِیَ اثْنَیْنِ کا لفظ فرما کر ظاہر کیا کہ بعد پیغمبر خدا کے دوسرا شخص اداے مناصب دینی کے واسطے ابوبکر ہے۔

(ساتویں) اللہ جل شانہ نے صاحبہ کا لفظ ابو بکر صدیقؓ کی نسبت فرما کر اُن کی صحابیت کو ثابت کیا کہ یہ رتبہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوا اس لئے ابو بکر صدیقؓ کی صحابیت کا انکار در حقیقت نص قرآنی کا انکار ہے (آٹھویں) اس آیت میں الفاظ لاتحزن ان اللہ معنا سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابو بکر صدیق کو تسلی دی اور خدا کی حفاظت اور نصرت میں ان کو اپنا ساتھی فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جس طرح حافظ اور ناصر اپنے پیغمبر کا تھا اُسی طرح اپنے پیغمبر کے یار غار کا حامی اور مددگار تھا اور جب اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ ابو بکرؓ کے ساتھ تھا تو اسی سے ابو بکر کا متقی اور محسن ہونا ثابت ہوا اس لئے کہ دوسری آیت میں اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ہُمْ مُّحْسِنُوْنَ کہ خدا اُن ہی لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو کہ متقی اور نیک ہوتے ہیں (نویں) اللہ جل شانہ نے اپنی تسلی ابو بکر صدیقؓ پر نازل کی اور خدا اپنی تسلی نازل نہیں کرتا مگر اُن ہی لوگوں پر جو کہ ایمان میں پکے اور اسلام میں مضبوط ہوتے ہیں اور جن پر خدا اپنا فضل کرتا ہے اور تسلی نازل کرنے کا ثبوت فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْہِ سے ہوتا ہے (دسویں) اِن آیتوں پر غور کرنے سے بڑی فضیلت صدیق اکبرؓ کی ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ یہ آیتیں صرف واسطے ترغیب اور تہدید اُن لوگوں کے نازل ہوئی ہیں جو کہ جہاد پر جانے سے سستی کرتے تھے اور ان آیتوں میں خدا نے اُن سستی کرنے والوں کو سمجھایا اور ڈرایا اور اپنی بے نیازی کو ظاہر کیا چنانچہ اول دنیا کی حقارت کر کے اُن کو سمجھایا پھر اُن کو عذاب نازل کرنے سے اور اُن کے بدلے دوسری قوم کو پیدا کرنے سے ڈرایا آخر کار اپنی بے نیازی اور اپنے رسول کی بے پروائی کو بیان فرمایا اور پھر اُس بے نیازی اور بے پروائی کے بیان میں صدیق اکبرؓ کی تمثیل دی اور اُن کی رفاقت اور محبت کا تذکرہ کیا پس اسی سے ابو بکر صدیقؓ کی صدیقیت اور اُن کی صاحبیت کے مرتبے کو قیاس کرنا چاہیئے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے نزدیک اُن کی نصرت و یاری کی کیسی کچھ وقعت تھی کہ منجملہ اور امور ترغیب و تہدید کے اُن کی نصرت و رفاقت کو بھی بیان کیا۔ غرضکہ فضائل ابو بکر صدیقؓ کے جو ان آیتوں سے ثابت ہوتے ہیں اجمالاً ہم بیان کر چکے اب اُن شبہات کو جو حضرات شیعہ کرتے ہیں بیان کر کے اُس کا رد کرتے ہیں اور چونکہ شبہات اُن کے ایسے لوچ اور رکیک ہیں کہ اُن کی تردید کرنا ایسا ہے جیسا کہ روز روشن میں آفتاب کے طلوع سے انکار کرنے والے کے مقابلے میں

دلائل اور براہین بیان کرنا لیکن بمجبوری موافق قول خاتم المحدثین کے (چون بناء کلام بر اصول گروہی نہادہ است ناچار زمام اختیار بدست آنہا دادہ ہر جا کشیدہ بروند می رود و بہر رنگ کہ رنگین کنند مے شود) مگر منصف مزاجوں سے امید ہے کہ اُن اعتراضوں کو ذرا انصاف سے دیکھیں اور علماء و مجتہدین امامیہ کے تعصب اور عناد پر خیال کریں کہ عداوت نے ان کے دلوں پر کیسا پردہ اور دشمنی نے اُن کی عقلوں پر کیسا حجاب ڈال دیا ہے ۔ کہ ایسی نص صریح سے انکار کرتے ہیں اور افضل الصحابہ کی فضیلت کے انکار کے لئے کیسی پوچ تاویلیں بیان کرتے ہیں (وہا انا اشرع فی بیان ہفواتہم)

بیان شیعیان عبداللہ بن سبا کے اعتراض کا اس آیت پر

ہم اعتراضوں کو اُسی ترتیب سے بیان کرتے ہیں جس ترتیب سے ہم نے فضیلتیں بیان کی ہیں تاکہ دیکھنے والوں کو ہر فضیلت کے مقابلے میں اعتراضات اور شبہات شیعوں کے معلوم ہو جائیں ۔

پہلا اعتراض پہلی فضیلت پر

جو کہ ہم نے پہلی فضیلت میں بیان کیا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کے حکم سے پیغمبر خدا نے صدیق اکبرؓ کو اپنے ہمراہ لیا اس کو امامیہ اس طرح رد کرتے ہیں کہ نہ خدا نے پیغمبر خدا کو ابوبکر کے ہمراہ لینے کی اجازت دی نہ پیغمبر صاحب نے اپنی خوشی سے اُن کو اپنے ساتھ لیا بلکہ بلا مرضی اور بغیر اجازت حضرتؐ کے ابوبکر ہمراہ ہو گئے چنانچہ اس باب میں جو کچھ علمائے شیعہ نے لکھا ہے اس کو ہم بیان کرتے ہیں بڑے مجتہد صاحب یعنی شیعوں کے قبلہ و کعبہ ذوالفقار میں لکھتے ہیں کہ (احتجاج[1] بایں آیت موقوف است کہ بہ ثبوت رسد کہ ہجرت ابوبکر باجازت حضرت نبوی واقع شدہ و شیعہ این را قبول ندارند) اور قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں اور اپنے اور رسالوں میں بھی یہی لکھا ہے کما ذکرہ فی منتہی الکلام کہ (قاضی نور اللہ شوستری در مجالس المومنین و بعضے از رسائل دیگر ذکر می کنند) (کہ ابوبکر از

[1] ذوالفقار مطبوعہ لدھیانہ ۱۲۸۱ھ صفحہ ۵۷ - سطر ۹ ۱۲

منافقین بود و بر خلاف امر اقدس نبوی در اثناء راہ ایستاد و حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد زجر شدید او را ہمراہ گرفت تا کفار را دلالت نہ کند) اور ایک رسالے میں جو منسوب بہ حسینیہ ہے ایک بڑے میر صاحب اس طرح پر لکھتے ہیں (کہ چون پارۂ راہ برفت دید کہ شخصے در برابر آنحضرتؐ می آید حضرت توقف نمود چون نزدیک رسید بشناخت کہ ابوبکر ست فرمود کہ اے ابوبکر نہ من امر خدا بشمار سانده و گفتم کہ از خانۂ خود ہا بیرون میائید تو چرا مخالفت امر آلہی کردی گفت یا رسول اللہ دلم از بہر تو خائف بود و ہراساں بودم نخواستم کہ در خانہ قرار گیرم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متحیر ماند بواسطۂ آنکہ حکم آلہی نہ بود کہ کسے در ہمراہی خود برد در ساعت حضرت جبرئیل باز رسید و گفت یا رسول اللہ بخدا سوگند کہ اگر این راہی گذاری و ہمراہ نہ گیری کفار را گرفتہ از عقب تو بیاید و ترا بقتل رساند پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آن وقت بالضرورت او را با خود برد و در غار داخل شد) غرض کہ اس اعتراض سے ثابت ہوا کہ ابوبکر صدیق بہ قصد گرفتار کرانے پیغمبر صاحبؐ کے گھر سے نکلے اور راہ روک کر کھڑے ہو گئے اور باوجود یکہ حضرت نے گھر میں سے نکلنے کو منع کر دیا تھا۔ وہ عدول حکمی کر کے بہ ارادۂ ایذا رسانی پیغمبر صاحب کے سد راہ ہوئے آخر کار پیغمبر صاحب مجبور ہوئے اور بصلاح جبرئیل علیہ السلام کے ان کو اپنے ساتھ لے لیا اگر ہمراہ نہ لیتے تو ضرور ابوبکر کفار کو لے آتے اور پیغمبر کو گرفتار کراتے ؛

اگرچہ اہل انصاف غور کر سکتے ہیں تو بہ تو بہ ایسے بدیہی امر میں غور کی کیا حاجت ہے ویسے ہی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ اعتراض بالکل پوچ اور واہی ہے اور اس کی رکاکت اُس کے الفاظ و معانی سے ظاہر ہے لیکن ہم چند باتیں اس اعتراض کے بطلان پر لکھتے ہیں اور سفاہت اس دعوے کی کہ ابوبکر صدّیق بقصد گرفتاری و ایذا پیغمبر صاحب کے نکلے تھے ثابت کرتے ہیں ؛

(اول) سوچنا چاہیئے کہ ابوبکر صدّیق اُس وقت پیغمبر صاحب کے دوست تھے یا دشمن اگر دوست تھے تو قصد گرفتاری اور نیت ایذا دہی کے کیا معنی اگر دشمن تھے تو جس طرح ابوجہل وغیرہ اور دشمن حضرت کے قتل کی نیت سے آپ کے گھر پر گئے تھے اسی طرح ابوبکر ان کے ساتھ کیوں نہ گئے اُن سے علیحدہ کیوں ہوئے ؛

(دوسرے) ابوبکر کو حال ہجرت کا اور وقت دولتسرا سے برآمد ہونے کا اور غار میں تشریف لے جانے کا پیغمبر صاحب نے بتلایا تھا یا نہیں اگر نہیں بتلایا تو ٹھیک وقت پر عین

اُسی راہ پر جس طرف سے حضرت جاتے تھے ابوبکر کس طرح راہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ اگر پیغمبر صاحب نے پہلے سے بتلادیا تھا تو حضرت کو ابوبکر کا ہمراہ لے جانا منظور تھا یا نہیں اگر منظور نہ تھا تو راز فاش کرنے سے کیا حاصل تھا اور ایسی پوشیدہ بات کو دشمن پر ظاہر کرنے سے سوائے اندیشۂ ضرر کے کیا فائدہ تھا اور اگر ساتھ لے جانا منظور تھا۔ تو پھر اعتراض بھی باطل ہوا؏

(تیسرے) اگر فرض بھی کیا جائے کہ ابوبکر صدیق بہ نیت قتل پیغمبر خدا کے راہ روک کر کھڑے ہو گئے اور اپنی بدنیتی میں ایسے مضبوط تھے کہ حضرت جبرئیل اُن کی نیت سے خوف کر کے فوراً ہی سدرہ سے اُترے اور پیغمبر صاحب سے کہنے لگے کہ (اگر این رامی گذاری وہمراہ نگیری کفار را از عقب تو گرفتہ بیاید وترا بقتل رساند) لیکن یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ اُس وقت ابوبکر تنہا تھے یا اور کوئی کافر بھی اُن کے ساتھ تھا اور ہتھیار بند تھے یا خالی ہاتھ اگر یہ کہا جاوے کہ اور کافر بھی موجود تھے تو کوئی شیعہ بھی اس کا قائل نہیں اور اگر کوئی اور کافر ہمراہ ابوبکر کے نہ تھا تو تعجب آتا ہے کہ ابوبکر باوجود جاننے شجاعت اور قوت پیغمبر صاحب کے تنہا حضرت کی گرفتاری اور قتل کو بغیر ہتھیار کے چل دیے اور دو چار رفیقوں کو بھی اپنے ہمراہ نہ لیا اور اگر یہ کہا جاوے کہ وہ فقط خبر لینے کے لئے کھڑے ہو گئے تھے۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام کے اس ارشاد سے کہ (کفار را از عقب تو گرفتہ بیاید) ثابت ہوتا ہے تو یہ امر معلوم نہیں ہوتا کہ کفار اُس جگہ سے جہاں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر کو ملے ایسے نزدیک تھے کہ آواز پہنچ سکتی تھی یا اتنے دور تھے کہ اُن کے بلانے کے لئے جانا پڑتا اگر نزدیک تھے تو تعجب ہے کہ ابوبکر نے اُن کو آواز دے کر کیوں نہ بلالیا اور چپ چاپ کیوں کھڑے رہے اور اگر دُور تھے تو معلوم نہیں کہ کیوں پیغمبر خدا کو دیکھتے ہی ابوجہل وغیرہ سے خبر کرنے کو نہ دوڑے کس امر کے انتظار میں کھڑے رہے اور تعجب تو اس امر پر ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے یہ صلاح تو پیغمبر کو دی کہ اس دشمن کو اپنے ساتھ لے لو اور یہ مشورہ نہ دیا کہ ذرا ٹھہرو جب یہ تمہارے دشمن کو خبر کرنے اور بلانے کو جائے تب چل دینا اور جب تک وہ لوٹے تب تک جائے مقصود پر پہنچ جانا۔ خدا جانے جبرئیل کو معاذ اللہ کیا ہو گیا تھا۔ کہ ایسے اضطرار کے وقت میں پیغمبر صاحب کو ایسے دشمن کے ہمراہ لینے کی صلاح تو دی اور جو حکمت اُس سے بچنے کی تھی وہ نہ بتلائی؏

(چوتھے) تعجب ہے کہ جب ابوبکر کو پیغمبر صاحب کا گرفتار کرانا ہی منظور تھا تو وہ پیغمبر صاحب کے ساتھ کیوں چل دیے اور کیوں غار میں جاکر حضرت کے ساتھ چپ چاپ بیٹھ رہے اور کس لئے کوئی تدبیر گرفتار کرانے کی نہ کی اہل انصاف غور کریں کہ جس طرح اُس وقت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت کو راہ میں پایا تھا اور اُن کا قصد قتل کا تھا اگر اُس طرح ابوجہل یا اور کوئی کافر قریشی حضرت کو دیکھ لیتا تو وہ کیا کرتا اور حضرت اُس سے کیا کرتے اگر کسی کے ذہن میں یہ بات آئے کہ وہ حضرت کو چھوڑ دیتا یا حضرت اُس کو اپنے ہمراہ لے لیتے تو ہم ابوبکر کی نسبت بھی شیعوں کے خیال کو درست کہہ سکتے ہیں ہم نہایت تعجب کرتے ہیں کہ شیعوں کی عقل پر کیسا پردہ پڑ گیا ہے کہ اتنا نہیں سمجھتے کہ ہجرت کا وقت وہ تھا کہ تمام کفار مکے کے پیغمبر صاحب کے قتل کے درپے تھے اور در دولت پر جمع کرکے اپنے ارادے کے پورا کرنے کے لئے پہنچ گئے تھے اور کسی کو خبر تک نہ تھی کہ پیغمبر صاحب اس گھر سے نکل گئے ہیں بلکہ سب جانتے تھے کہ اپنی جگہ پر آرام کر رہے ہیں اُس وقت جو رفیق حضرت کا ہوا اس کی نسبت دشمنی کا گمان کرتے ہیں اگر وہ رفیق بحکم اور بہ مرضی پیغمبر کی رفاقت کے لئے آمادہ نہ ہوتا تو وہ اس گروہ میں شامل ہوتا جو در دولت پر واسطے قتل کے گیا تھا یا بلا اطلاع بلا خبر راہ روک کر کھڑا ہو جاتا جو کچھ اب تک ہم نے لکھا یہ بہ تسلیم روایات شیعہ کے لکھا اور اُس سے بھی صدیق اکبر کی صدیقیت کو ثابت کیا۔ لیکن اب ہم اپنے دعوے کو عقلی دلائل سے قطع نظر کرکے نقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں اور خود حضرات امامیہ کی معتبر کتابوں سے اُن کے اعتراض کو رد کرتے ہیں اور بوحی الٰہی اور بمرضی رسالت پناہی ابوبکر صدیقؓ کا ساتھ ہونا ثابت کرتے ہیں مفسر کاشانی کہ جو علمائے اعلام شیعہ سے ہیں تفسیر خلاصۃ المنہج میں تحریر فرماتے ہیں کہ (امیرالمومنین برابر جای خود خوابانید و خود از خانۂ ابوبکر برفاقت او در ہمان شب بیرون آمدہ باین غار متوجہ شد) پس حضرات امامیہ اس مفسر کی تفسیر کی لفظوں کو کہ (خود از خانۂ ابوبکر برفاقت او در ہمان شب بیرون آمدہ) ملا نور اللہ شوستری کے اس مضمون سے کہ (ابوبکر از منافقین بود و برخلاف امر مقدس نبوی در اثنائے راہ ایستاد و حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد زجر شدید او را ہمراہ گرفت) ملائیں اور خود ہی تصفیہ کریں کہ ان میں کون سچا ہے اگر ایک روایت پر حضرات امامیہ کی خاطر جمع نہ ہو اور اُس کو قبول نہ کریں تو دوسری روایت سنیں اور کسی

عالم اور مجتہد کی بھی نہ سنیں بلکہ خاص امام کی وہ ہو ہذہ تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام میں سورۂ بقر میں لکھا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آکر کہا کہ اللہ جل شانہ آپ کو سلام کہتا ہے اور یہ فرماتا ہے کہ قریش خصوصاً ابوجہل نے آپ کے قتل کی تدبیر مصمم کی ہے اس لئے آپ کو چاہیئے کہ علی کو اپنی جگہ پر چھوڑ دیں کہ وہ مثل اسماعیل کے جان نثاری کرے گا اور ابوبکر کو اپنا رفیق کیجئے کہ اگر وہ موانست کرے اور اپنے عہد پر قائم رہے تو جنت میں بلکہ اعلی علیین میں آپ کا رفیق ہوگا تب پیغمبر خدا نے حضرت علی سے یہ حال کہا حضرت علی اپنے مارے جانے پر راضی ہوئے۔ بعدہٗ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے ابوبکر تو راضی ہے کہ اس سفر میں میرے ہمراہ ہو اور کفار قریش جس طرح مجھے قتل کے لئے

ل اگر ہم اصل عبارت اُس تفسیر کی نہ لکھیں تو کبھی کسی کو یقین نہ ہووے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی تفسیر میں جو موافق روایات شیعہ کے ہے ایسی روایت لکھی ہوگی۔ اس لئے ہم بجنسہٖ اس کی عبارت کو منتہی الکلام سے نقل کرتے ہیں۔ ان اللہ تعالیٰ اوحی الیہ یا محمد ان العلی الاعلے یقرأ علیک السلام ویقول لک ان اباجہل والملاء من قریش قد دبروا علیک قتلک الی ان قال وامرک ان تستصحب ابا بکر فانہ ان انسک وساعدک ووازرک وثبت علی تعاہدک وتعاقدک کان فے الجنۃ من رفقائک وفی غرفاتہا من خلصائک الی ان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لابی بکر ارضیت ان تکون معے یا ابابکر تطلب کما اطلب وتعرف بانک انت الذی تحملنی علے ما ادعیہ فتحمل علے انواع العذاب قال ابوبکر یا رسول اللہ اما انا لو عشت عمر الدنیا او عذب جمیعا اشد عذاب لا ینزل علی موت مریح ولا فرج وکان ذلک فے محبتک لکان ذلک احب الے ان اتنعم فیہا وانا مالک لجمیع ممالیک ملوکہا فی مخالفتک وہل انا و مالی وولدی الا فداءک فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لاجرم ان اطلع اللہ علے قلبک ووجد ما فیہ موافقا لما جرے علی لسانک جعلک منی بمنزلۃ السمع والبصر والرأس من الجسد وبمنزلۃ الروح من البدن کعلے الذی ہو منے کذلک وعلے فوق ذلک لزیادۃ فضائلہ وشرف خصالہ یا ابابکر ان من عاہد اللہ ثم لم ینکث ولم یغیر ولم یبدل ولم یحسد من قد ابلۃ بالتفصیل وہو معنا فی الرفیق الاعلے ۱۲

تلاش کریں اُسی طرح تیرے قتل کے لئے درپے ہوں اور یہ بھی مشہور ہو کہ تو نے مجھے اس کام پر آمادہ کیا اور میری رفاقت کے سبب تجھ پر طرح طرح کے عذاب پہنچیں۔ ابوبکر نے عرض کی کہ یارسول اللہ میں تو وہ شخص ہوں کہ اگر تیری محبت میں سخت ترین بلاؤں میں گرفتار ہوں اور قیامت تک اُن میں پڑا رہوں تو بھی میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ تجھ کو چھوڑ کر دُنیا کی سلطنت قبول کروں میری جان میرا مال میرے اہل وعیال لڑکے بالے سب آپ پر قربان ہیں آپ کو چھوڑ کر کہاں رہوں گا ۔ شعر

کف پا بہر زمینے کہ رسد تو نازنین را　　بلب خیال بوسم ہمہ عمر آن زمین را

یہ سن کر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تیری زبان موافق تیرے دل کے ہے تو بالیقین خدائے تعالیٰ تجھ کو بمنزلہ میرے سمع و بصر کے کرے گا اور تجھ کو میرے ساتھ وہ نسبت ہوگی جو کہ سر کو جسم سے اور روح کو بدن سے ہے ۔ الخ اس روایت کو دیکھ کر ہم نہیں جانتے کہ پھر کیونکر شیعوں کی زبان سے یہ بات نکلے گی کہ بلا اجازت پیغمبر خدا کے ابوبکر صدیق راہ روک کر کھڑے ہو گئے تھے اس لئے کہ خود امام حسن عسکری علیہ السلام تصدیق کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا نے بحکم اور بوحی آلٰہی ابوبکر کو اپنے ساتھ لیا تھا۔ اور جو کچھ ابوبکر نے پیغمبر خدا سے کہا اور جو کچھ حضرت نے اُن کی نسبت فرمایا اُس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر صدیق کو پیغمبر خدا سے کیسی محبت تھی اور پیغمبر خدا کو بھی اُن پر کیسی شفقت تھی کہ اُن کو اپنی سمع و بصر اور جان اور دل سے تشبیہ دیتے تھے۔ جاننا چاہئیے کہ اس حدیث کو جب تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام سے نکال کر مولوی حیدر علی صاحب نے جواب میں سبحان علی خان کے لکھا تھا تو خاں صاحب کے ہوش و حواس جاتے رہے اور مضطر ہو گئے اور حقیقت میں ہوش و حواس جانے کا مقام تھا۔ اس لئے۔ کہ جب امام کے قول سے حضرت ابوبکر صدّیق کا بوحی آلٰہی حضرت کے ساتھ ہجرت کرنا اور پیغمبر خدا کا ابوبکر صدّیق کو سمع و بصر سے تشبیہ دینا ثابت ہوا تو پھر بطلان عقائد امامیہ میں کونسا شبہہ باقی رہا اور منشی سبحان علی خاں صاحب نے اس روایت کو دیکھ کر جو خط مولوی نورالدین صاحب شہید ثالث کے نورالعین کے نام لکھا ہے اور رسالۃ المکاتیب فی ردیۃ الثعالیب والغرابیب مطبوعہ ۱۲۶۸ھ ہجری کے صفحہ ۱۸۹ ۔ سطر میں بلفظہ نقل ہے۔ قابل ملاحظے کے ہے ہم بھی شائقین کے دیکھنے کے لئے اُس عبارت کو بلفظہ نقل کرتے ہیں۔

(وہوہذہ) (لکن اشکال ہمین ست کہ ناصب احادیث طریقۂ امامیہ را التقاط کردہ بالفعل پنج جزو بغلط از کتاب ابرام بصارت العین یاچہ نام دارد فرستادہ دران حدیثے مبسوط از تفسیر بہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام بقصۂ ہجرت در مدح ابوبکر نقل کردہ پس اگر تا لیفش و تالیف بندہ بدست کسی از متمذہبین بمذہبی غیر اسلام افتد و احسرتاہ دوا اسفاہ یعنی معاذ اللہ حکم بتجارضا و تساقطاکند مدبر عالم جلت قدرتہ زمان ظہور صاحب الامر و الزمانؑ زود برساند تا این اختلاف از میان برخیزد) غرضکہ منشی صاحب ہزار وا حسرتاہ اور وا ویلاہ مچاویں اور ہر چند امام صاحب الامر کے ظہور کی دعا کریں مگر امام حسن عسکری علیہ السلام کی تکذیب نہیں کر سکتے اور جو فضائل ابوبکر صدیق کے امام کے قول سے ثابت ہو اُس کو باطل نہیں کر سکتے ٭ اے بھائیو ذرا سوچو کہ جب امام صاحب یہ فرماویں کہ بوحی الٰہی ابوبکر کو پیغمبر خدا نے اپنے ہمراہ لیا اور پھر ملا نوراللہ شوستری وغیرہ معاندین یہ کہیں کہ ابوبکرؓ راہ روک کر کھڑے ہو گئے تھے تو اب ہم امام کے قول کی تصدیق کریں یا ملا نوراللہ شوستری کی بات نیں حقیقت تو یہ ہے کہ ملا نوراللہ شوستری نے ظاہر میں تو دعوئی محبت ائمہ کا کیا لیکن باطن میں اُن کو جھوٹا بنایا اور تشیع کے پردے میں ایمان اور اسلام کو داغ لگایا شعر

دامن فشاں گذشتؔ و ادا را بہانہ ساخت　　خاکم بباد داد و صبا را بہانہ ساخت

اس تفسیر کی روایت سے بھی اگر سیری نہ ہو اور فارسی اردو پڑھنے والے کو اُس تفسیر کا ملنا دشوار ہو تو ایسی کتاب کی روایت نیں جو ہر جگہ مل سکتی ہے اور جس کا مؤلف بڑا غالی شیعی مشہور ہے اُسی کو دیکھ کر ذرا غیرت پکڑیں اور تعجب کریں کہ پیغمبر کے یار غار کی صدیقیت باوجود ایسے تعصب و عناد کے اُن ہی کے مجتہدین و علما کے اقرار سے ثابت ہوتی ہے ۔ اور اُن کے بغض کی بیماری کی دوا اُن ہی کے نسخوں سے نکل آتی ہے اس پر بھی اگر دوا نہ کریں اور اپنا ہلاک ہونا چاہیں تو اختیار ہے اب اُس روایت کو سننا چاہیئے جو حملۂ حیدریہ میں مذکور ہے

نظم

چنین گفت راوی کہ سالار دین بسوی سرای ابوبکر رفت	چو سالم بحفظ جہان آفرین پے ہجرت او نیز آمادہ بود	ز نزدیک آن قوم پر مکر رفت کہ سابق رسولش خبر دادہ بود

لہ حملۂ حیدری جلد اول مطبوعہ مطبع سلطانی ۱۲۶۷ ہجری صفحہ ۲۷ - از سطر ۱۶ تا سطر ۲ صفحہ ۲۸ - ۱۲ منہ

نبی بر در خانہ اش چون رسید
زخانہ برون رفت و ہمراہ شد
بسر پنجہ آن راہ رفتن گرفت
قدوم فلک سای مجروح گشت
کہ در کس چنان قوت آید پدید
چو گردید پیدا نشان سحر
بدیدند غارے دران تیرہ شب
ولی پیش بنہاد بو بکر پاے
بدین گونہ تا شد تمام آن قبا
کف پای خود را نمود استوار
بغار اندرون در شب تیرہ خام
یکی کامد افزون بر و پا فشردہ
در آمد رسول خدا ہم بغار

بگوششں ندای سفر در کشید
گرفتند پس راہ یثرب بہ پیش
پئے خود ز دشمن نہفتن گرفت
ابو بکر آنگہ بدوشش گرفت
کہ بار نبوت تواند کشید
بجستند جائیکہ باشد پناہ
کہ خواندی عرب غار ثورش لقب
بہر جا کہ سوراخ یا رخنہ دید
یکی رخنہ نگرفتہ ماند از قضا
نیامد جز او این شگرف از کسی
چسان دید سوراخہا را تمام
نیامد چنیں کاری از غیر او
نشستند یکجا بہم ہر دو یار

چو بو بکر زان حال آگاہ شد
بنی کند نعلین از پای خویش
چو رفتند چندی ز دامان دشت
ولی زین حدیث ست جای شگفت
برفتند القصہ چندے دگر
ز چشم کسان دور یکسو ز راہ
گرفتند در جوف آن غار جائے
قبا را بدرید و آن را بچپید
بران رخنہ گویند آن یار غار
کہ دو راز خردی نماید بسے
دران تیرہ شب یک بیک چون شمرد
بدیشان چو پرداخت از رفت و رود

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خود حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گھر گئے اور اُن کو ہمراہ لیا اور جو کچھ ابو بکر صدیقؓ نے خدمتیں کیں یعنی پیغمبر خدا کو دوش پر چڑھانا اور غار میں اول جانا اور اُس کو صاف کرنا اور قبا کو چاک کر کے سوراخوں کو بند کرنا اور باقی ماندہ سوراخ کو اپنے کف پا سے مسدود کرنا وہ عشق و محبت پر دلالت کرتی ہیں نہ کہ نفاق و عداوت پر اگر یہ خدمتیں جو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے شب ہجرت میں کیں نفاق کی نشانیاں ہیں تو معلوم نہیں کہ محبت اور عشق کی علامتیں کیا ہیں۔

یہ بات بھی لائق لکھنے کے ہے کہ جو بعض شیعوں نے یہ دعوی کیا ہے کہ پیغمبر خدا نے سب صحابہ کو منع کیا تھا کہ اپنے گھروں سے نہ نکلنا اور ابو بکر نے خلاف حکم پیغمبر کے کیا۔ وہ بالکل غلط ہے اس لئے کہ خود مؤرخین اُن کے اقرار کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا نے سب اصحاب کو اول سے روانہ کر دیا تھا اور صرف دو شخصوں کو رکھ لیا تھا یعنی حضرت علیؓ کو کہ اُن کو اپنی جگہ پر سلایا اور ابو بکر صدیقؓ کو کہ اُن کو اپنے ساتھ لیا پس کونسا اصحاب میں سے باقی رہ گیا تھا جس کو پیغمبر خدا نے شب ہجرت میں باہر نکلنے سے منع کیا ہو اور جن کی نسبت یہ ارشاد

کیا ہوا کہ نہ من امر خدا بہ شمار ساندم کہ از خانۂ خود ہا بیروں میائید تو چرا مخالفت امر الٰہی کردی
اور یہ امر کہ سب اصحاب پہلے سے ہجرت کر گئے تھے اور صرف حضرت علی اور ابو بکر صدیقؓ
رہ گئے تھے باقرار مؤرخین شیعہ ثابت ہے چنانچہ حملۂ[1] حیدریہ میں لکھا ہے کہ نظم

حبیبؐ خدا چون بدید آن ستم	چنیں داد فرمان ز لطف و کرم	کہ اصحاب ہا ہجرت بہ یثرب کنند
نہاں یک یک از چشم اعدا روند	نہادند یاران بفرمان قدم	بر فتنار پنہاں پدنبال ہم
باینگونہ رفتند یاران تمام	علیؓ ماند و بوبکرؓ و خیر الانام	غرضکہ کہ باقرار علمائے شیعہ

ثابت ہوا کہ پیغمبر خدا نے باجازت اور بحکم الٰہی ابو بکر کو ہمراہ لیا اور ابو بکرؓ نے حق رفاقت اچھی طرح پر ادا کیا ؎

دوسرا اعتراض دوسری فضیلت پر

دوسری فضیلت میں ہم نے بیان کیا ہے کہ اگر ابو بکر صدیقؓ پیغمبر خدا پر عاشق نہ ہوتے اور اپنی جان و مال کو حضرت پر نثار کرنے کو راضی نہ ہوتے تو ایسی مصیبت کے سفر میں کبھی شریک نہ ہوتے اُس پر علمائے شیعہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ابو بکر کی نیت ہجرت میں اچھی نہ تھی چنانچہ مجتہد صاحب ذوالفقار[2] میں لکھتے ہیں کہ (ہمچنیں بہ اتفاق فریقین ترتب ثواب بر ہجرت صحت نیت ست الی قولہ پس مادامیکہ مارا علم بہ صحت نیت ابی بکر بہ ثبوت نرسد دخول او در مدلول این آیۃ تیقن نمی شود و تا تیقن نشود احتجاج باین آیۃ بر علو مرتبت او نمی تواند شد) اور قاضی صاحب احقاق الحق میں فرماتے ہیں (وقد ظہر من جزعہ و بکائہ مایکون من مثلہ فساد الحال فی الاختفاء الی قولہ فافضلیتہ فی الغار یفتخر بہا لابی بکر لولا المکابرۃ واللداد) یعنی ابو بکر صدیقؓ کی جزع اور بکا سے ثابت ہوا کہ اُن کا حال اچھا نہ تھا اور نیت اُن کی درست نہ تھی اس اعتراض کا جواب خود امام حسن عسکری علیہ السلام کی تفسیر سے اوپر مذکور ہو چکا کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ (ارضیت ان تکون معے یا ابا بکر تطلب کما اطلب الی قولہ قال ابو بکر یا رسول اللہ اما انا

[1] حملۂ حیدری جلد اول مطبوعہ مطبع سلطانی ۱۲۶۷ھ ہجری صفحہ ۴۳ سطر ۲۴ - ۱۲ منہ [2] ذوالفقار مطبوعہ لدھیانہ ۱۲۸۱ھ ہجری صفحہ ۵۷ - سطر ۳ - ۱۲ منہ

لو عشت عمر الدنیا اغذب جمیعاً اشد عذاب الخ) اے ابوبکر تو میرے ساتھ چلنے سے اس شرط پر راضی ہے کہ تو عذاب اور تکلیف میں گرفتار ہو تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ آپ کی رفاقت میں اگر قیامت تک مجھے عذاب ہو تو منظور ہے لیکن دامن چھوڑنا منظور نہیں ہے پس اس جواب سے کیا ثابت ہوتا ہے نیک نیت ہونا ابوبکر کا یا بدنیت ہونا اور چونکہ نیت کا حال افعال اور اعمال سے ظاہر ہوتا ہے اور حرکات جوارح سے دل کی کیفیت معلوم ہوتی ہے پس جو کام ابوبکر صدیق رضؓ نے شب ہجرت کو کئے وہ اُن کی نیک نیتی پر شاہد ہیں یا بدنیتی پر ؟

تیسرا اعتراض تیسری فضیلت پر

تیسری فضیلت میں ہم نے بیان کیا ہے کہ گھر سے نکلنے کے وقت سے مدینے میں پہنچنے تک جو باتیں صدیق اکبر رضؓ نے کیں وہ اُن کے عشق اور محبت پر ساتھ رسول خدا کے دلالت کرتی ہیں حضرات شیعہ اُس سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضؓ کی حرکتیں اُن کے نفاق اور عداوت پر دلالت کرتی ہیں اس لئے ہم اُن کی خدمتوں کو جو شب ہجرت میں اُنہوں نے کیں بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جاوے کہ جو کام ابوبکر صدیق نے کئے وہ سوائے عاشق صادق کے کسی دوسرے سے ہو نہیں سکتے (اول) جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ابوبکر صدیق رضؓ چلے تب راہ میں اِدھر اُدھر نظر کرتے جاتے تھے حضرت نے پوچھا اے ابوبکر یہ کیا تیرا حال ہے تب ابوبکر صدیق رضؓ نے عرض کی کہ یارسول اللہ میرا مطلب صرف آپ کی حفاظت ہے چنانچہ صاحب منتہی الکلام ریاض النضرۃ سے اس کا خلاصہ ان لفظوں سے لکھتے ہیں کہ (چون صدیق ہمراہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارشاد شریف متوجہ غار شد گاہی پیش می رفت و گاہی در عقب و زمانے بجانب راست توجہ می کرد و ساعتی بطرف چپ قطع راہ می نمود حضرت پرسید کہ اے ابوبکر گاہی ترا چنیں ندیدہ بودم چہ افتاد کہ در رفتن راہ اختلاف می کنی عرض کرد کہ مقصود من نگہبانی حضرت از شر دشمنان ست مبادا کہ ازین جہات در رسند و حضرت را از راہ تا غار بر دوش برد) (دوسری) جب پیغمبر خدا کے پائے مبارک کے کسل پر ابوبکر صدیق رضؓ کو اطلاع ہوئی تو بغیر اس کے کہ حضرت نے کچھ کہا ہو ابوبکر صدیق رضؓ

نے حضرت کو اپنے دوش پر چڑھایا اور غار تک پہنچایا پس زہے نصیب ابوبکر صدیقؓ کے کہ جن کے دوش پر شاہ نبوت نے قدم رکھا۔ چنانچہ اس امر کو ہم اوپر حملۂ حیدریہ سے ثابت کر آئے ہیں (تیسری) جب غار کے کنارے پر پہنچے تب اول ابوبکر صدیق غار میں میں گئے اور اُس کو صاف کیا اور سوراخوں کو بند کیا جب پیغمبر خدا کو بلایا اور اپنے زانو پر سُلایا اس کو بھی ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں اور قاضی نور اللہ شوستری بھی ابوبکر صدیقؓ کے اول غار میں جانے کو تصدیق کرتے ہیں (چوتھی) ابوبکر صدیقؓ کے اُس پاؤں میں جو بند کرنے کے لئے سوراخ پر رکھا تھا سانپ نے کاٹا اور حضرت نے اُن کو تسلی دی (پانچویں) جب تک غار میں رہے تب تک ابوبکر صدیقؓ کے گھر سے اُن کا لڑکا کھانا پہنچاتا رہا اور پیغمبر صاحب کو کھلاتا رہا (چھٹی) دو اونٹنیاں پیغمبر خدا نے ابوبکر صدیقؓ کے بیٹے سے منگائیں اور اُس نے حاضر کر دیں ایک پر آپ سوار ہوئے اور اپنے ساتھ ابوبکر کو سوار کیا اور دوسرے پر عامر جو کہ شبان بیت الحرام تھا اور رشتربان سوار ہوا چنانچہ ان سب باتوں کو جس طرح صاحب حملۂ حیدریہ نے بیان کیا ہے اُس کو ہم لکھتے ہیں ÷

ثبوت میں امر چہارم کے

چو شد کار پرداختہ آن چنان	رسیدند کفار با پے بران	درآندم کف پای آن یار غار
کہ بر روی سوراخ بود استوار	رسیدش ز دندان ملے گزند	وزان درد افغان او شد بلند
پیمبر باو گفت آہستہ باش	رسیدند اعدا مکن راز فاش	مخور غم مگر دان صدا را بلند
	کہ از زخم افعے نیابے گزند	

ثبوت میں امر پنجم کے

بغار اندرون تا سہ روز و سہ شب	بسر برد آن شہ بفرمان رب	شدی پور بو بکر ہنگام شام

[1] کما قال ان قولہ تعالیٰ ثانی اثنین بیان حال رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم باعتبار دخولہ فی الغار ثانیا و دخول ابی بکر اولا کما نقل فی السیر ۱۲ احقاق الحق [2] حضرات شیعہ کو اس مصرع پر غور کرنا چاہیئے کہ پیغمبر خدا نے ابوبکر صدیقؓ کی صداقت اور صفائی کو کس صفائی سے بیان فرمایا ہے ۱۲ منہ عفا عنہ [3] چوتھی اور پانچویں اور چھٹی

به بردی در آن غار آب و طعام | نمودی هم از حال اصحاب شر | حبیب خدای جهان را خبر

ثبوت میں امر ششم کے

نبی گفت پس پور بو بکر را
که مارا رساند به یثرب و یار
هم از اہل دین بد یکی جمله دار
دو جمازه بهر پیمبر ببر
تہی شد از ان قوم آن کوه و دشت
دو جمازه آورده بُد جمله دار
برآمد بر آن دیگرے جمله دار

که ای چون پدر اہل صدق و صفا
برفت از برش پور بو بکر زود
برو کرد راز نبی آشکار
از و جمله دار این سخن چون شنود
رسول خدا عازم راه گشت
نشست از بر یک شتر شاه دین
بهمراه او گشت عامر سوار

دو جمازه باید کنون راه وار
بدنبال کاری که فرموده بود
بگفتش فلان روز وقت سحر
دو جمازه در دم مهیا نمود
بصبح چهارم برآمد ز غار
ابو بکر را کرد با خود قرین
پس نہایت تعجب کی بات ہے

کہ باوجودیکہ مورخین شیعوں کے ان خدمتوں کا اقرار کرتے ہیں اور پھر بھی ابوبکر صدیقؓ کی صدیقیت کا اقرار نہیں کرتے ؎

ساتواں اعتراض ساتویں فضیلت پر

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ لصاحبہ کے لفظ سے صاحبیت ابوبکر صدیقؓ کی ثابت ہوتی ہے اور یہ رتبہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوا کہ خدا نے کسی کی صحابیت کو تخصیص کرکے بیان فرمایا ہو اُس پر علمائے شیعہ چند طرح سے اعتراض کرتے ہیں (اول) اس طرح پر کہ لفظ صاحب سے مراد ہمراہ کی ہے اُس سے کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے کلام میں کافر کو مومن کا صاحب بیان کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ اور دوسری جگہ فرماتا ہے کہ حضرت یوسف نے اپنے رفیقوں سے جو قید میں تھے اور کافر تھے فرمایا یَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ پس اس صاحب کے

بقیہ نوٹ ص۶۱ : ۔ فضیلت کے اعتراضوں کو ہم اور فضیلتوں کے اعتراضات کے ضمن میں بیان کریں گے ۱۲ + ؎
حملۂ حیدری جلد اول صفحہ ۸۴ سطر ۱۲۵ منہ ؎ ایضاً صفحہ ۸۰ سطر ۲۰ - ۱۲ منہ ؎ ایضاً صفحہ ۸۴ سطر ۲۴ - ۱۲ منہ ؎
حملۂ حیدری جلد اول صفحہ ۷۹ سطر ۱۰ - ۱۲ منہ

لفظ سے فضیلت بہ یک طرف اسلام کا ثبوت بھی نہیں ہو سکتا اور صحابیت اصطلاحی کے لئے ایمان کا ہونا ضرور ہے کہ وہ ابو بکر صدیق کو حاصل ہی نہ تھا پس وہ فضیلت جو اس لفظ سے ظاہر ہوتی ہے نسبت اُن کے ثابت نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ آیت اول کا جواب یہ ہے کہ بیشک آیۃ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ میں اللہ جل شانہٗ نے کافر کو صاحب مومن کا فرمایا مگر اسی وقت اُس کی اہانت بھی بیان کر دی اور اُس کا کفر ظاہر کر دیا اور کہہ دیا کہ اَكَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ اور یہاں جو صدیق اکبر کو صاحب بیان کیا تو اس کے ساتھ ہی وہ کلمہ جو محبت اور تسلی پر دلالت کرتا ہے بیان کر دیا کہ پیغمبر کی طرف سے فرمایا کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کہ نہ غمگین ہو خدا ہمارے ساتھ ہے پس دونوں میں کیا مناسبت ہے اور دوسری آیت کا یہ جواب ہے کہ صَاحِبَیِ السِّجْنِ میں صاحب کا لفظ مضاف سجن کی طرف ہے نہ حضرت یوسف کی طرف۔ اور اس آیۃ میں لفظ صاحب کا مضاف نبی کی طرف ہی رہا۔ ایمان لانا ابو بکر صدیقؓ کا وہ بروایات معتبرۂ امامیہ کے ثابت ہے۔ چنانچہ مجالس المومنین میں قاضی نور اللہ شوستری نے لکھا ہے کہ (خالد بن سعید از سابقین اولین بودہ اسلام او مقدم بر اسلام ابو بکر بودہ بلکہ ابو بکر بہ برکت خوابی کہ او دیدہ بود مسلمان شدہ بود بالجملہ سبب اسلام خالد آن بود کہ در خواب دیدہ بود کہ بر کنار آتشی افروختہ ایستادہ است و پدر او می خواہد کہ او را در آتش اندازد کہ ناگاہ رسالت پناہ گریبان او گرفتہ بجانب خود کشید و با او گفت کہ بجانب من بیا تا بآتش نیفتی خالد ازین خواب ہولناک بیدار شد و قسم یاد کرد کہ این خواب من صحیح ست و آن گاہ متوجہ خدمت حضرت رسالت گردید در راہ ابو بکر با او ملاقات نمود و از حال او پرسید خالد صورت واقعہ را با او بیان نمود۔ ابو بکر نیز با او موافقت کرد و بخدمت آن حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آمدند و بشرف اسلام فائز گردیدند) اس روایت کے دیکھنے والے انصاف کر سکتے ہیں کہ جو شخص اسلام کی سچائی پر بالہام غیبی یقین لایا ہو اور جس کو خدا نے رویاء صادقہ کے ذریعے سے ایمان پر راغب کیا ہو اس کی نسبت کس کی زبان سے نکل سکتا ہے کہ وہ ایمان سے بے بہرہ تھا برائے خدا کوئی قاضی نور اللہ شوستری کے اس فقرے کو کہ (ابو بکرؓ بہ برکت خوابی کہ او دیدہ بود مسلمان شدہ بود) مجتہد صاحب کے اس فقرے سے کہ (خلیفہ اول از اول امر از ایمان بہرہ نداشت باتفاق من علماء الامامیہ) مطابق کرے اور انصاف سے نہ گذرے

کہ ان لوگوں کو دشمنی اور عداوت نے کیسا اندھا کر دیا ہے کہ ایسے صدیق رضی کے ایمان سے انکار کرتے ہیں جس کو خدا نے بذریعۂ رویاء صادقہ کے حقیقت اسلام پر آگاہ کر دیا ہو اگر کوئی کہے کہ قاضی نور اللہ شوستری نے اسلام کا اقرار کیا ہے اور مجتہد صاحب نے ایمان سے انکار فرمایا ہے اس کا جواب ہم یوں دیتے ہیں (اول) یہ کہ ہم کو یہ امر ثابت کرنا ہے کہ ابو بکر صدیق نے پیغمبر صاحب کی نبوت کو دل سے سچ جانا اور حضرت کی دعوت کو دل سے قبول کیا اس کا نام مجتہد صاحب اسلام رکھیں یا ایمان سو بفضلہ تعالےٰ قاضی نور اللہ شوستری کے اقرار سے ثابت ہو گیا اور اگر مجتہد صاحب نے ایمان اور اسلام کے لفظوں میں اس نظر سے فرق کیا ہو کہ ایمان سے مراد تصدیق بالجنان ہے اور اسلام سے فقط اقرار باللسان اور ایمان سے ابو بکر صدیق رضی کے اس لئے انکار کیا کہ اُن کو پیغمبر صاحب کی نبوت پر تصدیق قلبی کا مرتبہ نہ تھا تو اُن کے تکذیب کے لئے اُن ہی کے شہید ثالث کا اقرار کافی ہے یعنی (ابو بکر بہ برکت خوابی کہ او دیدہ بود مسلمان شدہ بود) (دوم) ہم نے مانا کہ ایمان اور اسلام میں فرق ہے اور اس روایت سے شہید ثالث کا اسلام ابو بکر کا ثابت ہوتا ہے نہ ایمان لیکن ہم ابو بکر صدیق رضی کا ایمان بھی امیر المومنین علی مرتضٰی کے اقرار سے ثابت کرتے ہیں اور مجتہد صاحب کے تار و پود کو درہم و برہم کیے دیتے ہیں مومنین کو چاہیئے کہ اس کو ذرا دل سے سنیں اور اپنے بزرگوں کی بے خبری پر افسوس کریں کہ علامۂ حلی نے شرح تجرید میں لکھا ہے کہ (قال علیہ السلام یوماً علی المنبر انا الصدیق الاکبر انا الفاروق لاعظم اسلمت قبل ان اسلم ابو بکر و آمنت قبل ان آمن) کہ حضرت علی علیہ السلام نے ایک دن منبر پر یہ فرمایا کہ میں ہوں صدیق اکبر میں ہوں فاروق اعظم اسلام لایا قبل اسلام ابو بکر کے اور ایمان لایا قبل ایمان لانے ابو بکر کے پس علامۂ حلی نے حضرت علی کی زبان سے اسلام بھی ابو بکر کا اور ایمان بھی اُن کا ثابت کر دیا۔ اگر نور اللہ شوستری کے قول سے مجتہد صاحب کا قول باطل نہ ہوا تھا تو اب علی مرتضٰی کے قول سے اُن کا یہ قول کہ (خلیفہ اول از ایمان بہرہ نداشت) باطل ہو گیا (والحمد للہ علی ذلک) بلکہ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام اور ایمان کو ابو بکر رضی اللہ کے ایسی وقعت اور عزت اور شہرت تھی کہ حضرت علی نے فخریہ بیان کیا کہ میں اُن سے بھی پہلے ایمان اور اسلام لایا اگر موافق قول شیعوں کے ابو بکر صدیق رضی ایمان اور اسلام میں کامل نہ ہوتے یا معاذ اللہ منافق

ہوتے یا طمع دنیا سے ایمان لائے ہوتے تو حضرت علی اُن سے پیشتر ایمان لانے پر افتخار کیوں کرتے (سوم) اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ابوبکر صدیقؓ کے اسلام و ایمان کی نسبت جو علمائے امامیہ کا قول ہے کہ وہ صرف ظاہر میں اسلام لائے تھے اور کاہنوں کے کہنے سے بہ طمع خلافت مسلمان ہوگئے تھے وہ بالکل غلط ہے۔ لیکن قاضی صاحب کی شہادت سے جس میں اُنہوں نے ابوبکر صدیقؓ کو سابقین اولین میں بیان کیا اُن کے اگلے پچھلے جھوٹے ہوگئے اور یہ کوئی خیال نہ کرے کہ قاضی صاحب کے اس فقرے نے فقط اپنے علما اور مجتہدین کے قولوں کو باطل کیا بلکہ اپنے حضرت صاحب الامر کے قول کو بھی رد کردیا یعنی شیعوں کے امام مہدی صاحب کا بھی یہی قول ہے کہ ابوبکر صدیق دنیا کی طمع سے ایمان لائے تھے اور یہودیوں سے پیغمبر صاحب کی بادشاہت اور غلبے کا حال سُنا کرتے تھے پس موافق اُن کے کہنے کے ظاہر میں کلمہ گو ہوگئے تھے چنانچہ اس کو ملا باقر مجلسی نے بحارالانوار سے رسالہ رجعیہ میں بروایت شیخ صدوق محمد بن بابویہ قمی کے لکھا ہے کہ (اسلام ابوبکر طوعا بود امابرائے طمع دنیا زیراکہ ایشان باکفرہ یہود مخلوط بودند (الی قولہ) چون حضرت دعوی رسالت فرمود ایشان از روی گفتہ یہود بہ ظاہر کلمتین گفتند و در باطن کافر بودند) الغرض ان روایتوں سے اسلام اور ایمان ابوبکر صدیقؓ کا بخوبی ثابت ہوا اور جب ایمان اور اسلام ان کا بخوبی ثابت ہوا تو لصاحبہ کے لفظ سے یہ بھی بنص قرآن ثابت ہوا کہ وہ پیغمبر کے صاحب تھے اور پیغمبر صاحب کے اصحابوں کے جو فضائل اور درجات ہیں اور جن کو علمائے امامیہ بھی تسلیم کرتے ہیں اُن کے مصداق بھی ٹھہرے پس باوجود اس کے جو کوئی صحابیت سے انکار کرے اور اُن کے فضائل کو نہ مانے وہ منکر نص قرآنی ہے ؛

آٹھواں اعتراض آٹھویں فضیلت پر

ہم نے اُوپر بیان کیا ہے کہ لاتحزن ان اللہ معنا سے ثابت ہوتا ہے کہ جب ابوبکر صدیقؓ

ف یہ روایت بھی منجملہ ان روایتوں کے ہے جن سے اکثر کتابیں شیعوں کی بھری ہوئی ہیں اور جن کی بیہودگی اور رکاکت پر ہنسی آتی ہے ہم آئندہ جہاں حضرات شیخین کے ایمان لانے کا تفصیلی حال لکھیں گے۔ انشاء اللہ تعالےٰ اس روایت کو پورا نقل کرکے مومنین کو خوش کرینگے ۱۲ منہ عفا عنہ ؛

نے کفار کو درِ غار پر آپہنچتے دیکھا تو وہ بخیال اس کے کہ حضرت کو صدمہ نہ پہنچے اندوہگین ہوئے تب حضرت نے فرمایا کہ لاتحزن ان اللہ معنا کہ کچھ غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے اور معنا جس میں ضمیر جمع متکلم کی ہے اس لئے فرمایا کہ اُس معیت میں خدا کی ابوبکر بھی شریک ہوں پس پیغمبر صاحب نے ابوبکر کو بھی اُس معیت میں اپنے شامل کر لیا۔ اس پر امامیہ اعتراض کرتے ہیں۔ (اول) یہ کہتے ہیں کہ حزن ابوبکر کا طاعت تھا یا معصیت اگر طاعت تھا۔ تو پیغمبر خدا کا طاعت سے منع کرنا ثابت ہوتا ہے اور اگر معصیت تھا تو عصیان ابوبکر ثابت ہوا (دوسرے) ابوبکر کو خدا اور اُس کے رسول کے قول پر یقین نہ تھا اور باآنکہ اپنی آنکھ سے غار میں بہت سی نشانیاں حفاظت کی دیکھیں مثل کبوتروں اور عنکبوت وغیرہ کے مگر تب بھی اُن کو یقین حفاظت پر نہ ہوا اور خوف کے مارے زور زور سے رونا شروع کیا اور ہر چند پیغمبر خدا نے جھجھکارا اور بزجر و توبیخ باز رکھنا چاہا مگر وہ رونے اور چلانے سے باز نہ رہے (تیسرے) ابوبکر کا رونے اور چلانے سے یہ مقصد تھا کہ کفار آواز سن لیں۔ اور پیغمبر صاحب کو گرفتار کریں اور اسی واسطے حضرت اُن کو سمجھاتے اور رونے سے باز رکھتے تھے لیکن وہ باز نہ رہتے تھے اور اپنی بدنیتی اور فساد باطنی کو رونے کے پیرایے میں ظاہر کرنا چاہتے تھے بلکہ بعض دانشمندوں نے اس قدر اور بڑھا دیا ہے کہ جب ابوبکر کا رونے سے کام نہ نکلا اور کافروں نے اُن کی آواز نہ سُنی تب اُنہوں نے اپنا پاؤں غار سے باہر کر دیا کہ کفار دیکھ لیں اور غار کے اندر گھس آویں کہ اُسی وقت خدا کے حکم سے سانپ نے اُن کے پاؤں میں کاٹا اور بمجبوری اُنہوں نے اپنا پاؤں اندر کھینچ لیا (چوتھے) جب ابوبکر کا مطلب پاؤں کے باہر کرنے سے بھی حاصل نہ ہوا یعنی کافروں نے آکر حضرت کو غار میں سے نہ پکڑا تب اور طرح سے پیغمبر خدا کو تکلیف دینا شروع کیا یعنی حضرت علیؓ کی یاد کرنے لگے اور اُن کی تنہائی پر اپنا رنج ظاہر کرنے لگے۔ تب پیغمبر خدا نے فرمایا۔ کہ لاتحزن کہ اے ابوبکر اپنا رنج علیؑ کی تنہائی پر ظاہر نہ کر ان اللہ معنا خدا ہمارے اور علیؑ کے ساتھ ہے (پانچویں) ان اللہ معنا سے دو معنی مراد لیتے ہیں ایک یہ کہ خدا ہمارے اور علیؑ کے ساتھ ہے دوسرے یہ کہ ابوبکرؓ سے پیغمبر خدا نے کہا کہ خدا ہمارے ساتھ ہے یعنی ہماری نیکی پر اور تمہاری بدی پر مطلع ہے ہم کو نیکی کا صلہ اور تم کو بدی بدلہ دیگا۔ ان تقریروں کو سُن کر ہر شخص محو حیرت ہوگا۔ اور زانو سے تحیر سے سر نہ اُٹھائے گا اور تعجب

کریگا کہ یہ اعتراض ہے یا مجنونوں کی بڑ ہے جواب ہے یا دیوانوں کی جھک ہے بلکہ جو
لوگ عقل و دانش رکھتے ہیں اُن کو تو یقین ہی اس پر نہ ہوگا کہ یہ تقریریں کسی عالم یا مجتہد
کی زبان سے نکلی ہونگی - مگر جس کسی کو شک ہو وہ احقاق الحق اور مجالس المؤمنین وغیرہ کو
کھول کر دیکھے کہ انہی تقریروں کو شہید ثالث نے کس آب و تاب سے لکھا ہے اور ملا خضر
مشہدی نے ان تقریروں پر کیسا فخر کیا ہے اور صاحب تقلیب المکائد نے بجواب تقریر
خاتم المحدثین کے اسی پر کیسا کچھ ناز کیا ہے بلکہ مولانا صاحب پر بڑا طعنہ کیا ہے کہ اُنہوں
نے قاضی نور اللہ شوستری کی تقریروں کو بعینہٖ نقل نہیں کیا اور ان لفظوں سے اپنا غصہ
ظاہر کیا ہے کہ (ناصبی را می بایست کہ این عبارت جناب قاضی را نقل می کرد و بران آنچہ
می تو انست وارد می کرد تراشیدن تقریری از طرف خود و نسبت دادن بہ طرف شیعان
و بعد از ان بجواب آن مشغول شدن از اعظم مکائد این ناصبی ست) اب ہم اُن تقریروں
کا خلاصہ تو لکھ چکے اصل عبارت کو بھی لکھتے ہیں اور نہایت ادب سے خدمت میں حضرات
شیعہ کے عرض کرتے ہیں کہ وہ ذرا انصاف فرمائیں کہ یہ تقریریں ایسی ہیں کہ اُن پر کوئی ناز کرے
یا ایسی ہیں کہ اُن سے شرمائے ہمارے نزدیک اگر کسی دانشمند یا صاحب حیا و شرم کی طرف
ایسی تقریروں کو کوئی منسوب کرے تو ضرور وہ اُس نسبت کو اپنا عار و ننگ سمجھے گا اور ایسی
پوچ اور بیہودہ باتوں کے انتساب سے شرمائے گا معلوم نہیں کہ قاضی صاحب اور ملا صاحب
نے ان تقریروں میں کونسے مضامین حکیمانہ درج کئے ہیں اور کیسے جواہر بیش بہا اُن میں
رکھے ہیں جن پر ان کو اور اُن کے مقلدین کو اس قدر ناز و افتخار ہے ہم تو ان میں ایک بات

لہ و ہو ہذہ و کیف یتوہم حصول منقبتہ فی حضور الغار و قد ظہر فی الغار خطاءہ ذلک لانہ لما دخل فی الحرز الحریز و
المکان المصون بحیث یامن اللہ تعالے علی نبیہ مع ما یظہرلہٗ من الایات من تعشیش الطائر و نسج العنکبوت علی انہ لم یظن
السلامۃ و لا صدق بالآیۃ و اظہر الحزن و المخافۃ حتی غلبہ بکایہ و تزائد قلقہ و اترعاجہ و یلی النبی فی تلک الحال الی
مقاساتہ و دفع الی مداراتہ و نہاہ عن الحزن و زجرہ و نہی النبی لا یتوجہ فی الحقیقۃ الا الی المزجر عن القبیح و لا سبیل الی
صرفہ الی المجاز بغیر دلیل لا سیما و قد ظہر من جزعہ و بکائہ ما یکون من مثلہ فساد الحال فی الاخفاء فہو انما نہی عن تندنام
دفع منہ و لو سکن نفسہٗ الی ما وعدہ اللہ تعالے نبیہ و صدقہ فیما اخبر بہ من نجاۃ لم یحزن حیث ان یکون امنہ و لا اترعج قلبہ
فی الموضع الذی یقتضی سکونہ فافضلیتہ فی الغار لیفتخر بہا لابی بکر لو لا المکابرۃ و اللداد و ہذا انتہی ۱۲

ہی ایسی نہیں پاتے جو بیہودگی سے خالی ہو اور ایک لفظ بھی ایسا نہیں دیکھتے جو سفاہت اور رکاکت سے محفوظ ہو ؛ شعر

زبائی تا بسرش ہر کجا کہ مے نگرم کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

ہمارے نزدیک تو شاہ صاحب قدس اللہ سرہ نے بڑا احسان قاضی صاحب اور ملا صاحب پر کیا تھا کہ اُن کی تقریروں کو بلفظ نقل نہ کیا اور فضیحت اور رسوائی سے ان کو بچایا لیکن چونکہ حضرات امامیہ کو اُن کی تشہیر ہی منظور ہے اس لئے اب ہم نے بمجبوری اُن کو نقل کر دیا - اگرچہ ہم کو ایسی بیہودہ تقریروں کے جواب میں لکھنا اوقات کو ضائع کرنا ہے مگر تنبیہاً للسفہاء کچھ لکھتے ہیں بہ نسبت پہلے اعتراض کے کہ تحزن ابوبکرؓ کا طاعت تھا یا معصیت اگر طاعت تھا تو پیغمبر صاحب نے کیوں منع کیا اور اگر معصیت تھا تو ابوبکر کا گنہگار ہونا خدا کی کتاب سے ثابت ہوا - جواب الزامی یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے جو خطاب حضرت موسیٰؑ سے کیا ہے کہ لَاتَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی اور حضرت لوطؑ سے فرمایا ہے - کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْکَ وَاَہْلَکَ اور پیغمبر خدا سے فرمایا ہے کہ لَا یَحْزُنْکَ قَوْلُہُمْ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت لوطؑ کو خوف تھا اور پیغمبر خدا کو کافروں کی باتوں سے رنج ہوتا تھا خدا نے اُن کے اطمینان اور تسلی کے لئے لَاتَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ فرمایا پس ہم شیعیان پاک سے پوچھتے ہیں کہ اُن پیغمبروں کا خوف طاعت تھا یا معصیت اگر طاعت تھا تو خدا کا طاعت سے منع کرنا ثابت ہوتا ہے اگر معصیت تھا تو انبیاء معصومین کا گنہگار ہونا ثابت ہوتا ہے پس جو کچھ وہ اس کا جواب دینگے وہی ہماری طرف سے سمجھیں - ان کے جواب میں قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المؤمنین میں بضمن حکایات مفیدہ شیخ مفید کے بجواب تقریر ابوالحسن خیاط رئیس معتزلہ کے لکھا ہے کہ انبیاء کی عصمت بدلیل عقلی ثابت ہے - اس لئے جو نہی اُن کی نسبت ہے اُس سے ظاہری معنی مراد نہیں ہو سکتے اور ابوبکر کی عصمت ثابت نہیں اس لئے جو نہی اُن کی شان میں ہے اُس کے ظاہری معنی مراد ہیں -

وہذہ عبارتہ مضمون آن آیات نہی ست لیکن انبیاء را از ارتکاب قبیحی کہ فاعل آن مستحق ذم می شود بواسطۂ دلیل عقلی کہ بر عصمت انبیاء و اجتناب الشان از گناہاں قایم گشت - موجب عدول از ظاہر شدہ از ظواہر آن آیات عدول می کنیم و ہر گاہ اتفاق حاصل باشد در آنکہ ابوبکر معصوم نہ بود واجب ست کہ اجرای نہی کہ در شان آن واقع شدہ بر ظاہر

آن کہ قبح حال ابوبکر ست بماند) بجواب اس کے ہم یہ کہتے ہیں کہ خوف کو معصیت میں شمار کرنا ہی غلط ہے اور انبیاء نے جو خوف کیا اور خدا نے اُن کو اُس سے مطمئن کیا اُس نہی کو بلاضرورت ظاہر سے عدول کرنا ہی لغو ہے بلکہ خوف کو معصیت قرار دے کر عمداً انبیاء پر تہمت کرنا ہے اور جو فرقہ انبیاء کی عصمت کا قائل نہیں ہے اس کو تقویت دینا ہے۔ حالانکہ خوف منجملہ اُن امور بشریت کے ہے جن سے کسی بشر کو خواہ وہ نبی ہو خواہ امام ہو خواہ ولی ہو چارہ نہیں اور اُس پر خدا کی طرف سے بھی مواخذہ نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ اور ہارون کو حکم ہوا کہ فرعون کو جا کر سمجھاؤ اور اُس کو دعوتِ ایمان کی کرو تو انہوں نے خوف کیا اور یوں کہا کہ رَبَّنَا اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَا اَوْ اَنْ یَّطْغٰی کہ خداوندا ہم کو خوف ہوتا ہے کہ کہیں ہم پر وہ زیادتی نہ کرے تب اللہ نے مطمئن کیا اور فرمایا کہ لَا تَخَافَا اِنَّنِیْ مَعَکُمَا کہ کچھ خوف نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں پس ذرا غور کرنے کا مقام ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ باوجود نبوت کے خوف کریں اور خدا کی طرف سے اس خوف پر اُن کو عتاب نہ ہو۔ اور اُن کی نبوت میں فرق نہ آئے تو اگر حضرت ابوبکر صدیق نے جو بالاتفاق نہ نبی تھے نہ معصوم خوف کیا تو کیا گناہ کیا۔ بلکہ جس طرح خدا نے حضرت موسیٰؑ اور ہارون کو اِنَّنِیْ مَعَ کُمَا کہہ کر مطمئن کر دیا۔ اسی طرح پیغمبر خدا نے اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فرما کر ابوبکرؓ کو مطمئن کر دیا۔ ہم کو شہید ثالث کی سمجھ پر نہایت تعجب آتا ہے کہ ابوبکر صدیقؓ کے محزون اور مغموم اور خائف ہونے سے خوف کو بھی گناہوں میں داخل کر دیا اور ایک ابوبکر کے ذمے گناہ ثابت کرنے کے لئے تمام پیغمبروں کی نسبت معاصی کا الزام لگایا اور بلاضرورت الفاظ خوف کو اُن کے حقیقی ظاہری معنی سے عدول کیا لیکن جب کہ جابجا قرآن میں الفاظ خوف کے انبیاء کی نسبت وارد ہیں اور مفسرین نے اُن کے ظاہری معنی مراد لئے ہیں اور کسی نے خوف کو معصیت اور گناہ اور نقص میں شمار نہیں کیا ہے تو ایک شہید ثالث کے کہنے سے کچھ نہیں ہو سکتا چنانچہ آیہ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً کی تفسیر میں علامہ طبرسی نے جو محققین شیعہ سے ہیں لکھا ہے کہ (فلما امتنعوا عن الاکل خاف منهم وظن انهم یریدون سوءاً فقالوا ای قالت الملائکة لا تخف یا ابراہیم) کہ جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم کے ساتھ کھانا نہ کھایا تو وہ ڈرے اور گمان کیا۔ کہ کہیں یہ لوگ کچھ بدی سے پیش نہ آئیں تب ملائکہ نے کہا کہ اے ابراہیم کچھ خوف نہ کرو اور ہم سے نہ ڈرو ہم آدمی نہیں ہیں پس خوف دور کرنے کے لئے جو کلمات تشفی اور تسلی کے بہ لفظ

لَاتَخَفْ یا لَاتَحْزَنْ کلام الٰہی یا احادیث نبوی میں مذکور ہیں اُن کو از قبیل اُس نہی کے تصویر کرنا جو ارتکاب معاصی کے منع کے لئے مستعمل ہیں بڑی غلطی ہے ورنہ اگر یہ امر تسلیم کر لیا جائے کہ جہاں لفظ لَا کا جو حرف نہی کا ہے استعمال کیا جائے وہاں مراد نہی عن المعصیت ہو یا جہاں کسی شئے کی نہی بیان ہو اُس سے اُس کا وقوع ہونا بھی ضروری سمجھا جائے۔ تو ہزاروں آئمہ کرام پر ایسے وارد ہونگے کہ سوائے اُن کی عصمت کے دوسرا جواب حضرات امامیہ سے بن نہ پڑے گا مثلاً علل الشرائع میں لکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ (یا علی لاتتکلم عند الجماع ولاتنظر الی فرج امرأتک ولاتجامع امرأتک بشہوۃ امراۃ غیرک) کہ اے علی نہ کلام کر وقت جماع کے اور نہ دیکھ اپنی عورت کی شرمگاہ کو اور نہ صحبت کر اپنی بی بی سے اور کسی عورت کی شہوت پر۔ پس اگر کوئی پوچھے کہ حضرت علی رضؓ یہ کام کرتے تھے یا نہ کرتے تھے۔ اگر نہ کرتے تھے تو وہ قاعدہ باطل ہوا جاتا ہے کہ نہی شئے وقوع شئے پر دال ہے اور اگر کرتے تھے تو وہ فعل طاعت تھا یا معصیت اگر طاعت تھا تو پیغمبر خدا نے کیوں منع کیا اگر معصیت تھا تو امام معصوم کا گنہگار ہونا ثابت ہوا اگر کوئی یہ جواب دے کہ امام معصوم ہوتے ہیں اس لئے اس نہی کو اگرچہ نہی عن المعصیت ہے (از ظاہر آن عدول میکنیم)، تو ہم بھی بمجبوری یہ کہنے لگیں گے کہ ابوبکر صدیق بھی محفوظ تھے اس لئے ہم بھی نہی لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کو از ظاہر آن عدول می کنیم اے یارو ایسی صریح اور صاف بات کو عناد اور عداوت سے کیوں معما اور پہیلی بنائے دیتے ہو اور سیدھی سچی بات کو کس لئے مشکل کئے دیتے ہو ذرا انصاف کرو کہ اگر کوئی دوست کسی دوست پر صدمہ پہنچنے سے رنج کرے اور وہ دوست اُس کو مطمئن کرے اور کہے کہ کچھ خوف نہ کر اللہ ہمارا مددگار ہے تو یہ کہنا از روئے تشفی اور تسلی کے ہے یا از قسم زجر و توبیخ کے۔ اگر تشفی اور تسلی کے قسم سے ہو تو لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کو بھی اُس قسم سے سمجھو خدا کی آیتوں کی تحریف لفظی نہ کرو اور یہ خیال نہ کرو کہ نہی کے حرف کا استعمال واسطے منع اور زجر و توبیخ کے ہوتا ہے بلکہ واسطے ترحم اور شفقت کے بھی ہوتا ہے چنانچہ اگر قرآن مجید کے لفظوں پر کوئی غور کرے تو اُس کو خود معلوم ہو جاوے گا کہ اکثر جگہ خدا نے پیار اور محبت میں بھی حرف نہی کا استعمال کیا ہے چنانچہ پیغمبر خدا سے فرماتا ہے کہ لَاتُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ کہ بہت جلدی زبان نہ کھول دیا کر اور میرے کلام کو پورا سن لیا کر۔ اور دوسرے مقام پر فرماتا ہے کہ فَلَا تَذْہَبْ نَفْسُکَ عَلَیْہِمْ

حسرات کہ لوگوں کے پیچھے تیری جان نہ جاتی رہے تو اُن کے لئے اپنی جان نہ دے تو کیا
اِن کلمات کو بھی قاضی صاحب زجر و توبیخ کے کلمے سمجھیں گے اور تحریک لسان اور ذہاب نفس
کو معصیت اور ذم تصور کر کے بلحاظ عصمت حضرت کے ظاہر سے عادول کرینگے اور اگر ان
کلمات کو رحمت اور شفقت پر محمول کرینگے تو اپنے دعویٰ کی سفاہت کے قائل ہوں گے۔
(اعتراض دوسرا) کہ ابوبکرؓ کو خدا اور رسول پر کچھ یقین نہ تھا اس لئے باوجود دیکھنے بہت
سی نشانیوں حفاظت کے وہ رونے اور ہائے ہائے مچانے لگے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ
ہائے ہائے کرنا اور زور زور سے چلانا ابوبکر صدیق کا کسی طرح پر ثابت نہیں ہے اس
لئے کہ قرآن مجید سے تو حزن کرنا ثابت ہوتا ہے اور حزن کے معنی نوحہ اور فریاد کے نہیں
ہیں اگر کوئی خاص لغت کی کتاب حضرات امامیہ کی ایسی ہو کہ جو الفاظ صحابۂ کبار کی شان
میں ہوں اُن کے کچھ معنی ہی علٰحدہ اُس میں لکھے ہوں تو ہم نہیں جانتے ورنہ حزن کے معنی
غم کے ہیں نہ ہائے ہائے مچانے اور زور سے چلانے کے جس کو نور اللہ شوستری نے احقاق
الحق میں لکھا ہے کہ (حتی غلبتہ بکائہ و تزائد قلقہ واتر عاجہ) علاوہ اس کے خود مفسرین
امامیہ کی تفسیر پر خیال کرنا چاہیئے کہ انہوں نے حزن کے کیا معنی لکھے ہیں پس مفسر کاشانی
نے خلاصۃ المنہج میں اس کا ترجمہ کیا ہے کہ (چون گفت پیغمبر یار خود را اندوہ مخور) اور علامۂ
طبرسی نے فرمایا ہے (لَا تَحْزَنْ ای لَا تَخَفْ) پس ہم کو سراسر حیرت ہے کہ قاضی صاحب نے
حزن کے معنی نوحہ و فریاد کے کہاں سے نکالے اور یہ امر کہ خوف مقتضائے بشریت ہے
اور انبیا اور آئمہ کو بھی ہوا ہے اور معصیت نہیں ہے ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں اور اب
پھر ثابت کرتے ہیں کہ حضرت[1] موسیٰ نے خود اللہ جل شانہ سے کہا کہ اَخَافُ اَنْ یَقْتُلُوْنِ کہ میں

[1] واضح ہو کہ حضرت موسیٰؑ نے ایک ہی مرتبہ خوف نہیں کیا بلکہ چند مرتبہ چنانچہ جب اول اول حضرت موسیٰؑ نے
غیب سے آواز انا اللہ کی سُنی تب خوف زدہ ہو گئے کہ خدا نے فرمایا لَا تَخَفْ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ بعدہ جب
ساحران فرعون سے مقابلہ ہوا اور جادوگروں نے اپنی رسیوں کو سانپ کی شکل پر دکھلایا تب بھی حضرت موسیٰؑ
ڈر گئے کہ خدا اس کی خبر دیتا ہے کہ فاوجس فی نفسہ خیفہ۔ آخر خدا نے خوف دور کرنے کے لئے کہا کہ لا تخف
انک انت الاعلٰے حالانکہ خدا نے حضرت موسیٰؑ سے وعدہ کر لیا تھا کہ انتما ومن اتبعکما الغالبون کہ تم اور تمہارے
متابعین غالب ہونگے اور جب حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور اُس کے لشکر سے خوف قتل کا کر کے خدا سے کہا تھا۔

ڈرتا ہوں کہ کہیں فرعون اور اُس کے لشکری مجھے قتل نہ کر ڈالیں تب خدا نے فرمایا کہ لَاتَخَفْ اِنَّکَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ کہ ہرگز اس کا خوف نہ کر تو امن و امان میں رہے گا بلکہ علمائے امامیہ نے حضرت موسیٰؑ کے خائف ہونے کا ایسے موقع پر اقرار کیا ہے کہ نہ اُس سے انکار کر سکتے ہیں۔ نہ اُس کی تحویل کر سکتے ہیں چنانچہ جو دلیل حضرت علی رضؓ کی حضرت موسیٰؑ سے افضل ہونے پر بیان کی ہے اُس میں یہی تقریر کی ہے کہ حضرت موسیٰؑ جب مصر سے مدین کو جاتے تھے تب وہ خائف اور ہراسان تھے۔ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ اور حضرت علی رضؓ ہجرت کی رات کو بے خوف پیغمبر کے بستر پر بفراغ خاطر سوتے تھے اگر کچھ بھی خوف ہوتا تو ہرگز ان کو نیند نہ آتی اور اگر اس پر بھی حضرات شیعہ کی خاطر جمع نہ ہو۔ اور ابوبکر صدیقؓ پر خوف و ترس کے الزام لگانے سے باز نہ آئیں تو ہم اُن کے اقرار سے خود پیغمبر خدا کا خائف ہونا ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ صاحب تقلیب المکائد کید ہشتاد و ہفتم کے جواب میں فرماتے ہیں کہ (اگر خوف قتل و قتال نہ بود پیغمبر خدا چرا مخفی بیرون رفت و حال آنکہ سبب ہجرت فرمودن رسول خدا محض خوف قتل بود) بارِ خدایا سمجھ میں نہیں آتا کہ علمائے شیعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حزن و خوف کو کس طرح اُن کے عدم یقین پر محمول کرتے ہیں جبکہ انبیا و مرسلین کے حزن و خوف کا خود اقرار کرتے ہیں اور خاص سید الانبیا کی ہجرت کا سبب محض خوف قتل کہتے ہیں۔ ہمارے عقیدے کے موافق ابوبکر صدیقؓ حضرت موسیٰؑ سے افضل نہ تھے کہ خائف نہ ہوتے پیغمبر خدا سے زیادہ اطمینان اُن کو نہ تھا کہ قتل و قتال سے نہ ڈرتے یہ عقیدہ تو حضرات شیعہ کا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو خائف بتلائیں پیغمبر خدا کی نسبت قتل و قتال کے خوف سے نسبت دینے کو عیب نہ جانیں لیکن حضرت علی رضؓ کی نسبت خوف کا خیال بھی نہ کریں اور اُن کے تقیے کو ہتک آبرو کے خوف کا سبب سمجھیں جیسا کہ تقلیب المکائد کا مؤلف لکھتا ہے (تقیہ بجہت خوف ہلاکت جان خود نہ بود بلکہ بہ جہت خوف ہتک عرض و ناموسش بود و الیٰ قولہ کہ دانستی کہ خوف حضرت

بقیہ نوٹ صـ۷۱ :- کہ اخاف ان یقتلون کہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ قتل نہ کریں۔ تب بھی خدا نے لَاتَخَفْ کہہ کر مطمئن کر دیا تھا تو باوجود ایسے وعدہ ہائے الٰہی کے حضرت موسیٰؑ کے خوف اور اندیشے کا کوئی محل نہ تھا۔ پس اگر فقط خوف عدم رضاء و عدہ الٰہی پر ہووے تو ہزار درجہ صدیق اکبرؓ سے بڑھ کر حضرت موسیٰؑ پر ہو سکتا ہے اور جس قدر شیعیان علی صدیق اکبر پر طعنہ کرتے ہیں اُس سے زیادہ منکرین نبوت پیغمبروں پر طعنہ کر سکتے ہیں و نعوذ باللّٰہ من ذٰلک ۱۲ منہ

امیرالمومنین نہ از ہلاکت جان بود بلکہ خوف ہتک عرض وناموس) غرض کہ ان سب روایتوں کے دیکھنے سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ الزام خوف کا ابوبکر صدیقؓ پر کسی طرح عائد نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اگر یہ کہا جاوے کہ اُن کو قتل و قتال کا خوف تھا تو ایسا خوف باقرار علماے شیعہ انبیاء کو بھی ہوا ہے اور اگر یہ کہا جاوے کہ اُن کو قتل و قتال کا خوف نہ تھا بلکہ ہتک آبرو کا تو اس کا خوف حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰ کو بھی ہوا ہے جو باعتقاد شیعہ سب نبیوں سے افضل اور سب پیغمبروں سے بہتر تھے الحاصل قرآن مجید کی آیتیں اور آئمہ کی حدیثیں اور علماے امامیہ کے اقوال اس پر شاہد ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ سے پیغمبر جو خدا کے خلیل تھے اور حضرت موسیٰؑ سے نبی جو خدا سے باتیں کیا کرتے تھے اور حضرت سیدالانبیاء علیہ التحیتہ والثنا سے رسول جو خدا کے خاص محبوب تھے اور حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰؑ سے امام جو پیغمبر کے وصی اور خدا کے شیر تھے اور سب پیغمبروں سے افضل اور بہتر تھے قتل و قتال کے خوف اور عزت اور آبرو کے خوف اور ڈر سے محفوظ نہیں رہے تو اگر ابوبکر صدیق بھی خوف و ترس سے نہ بچے ہوں تو کیا عجب ہے۔ لیکن ہم کو نہایت تعجب آتا ہے علمائے شیعہ سے کہ اُنہوں نے ابوبکر صدیقؓ کے ایک شب کے خوف پر اس قدر زبان درازی کی اور اُن کے خوف کو اُن کے کفر و نفاق کا نتیجہ سمجھا۔ باوجودیکہ اُن کا عقیدہ ہے کہ تمام آئمہ کرام اول سے آخر تک پیدائش کے زمانے سے موت کے وقت تک ہر ساعت و ہر لحظہ خوف میں رہے اور امام اول سے لے کر امام آخرالزمان تک سب کے سب تقیہ کرتے رہے ایک بھی آئمہ اثناعشر سے ایسا نہیں ہوا کہ جس کی عمر خوف و ترس میں نہ گذری ہو اور ایک لحظہ بھی خوف سے مہلت پائی ہو۔ آخر تقیہ جس کی بنا سراسر خوف پر ہے ایمان کا جزو اعظم قرار دیا گیا اور (التقیۃ دینی و دین آبائی) امامت کا کلمہ مقرر کیا گیا۔ پس جب کہ آئمہ کرام باوجودیکہ موت و حیات اُن کے اختیار میں کہ جب تک چاہیں زندہ رہیں ملائکہ اُن کے حکم میں کہ جو چاہیں وہ کریں نگاہ میں اُن کی وہ تاثیر کہ اگر پہاڑ کی طرف دیکھیں تو وہ بھی پھٹ جاوے بازو میں اُن کے وہ قوت کہ اگر ایک ہاتھ اُٹھاویں اسی ہزار جن قتل ہو جائیں علم کا وہ حال کہ جو کچھ ہوا اور ہوگا سب سے آگاہ اور جو کچھ گذرا اور گذرے گا سب سے واقف۔ اعجاز کی یہ کیفیت کہ عصا ہاتھ سے گرادیں اژدہا ہو جاوے کفار اور منافقین کی طرف اشارہ کریں ایک دم میں سب کو نگل جائے اور پھر باوجود ایسی قدرت اور طاقت اور اعجاز

کے تمام عمر خوف اور ترس میں رہیں اور اپنی امامت کا دعوے تک نہ کریں جان و آبرو کے ڈر سے کسی سے سچ بات نہ کہیں اگر کسی اخص خواص سے کوئی راز کی بات کہنے کو ہوں تو دروازے بند کرلیں ڈرتے ڈرتے اپنے شاگردوں کو علوم دینی کی تعلیم دیں اور اگر ایک ناصبی سامنے آجاوے تو انکار کرجاویں اپنے خاص احباب پر لعنت اور تبرا کرنے لگیں۔ اور حضرات شیعہ اُن کے خوف و ترس کچھ بھی طعنہ نہ کریں اور اُن کی امامت اور فضیلت پر اس سے کوئی شبہہ نہ لائیں بلکہ اُس خوف کو بہترین عبادت سمجھیں اور تقیے کو آئمہ کرام کا دین سمجھیں اور ابوبکر صدیقؓ کے ایک شب کے خوف پر اس قدر زبان درازی کریں اور اُن کے خوف و ترس کو اُن کے کفر و نفاق کی دلیل سمجھیں باوجودیکہ نہ ابوبکر صدیقؓ کے اختیار میں موت و زندگی تھی نہ ملائکہ اُن کے تابع فرمان تھے نہ علم ماکان و مایکون اُن کو حاصل تھا نہ اتنی ہزار جن کے قتل کردینے کی اُن کو طاقت تھی۔ معلوم نہیں۔ کہ حضرات شیعہ نے آئمہ کرام کے خوف میں اور ابوبکر صدیقؓ کے حق میں نقص و عیب مصرعہ بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ لیکن اگر ہم شیعوں کے عقیدے کے موافق خوف کو انبیا اور آئمہ کی نسبت بہ سبب معصوم اُن کے کے ظاہر سے عدول کریں اور ان آیات کی نسبت جن سے خوف اُن کا ثابت ہوتا ہے (از ظواہر آن عدول می کنم) کہیں تو بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا اس لئے کہ علاوہ انبیاء کے خدا کے کلام سے مومنین کا بھی خائف ہونا ثابت ہوتا ہے چنانچہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے:۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا ہمارا پروردگار ہے اور پھر مضبوط رہتے ہیں اُن پر ملائکہ یہ کہتے ہوئے نازل ہوتے ہیں کہ لَا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا کہ کچھ خوف نہ کرو اور کچھ حزن نہ کرو پس اس سے اُن مومنین کا جو اپنے ایمان پر نہایت مضبوط ہوتے ہیں خائف اور محزون ہونا ثابت ہوا اور پھر ایک دوسری جگہ پر اللہ جل شانہ مومنین سے فرماتا ہے کہ وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کہ کچھ غم نہ کرو تمہیں کو غلبہ ہوگا۔ پس معلوم نہیں ان آیتوں میں جو مومنین کی نسبت لفظ لَا تَحْزَنُوْا کا ہے یہ بھی زجر و توبیخ کے واسطے ہے یا تسلی اور تشفی کے لئے پس یہ تو ظاہر ہے کہ قاضی صاحب بھی اس کا اقرار نہ کرینگے کہ یہاں بھی زجر و توبیخ کے لئے ہے۔ بلکہ یہی فرمائیں گے کہ تسلی اور تشفی کے لئے تو پھر ہم نہیں سمجھتے کہ ابوبکر صدیقؓ کی شان میں جو لفظ

لاتحزن کا ہے اُس کو کس طرح زجر و توبیخ کے لئے بیان کرتے ہیں تعجب کی بات ہے کہ ایک ہی کلمہ لاتحزن ہزار جگہ واسطے تسلی اور تشفی کے استعمال کیا جائے اور ایک جگہ واسطے زجر و توبیخ کے ہاں اگر کوئی قرینہ عتاب و خفگی کا پایا جاتا تو ہم تسلیم کرتے کہ ابوبکر صدیقؓ کی نسبت کلمۂ لاتحزن واسطے زجر و توبیخ کے ہے سو وہ بھی نہیں اس لئے کہ جس طرح مومنین کی نسبت خدا نے فرمایا کہ لَاتَحْزَنُوْا اور آگے بیان کیا کہ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ کہ کچھ غم نہ کرو تمہارے واسطے بہشت موجود ہے یا ارشاد کیا کہ لَاتَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کہ کچھ غم نہ کرو تمہیں کو غلبہ ہوگا اُسی طرح ابوبکر صدیقؓ سے بھی پیغمبرؐ نے فرمایا کہ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کچھ غم نہ کرو خدا ہمارے تمہارے ساتھ ہے پس بظاہر دونوں میں کچھ فرق پایا نہیں جاتا اس لئے اگر ان آیتوں میں لاتحزنوا واسطے تسلی اور تشفی کے ہے تو اس آیت میں بھی تسلی کے لئے ہے اور اگر وہاں واسطے زجر و توبیخ کے ہے تو یہاں بھی لیکن باوجود اتحاد الفاظ اور تطابق قراین کے لاتحزنوا کو اُن آیتوں میں تسلی پر اور یہاں عتاب پر محمول کرنا موجب ہزار حیرت اور باعث صد ہزار تعجب ہے لیکن ہم حضرات شیعہ کو معذور سمجھتے ہیں کہ اگر الفاظ قرآنی سے اُن کے حقیقی معانی مراد لیں تو صدیق اکبرؓ کی صدیقیت کا اقرار کرنا پڑتا ہے اگر اقرار کریں تو مذہب ہاتھ سے جاتا ہے پس بجز اس کے کہ قرآن کی تحریف معنوی کریں اور کلام اللہ کے لفظوں کے نئے نئے معنی بناویں اور کچھ چارہ نہیں ہے ؛ **شعر**

دست بیچارہ چون بجان نہ رسد ۔۔۔ چارہ جز پیرہن دریدن نیست

اگر اس پر بھی حضرات شیعہ کے دلوں میں کچھ خطرہ رہ جاوے اور کوئی دانشمند یہ کہنے لگے کہ ہم نے مانا کہ خوف گناہ نہیں اور لاتحزن تسلی کا کلمہ ہے لیکن اتنا تو بھی ثابت ہوا کہ ابوبکر صدیقؓ کو کامل یقین پیغمبر صاحب کے وعدے پر اور خدا کی حفاظت پر نہ تھا ورنہ کسی طرح اُن کو خوف نہ ہوتا اس کا یہ جواب ہے کہ خود حضرات شیعہ کا اقرار ہے کہ پیغمبر خدا بار بار ابوبکر صدیقؓ پر خفا ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ چپ رہو راز کو فاش نہ کرو۔ اور وہ نہ مانتے تھے پس شیعوں کی طرح ہر ایک ملحد کہہ سکتا ہے کہ پیغمبر صاحب کو بھی اپنے خدا کے وعدے پر اور حفاظت پر یقین نہ تھا ورنہ جو بات افشائے راز کی کرتے تھے اُس سے پیغمبر صاحب نہ گھبراتے اور بار بار ابوبکر پر راز کے افشا کرنے پر خفا نہ ہوتے۔ پس جو اُس ملحد کو حضرات شیعہ جواب دیں وہی ہماری طرف سے قبول فرمائیے۔ لیکن

اگر کوئی ذرا بھی غور کرے تو موافق اصول اور عقائد شیعوں کے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نسبت حزن وخوف کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا اس لئے اگر وہ اقرار کریں کہ ابوبکر صدیقؓ حقیقت میں خائف تھے تو ہم پوچھتے ہیں کہ اُن کو اپنی جان کا اندیشہ اور اپنے اوپر تکلیف پہنچنے کا ڈر تھا۔ یا پیغمبر صاحب کے ایذاء ومصیبت کا خوف۔ اگر اُن کو اپنی جان کا خوف تھا تو یہ قول باطل ہوا جاتا ہے کہ وہ دشمنوں سے ملے ہوئے تھے اور راز فاش کرنا چاہتے تھے اس لئے کہ اگر وہ کافروں سے ملے ہوئے ہوتے تو پھر اُن سے اُن کو کیا ڈر ہوتا اور اگر کافروں سے ملے ہوئے نہیں تھے بلکہ اُن کو کافروں کی طرف سے خیال اپنے اوپر ایذا پہنچنے کا تھا تو اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کفار بسبب ایمان اور رفاقت پیغمبر کے ابوبکر صدیقؓ سے ایسی دشمنی رکھتے تھے کہ اُن کے قتل کے درپے تھے تو اس سے وہی بات ثابت ہوئی جس کا ہم دعویٰ کرتے ہیں (دوسرے) یہ کہ کبھی ابوبکر صدیق کا ارادہ راز فاش کرنے کا نہ تھا اس لئے کہ جن لوگوں سے خود ان کو خوف تھا اور جن کے ڈر سے غار میں چھپے ہوئے تھے اُن ہی پر اپنا راز ظاہر کرتے اور اپنے آپ کو معرضِ ہلاکت میں ڈالتے اور اگر یہ کہا جائے کہ ابوبکر صدیق کو خوف پیغمبر صاحب پر صدمہ پہنچنے کے خیال سے تھا تو یہ خوف ہزار اطمینان سے بہتر ہے اور ایسے عیب پر ہزار ہنر قربان ہیں اور ایسے خوف کو حضرات شیعہ گناہ کیا اگر کفر بھی سمجھیں مگر ہم ثواب کیا ہزار ایمان سے بہتر سمجھیں گے اور سمجھتے ہیں اور اسی خوف سے

نوٹ بقیہ ص ۷۵ ۔ گوہر مراد میں جس کا مؤلف بڑا عالم شیعوں کا ہے لکھا ہے کہ پانچ کافروں نے پیغمبر صاحب سے آ کر کہا کہ تا وقت ظہر ترا مہلت دادیم اگر برگشتی از سخن خود والا قتلناک پس آنحضرت بمنزل خود آمدہ در بست وبغایت اندوہناک نشست جبرئیلؑ نازل شدہ آوردہ کہ فاصدع بما تومر واعرض عن المشرکین آنحضرت گفت کہ اے جبرئیل چگونہ باک ندارم با تہدید یکہ مستہزئین بامن کردند جبرئیل گفت انا کفیناک المستہزئین۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم گفت الآن نزد من بودند جبرئیل گفت من نیز الان کفایۂ ایشان کردم۔ اس روایت کو دیکھ کر حضرات شیعہ انصاف فرماویں کہ پیغمبر صاحب کا جان کے خوف سے دروازہ بند کر کے بیٹھ رہنا اور اندوہناک ہونا۔ اور جبرئیل کے اطمینان دینے پر بھی مطمئن نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پس باوجود تصدیق ایسی روایتوں کے نہایت تعجب ہے کہ پھر صدیق اکبر کے خوف پر طعنہ کریں ۱۲۔ منہ عفا عنہ

حضرت صدیق اکبرؓ کی صدیقیت کا اعتقاد کرینگے اور کرتے ہیں اس لئے کہ اگرچہ ابوبکر صدیقؓ کو پیغمبر صاحب کی جان اور سلامتی پر یقین کامل تھا مگر جب اُنہوں نے دیکھا کہ شاہ ہر دوسرا بادشاہ دین و دنیا ایک غار تنگ و تاریک میں رونق افزاء ہے اور جس طرح چاند کسی وقت ابر میں چھپ جاتا ہے اسی طرح ماہ نبوت غار میں چھپا ہُوا ہے اور جس کا مقام عرش و کرسی ہے۔ وہ ایک تنگ جگہ میں قیام فرما ہے تو یہی حالت پیغمبرؐ کی ابوبکر کے دل کو پارہ پارہ کرتی تھی اور اُن کو بے چین کر رہی تھی۔ چنانچہ ابوبکر صدیقؓ کا اول خود غار میں جانا اور اُس کو صاف کرنا اور سب سوراخوں کو اپنی قبا چاک کر کے بند کرنا اور پھر پیغمبر صاحب کو بلانا اور اپنے زانو پر سلانا اس پر شاہد ہے اور پھر ایسی دردناک حالت میں جب اُنہوں نے کفار کو در غار پر دیکھا تو بخیال ایذائے پیغمبر کے جو کچھ صدمہ اُن کے دل پر ہُوا ہوگا اُس کو وہی جانتے ہیں یا وہ عاشق جانے جس کا معشوق اُس کے سامنے کسی تکلیف و ایذا میں مبتلا ہوا ہو اور دشمن اُس کے اُس پر حملہ آور ہوئے ہوں اُس وقت کوئی اُس عاشق مسکین کی کیفیت دیکھے کہ اُس کو اضطرار ہوتا ہے یا وہ اطمینان سے بیٹھا رہتا ہے ہاں جس کو عشق و محبت کی خبر ہی نہ ہو وہ عاشق صادق کے خوف و اضطرار پر طعنہ نہ کرے تو کیا کرے اے بھائیو اول ذرا پیغمبر صاحب کے ساتھ محبت پیدا کرو تب جو پیغمبر صاحب کے جان نثار تھے اُن پر الزام لگاؤ۔ مگر جب تم کو محبت ہی نہیں ہے تو تم اُس کی حقیقت کیا جانو ؎ قطعہ

تو نازنین جہانے و ناز پروردہ   ترا ز سوز درون و نیاز ما چہ خبر

چو دل بہ مہر نگاری نہ بستہ ای مہ   ترا ز حالت عشاق بینوا چہ خبر

اے شیعیان پاک ذرا مہربانی کر کے اپنے شہید ثالث کی موشگافیوں پر غور کرو کہ ابوبکر صدیق رضہ کے حزن و غم کی نسبت کیا کچھ زبان درازی فرمائی اور (قد ظھر من جزعہ و بکائہ مایکون من مثلہ فساد الحال) کہہ کر اُن کی شان گھٹائی مگر وہ تحریر اُن کی خاک میں مل گئی اور سب تقریر اُن کی ھباءً منثورا ہو گئی آخر انہی باتوں پر خیال کر کے اصلی خوف اور حزن سے انکار فرمایا اور اُس کو تصنع اور بناوٹ پر محمول کیا اہل انصاف سے امید ہے کہ ذرا دل لگا کر اُس کو بھی سنیں اور جو کچھ سحر بیانی اور جادو زبانی اُس بیان میں حضرت امامیہ نے کی ہے اُس پر احسنت اور آفرین کہیں اور اس کا کچھ خیال نہ کریں کہ ایک دعوے کو چھوڑ کر دوسرا دعوے کیوں کرتے ہیں اور ایک امر کا اقرار کر کے اُس سے منکر کیوں ہو جاتے

ہیں اس لئے کہ یہ امر خاص بحث کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر کلیہ اور ہر جزئیہ میں
اس شان کا ظہور ہے ابھی کیا ہے جب مباحث امامت و خلافت کے آوینگے تب دیکھنا
کہ یہ حضرات کیسا رنگ بدلتے ہیں اور کیسے نئے نئے گل بوٹوں سے تقریروں کو زینت
دیتے ہیں۔ شعر

شاہد دلربای من میکند از برای من نقش و نگار و رنگ و بو تازہ بتازہ نو بنو

جب حضرات امامیہ نے دیکھا کہ حزن اور خوف کے اثبات سے محبت صدیق اکبر رض کی
ساتھ پیغمبر صاحب کے ثابت ہوتی ہے تب اس دعوے کو چھوڑ کر یہ دعوے کیا کہ ابوبکر رض
کو کچھ خوف نہ تھا بلکہ واسطے فاش کرنے راز کے جزع فزع کرتے تھے۔ جیسا کہ رسالہ
حسنیہ میں لکھا ہے کہ (غوغایش از جزع و فزع و فریاد برای آن بود کہ مشرکان را اطلاع
گردانند و آنہا بدانند کہ درین غارست) اور ملا خضر مشہدی نے لکھا ہے کہ (وایضا مما اشتہر
من لدغ الحیۃ ایاہ انما کان بمد رجلہ یرید اظہار امرہ) کہ جب ابوبکر رض کا کام رونے اور
پیٹنے سے بھی نہ نکلا تب پاؤں بڑھا دیا کہ اسی کو دیکھ کر کفار اندر غار کے چلے آئیں تب
خدا نے سانپ کو حکم دیا کہ اُس نے پاؤں میں اُن کے کاٹا تب بمجبوری پیغمبر صاحب کا
راز فاش ہونے سے بچا۔ اس کے جواب میں ہماری زبان سے تو کوئی بات بھی نہیں نکل
سکتی اور ایسی حکیمانہ تقریر کی تردید ہم سے ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر از شرق تا غرب اور از
جنس تا انس جمع ہوں تب بھی کسی سے یہ عقدہ حل نہ ہوگا۔ فی الحقیقت جو صاحب تقلیب
المکائد نے اپنے بزرگوں کی تقریر نقل نہ کرنے پر مولانا صاحب قدس اللہ سرہ پر غصہ

لہ صاحب تقلید المکاید نے خاتم المحدثین رحمتہ اللہ علیہ پر یہ طعنہ کیا ہے کہ اپنی طرف سے تقریر بنا کر اپنے طور پر جواب
دینا اُن کی عادت ہے اُس کا حال تو شہید ثالث کی عبارت دیکھنے والوں پر کھل جاویگا لیکن ہم دعوے کر کے کہتے
ہیں کہ اپنی طرف سے تقریر بنانا اور اُس کا جواب دینا بلکہ اُس جواب نامعقول کو صاحب الامر کی طرف منسوب
کرنا امامیہ کے محدثین و مجتہدین کا شعار ہے چنانچہ اسی آیۂ غار کی نسبت ملا باقر مجلسی نے رسالہ رجعیۃ کی حدیث
ششم میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہمارے دعوے پر شاہد ہے وہو ہذہ، حدیث ششم شیخ صدوق محمد بن بابویہ قمی از
اکابر محدثین رضوان اللہ علیہم اجمعین از سعد بن عبد اللہ قمی روایت کردہ اند کہ او گفت روزے مبتلا شدم
بمباحثہ بدترین نواصب و بعد از مناظرات بسیار گفت وائے بر تو و اصحاب تو شما روافض مہاجران و انصار را طعن

کیا ہے وہ نہایت ہی بجا تھا اگر وہ ان تقریروں کو نقل کر دیتے اور بلفظہ اُن عبارتوں کو لکھ دیتے
تو حقیقت میں مذہب امامیہ کی پھر کسی کو کیا کلام رہتا اور نہ پھر ابو بکر صدیق کی فضیلت کو کوئی کس
طرح ثابت کرتا اے یارو انصاف کرو اور حضرات امامیہ کے مجتہدین کے غزارت علم پر
لحاظ فرماؤ کہ جو بات ہے وہ حکیمانہ جو قول ہے وہ محققانہ ؎

نواں اعتراض نویں فضیلت پر

اوپر ہم نے بیان کیا ہے کہ جب ابو بکر صدیق رضؓ محزون اور غمگین ہوئے اور اُن کو

بقیہ حاشیہ صـ۷۸ـ: می کنید و انکار محبت پیغمبر نسبت بایشاں می نمائید اینک ابو بکر بسبب زود مسلمان شدن از ہمہ صحابہ
بہتر بود و ازبسکہ پیغمبر او را دوست می داشت در شب غار او را باخود برد چونکہ می دانست کہ او بعد آنحضرت خلیفہ
خواہد بود کہ مبادا او تلف شود حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب را بر جائے خود خوابانید برای آنکہ می
دانست کہ اگر کشتہ شود ضرری بامور مسلماناں نمی رسد الی قولہ کہ از جواب او ساکت شدم و دیگر برگشتم و
طومارے نوشتم و این دو مسئلہ را نیز درج کردم کہ بخدمت حضرت امام حسن عسکری صلوات اللہ علیہ بفرسیم
با احمد بن اسحاق کہ وکیل آن حضرت بود رفتم چوں او را طلب کردم گفتند متوجہ سر من رای ست من از عقب او
روان شدم و باو رسیدم الی قولہ کہ بعد ازاں صاحب الامر باعجاز فرمود کہ ای سید خصم تو می گفت کہ حضرت
رسول ابو بکر را برائے شفقت بغار برد چونکہ می دانست کہ او خلیفہ است مبادا کشتہ شود چرا در جواب نہ گفتی کہ شما
روایت کردہ اید کہ پیغمبر فرمود کہ خلافت بعد از من سی سال خواہد بود و این سی سال را بعمر چہار خلیفہ قسمت کردہ اید
پس بگمان فاسد شما این چہار خلیفہ برحق اند پس اگر این معنی باعث بردن بغار بود مناسب کہ ہماں را باخود بغار برد
فقط اب کوئی شخص اس مجلسی کے مقلدین سے پوچھے کہ شیخ صدوق صاحب کی بناوٹ ہے یا ملا باقر مجلسی صاحب کی
تہمت اس لئے کہ کسی اہل سنت نے اب تک یہ دعوےٰ نہیں کیا کہ پیغمبر صاحب ابو بکر کو اُن کے مارے جانے کے
خیال سے غار میں لے گئے اور حضرت علی کو چھوڑ گئے اور اگر یہ کہا جاوے کہ مراد نواصب سے خارجی دشمن اہل
سنت ہیں شاید انہوں نے یہ اعتراض کیا ہو تو وہ بھی بعید از قیاس ہے اس لئے کہ وہ حضرت علی کو خلیفہ برحق
نہیں جانتے تو یہ فرمانا امام صاحب الامر کا کہ تم چاروں خلیفوں کو برحق سمجھتے ہو بے موقع اور غلط ہوا جاتا
ہے اور امام صاحب کا باوجود ہونے عالم ماکان اور مایکون کے خوارج کے عقیدے سے بے خبر ہونا ثابت ہوتا
ہے پس کوئی صاحب تقلیب المکائد کی اولاد اور احفاد اور مریدین سے پوچھے کہ بناوٹ اسے کہتے جو اُن کے

کسی قدر اضطرار ہوا۔ تب اللہ جلشانہ نے اپنی تسلی اُن پر نازل کی جس کا بیان خدا نے ان لفظوں سے فرمایا ہے کہ فَاَنزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ اس پر حضرات امامیہ چند طرح سے اعتراض کرتے ہیں (اول) یہ کہ علیہ کی ضمیر راجع طرف پیغمبر خدا کے ہے نہ ابوبکر صدیق کے اس لئے اس کے یہ معنی ہیں کہ نازل کی تسلی اپنی خدا نے اُوپر پیغمبر کے۔ جواب اُس کا یہ ہے کہ حزن اور خوف تو ابوبکر صدیق کو تھا نہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو۔ پس اگر علیہ کی ضمیر راجع طرف پیغمبر خدا کے ہو تو آیت کے یہ معنی ہونگے کہ جب ابوبکر صدیق کو خوف اور اضطراب ہوا تو پیغمبر نے اُن سے کہا کہ کچھ غم نہ کرو کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے پس خدا نے اپنی تسلی پیغمبر پر نازل کی اس عبارت بے جوڑ اور بے ربط کو دیکھ کر کون شخص ہے جو نہ ہنسے گا اور کس کو اس پر تعجب نہ ہوگا کہ خوف اور اضطراب تو ابوبکر کو ہوا اور پیغمبر خدا اُن کی تشفی کریں اور خدا کی تسلی پیغمبر صاحب پر نازل ہو اگر حضرات امامیہ یہ فرماویں کہ پیغمبر خدا کو بھی خوف تھا اس لئے خدا نے اُن پر تسلی نازل کی اُس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ حضرات امامیہ جب ابوبکر صدیق پر خوف کے سبب سے طعنہ جبن و نامردی کا کرتے ہیں تو پھر اب اُسی خوف کو کس منہ سے حضرت کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اگر ہم حضرت کا خائف ہونا تسلیم بھی کرلیں اور واسطے ازالۂ خوف حضرت کے تسلی کا نزول حضرت پر قبول کریں تو عبارت آیت کی لائق اصلاح معلوم ہوتی ہے یعنی بجائے ان لفظوں کے جو خدا نے فرمائے کہ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ اس طرح پر آیت کے ہونے چاہئیں تھے کہ (فَاَنزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ علیہ فقال لصاحبہ لاتحزن) کہ پہلے خدا نے اپنی تسلی حضرت پر نازل کی اور جب حضرت کو اطمینان کامل ہوگیا تب حضرت نے ابوبکر سے کہا۔ کہ کچھ غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے ورنہ آیت کے لفظوں سے تو یہ معنی جو حضرات شیعہ کہتے ہیں نہیں بنتے اس لئے کہ پہلے الفاظ سے صاف یہ معنی ظاہر ہوتے ہیں کہ پیغمبر خدا نے ابوبکر کو محزون دیکھ کر فرمایا کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کہ کیوں محزون ہوتے ہو۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۹: شیخ صدوق اور مجلسی نے کی یا اُسے کہتے ہیں جو خاتم المحدثین نے کی افسوس ان بے خبروں کے حال پر کہ اپنے گھر کے شوستری اور مفتری کے افتراء سے تو بے خبر ہیں۔ اور اوروں پر طعنہ کرتے ہیں ۱۲ منہ عفا عنہ۔

خدا ہمارے ساتھ ہے پس حضرت کے اس کہنے سے خدا نے اپنی تسلی ابوبکر پر نازل کی تاکہ اُن کا حزن وغم جاتا رہے۔ پس اے یارو سوچو کہ آیت کے معنی اس طرح پر بنتے ہیں جو ہم کہتے ہیں یا اُس طرح پر جو تم کہتے ہو (دوسرا اعتراض) کہ اللہ جل شانہٗ کو اگر ابوبکر صدیق پر تسلی نازل کرنا منظور ہوتا تو ضرور پیغمبر خدا کا ذکر کر کے ابوبکر رضؓ کا ذکر کرتا اس لئے کہ خدا نے بغیر شرکت رسول کے کبھی کسی پر تسلی نازل نہیں کی۔ چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری نے اس تقریر کو درضمن حکایات مفیدہ شیخ مفید کے نہایت آب وتاب سے لکھا ہے اور اس تقریر کو عیسر الجواب سمجھ کر یہ فرمایا کہ (چون این سخن را گوش ناصبان شنید باعث حیرت ایشان گردید و درحیلۂ خلاصی ازان جان ایشان بلب رسیدہ) اور صاحب تقلیب المکائد نے اُس کو اپنی کتاب میں بلفظہ نقل کر کے اس پر بڑا ہی ناز کیا ہے چنانچہ ہم اُس عبارت کو بلفظہ لکھتے ہیں اور اہل انصاف سے التماس کرتے ہیں کہ ذرا غور کریں کہ قاضی صاحب نے اپنی صدف طبیعت سے کیسے جھوٹے موتی نکال کر اپنے مقلدین کے نذر کئے ہیں اور وہ بھی اُن کو گوہر گراں بہا سمجھ کر درۃ التاج بنائے ہوئے ہیں کوئی آنکھ کھول کر نہیں دیکھتا کہ اُن کے موتی جھوٹے ہیں یا سچے وہو ہذہ (آنچہ کاشف صحت بیان مذکور تواند بود آنست کہ مقدمان مشائخ ما رضوان اللہ علیہم افادہ فرمودہ اند کہ خدای تعالٰے ہرگز در ہیچ جای کہ یکی از اہلِ ایمان با حضرت پیغمبر بودہ اند۔ انزال سکینہ نہ نمود الا آنکہ نزول آنرا شامل جمیع ایشان داشتہ چنانچہ در بعضے آیات فرمودہ ویوم حنین اذا اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلے المومنین ودر آیۂ دیگر گفتہ فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلے المومنین وچون با آنحضرت غیر از ابوبکر در غار نبود لاجرم خدائے تعالٰے آن حضرت را در نزول سکینہ منفرد ساخت واو را بآن مخصوص گردانید وابوبکر را باو شرکت نہ داد وگفت فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروہا پس اگر ابوبکر مومن می بود بایستی کہ خدائے تعالیٰ درین آیہ او را اجاری مجری مومنان می نمود ودر عموم سکینہ داخل می فرمود الی قولہ بنابرایں نزول سکینہ مخصوص او شدہ باشد وابوبکر بواسطہ عدم ایمان از فضیلت سکینہ محروم ماندہ باشد وایضا بنص قرآنی ابا وارد ازان کہ در آیۂ غار سکینہ بر غیر رسول باشد) خلاصہ اس تقریر کا یہ ہے کہ خدا نے جہاں تسلی مومنین پر نازل کی ہے تو وہاں اُس رسول پر نازل کی اور بعدہ مومنین پر کسی جگہ فقط مومنین پر تسلی نازل نہیں کی تو کیونکر ممکن ہے کہ غار میں پیغمبر صاحب کو چھوڑ

کہ فقط ابوبکر پر تسلی نازل کی ہو پس اس آیت سے ابوبکر کا عدم ایمان ثابت ہوا اس لئے اگر وہ
باایمان ہوتے تو بشمول پیغمبر کے ضرور خدا اُن پر بھی تسلی نازل کرتا لیکن یہ دعوے قاضی
صاحب اور اُن کے مشائخ کا کہ یہ امر خلاف نص قرآنی کے ہے کہ تشفی فقط مومنین پر خدا
نازل نہیں کرتا محض غلط ہے کسی آیت سے صراحۃً کیسا کنایۃً بھی تو یہ بات نہیں پائی جاتی
کہ تسلی سوائے پیغمبر کے دوسرے پر تنہا نازل نہیں ہوئی اور اگر دو چار جگہ مومنین پر
بشمول نبی و رسول کے تسلی نازل کرنے کا ذکر آیا ہے تو اس سے ان کا نزول تسلی سے بلا
شمول رسول کے مومنین پر لازم نہیں آتا۔ پس اگر فرض کیا جاوے کہ کسی جگہ قرآن مجید
میں ذکر نزول سکینہ کا فقط مومنین پر نہ ہوتا تب بھی یہ اعتراض درست نہ تھا نہ کہ خدا کے
فضل سے نزول سکینہ کا فقط مومنین پر بلا شمول رسول کے ہونا قرآن مجید میں مذکور ہے
مگر حضرات امامیہ میں سلفاً عن خلف کوئی حافظ قرآن تو ہوا ہی نہیں اور شاید قاضی صاحب
نے اور اُن کے مشائخ کرام نے از اول تا آخر قرآن مجید کو تمام عمر میں ایک مرتبہ دیکھا
تک نہیں ورنہ اس زور شور سے انکار نہ کرتے اور اس شد و مد کے ساتھ یہ نہ فرماتے
کہ (خدائے تعالیٰ ہرگز در ہیچ جائے کہ یکی از اہل ایمان با حضرت بودہ اند انزال سکینہ
نہ نمود) چنانچہ اب ہم حضرات امامیہ کو نشان دیتے ہیں کہ نزول سکینہ تنہا مومنین پر بلا
شمول پیغمبر صاحب کے سورہ انا فتحنا میں دو مقام پر مذکور ہے۔ اگر شک ہو تو قرآن مجید
میں سے اس سورہ کو نکال کر دیکھ لیں کہ اللہ جل شانہ پہلے رکوع میں فرماتا ہے هُوَ الَّذِیْ
اَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ اور پھر تیسرے
رکوع میں ارشاد کرتا ہے کہ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ
السَّکِیْنَۃَ عَلَیْهِمْ پس اے مومنین ذرا غور سے ان آیتوں کو پڑھو اور دس بیس قرآنوں
کو ملاؤ کہ کسی میں یہ تو نہیں لکھا ہے کہ (ھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب رسولہ و قلوب
المومنین یا فانزل السکینۃ علی رسولہ و علیهم) اگر عرب سے عجم تک ہند سے ایران تک
کسی قرآن میں علی رسولہ کا لفظ ہو تو تم سچے تمہارے مجلسی سچے اور اگر کسی میں یہ لفظ
نہ ہو اور ایران اور کوفے کے قرآنوں میں بھی فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْهِمْ لکھا ہو تو پھر تم ہی
انصاف کرو کہ تم اور تمہارے قاضی اور اُن کے متقدمین و مشائخ جھوٹے ہیں یا سچے اے یارو
افسوس کرنے کی بات ہے کہ صدہا برس گذر گئے کہ یہ مباحثہ ہو رہا ہے اور آج تک کسی نے

سورۃ الفتح کو نکال کر بھی نہ دیکھا اور فانزل السکینۃ علیھم پر خیال نہ کیا اور اب تک اُنہیں
قاضی صاحب کے جھوٹے قول پر ناز ہے اور اُن کی فضیلت و قابلیت پر افتخار ہے اور
سب سے زیادہ افسوس اس پر ہے کہ حضرات امامیہ جن میں سے دو چار ہی ایسے شخص نکلینگے
جن کو قرآن کی سورتوں کے نام بھی یاد ہوں اور دو ایک ہی ایسے ہونگے جن کو انا انزلناہ
اور قل ھو اللہ کے سوائے کلام اللہ کے دو چار رکوع حفظ ہوں ورنہ خدا کے فضل سے
سب کے سب قرآن شریف سے بے خبر کلام اللہ سے ناواقف اور باوجود این ناواقفیت یہ شوخی
کہ اہل سنت وجماعت کے مقابلے میں قرآن شریف کی سند پیش کرتے ہیں جن کی زبان پر
ایک ایک لفظ قرآن مجید کا اور جن کے دل میں ایک ایک حرف کلام اللہ کا لکھا ہُوا ہے
پس یہ غلطی قاضی صاحب اور اُن کے مشائخ کبار سے قرآن مجید کی ناواقفیت سے ہوئی
ہے اس لئے ہم اُن کو معذور سمجھتے ہیں اور اُن کی غلطی سے در گذر کرتے ہیں (تیسرا اعتراض
کہ اگر ضمیر علیہ کی فانزل اللہ سکینتہٗ علیہ میں راجع طرف ابوبکر رض کے ہو تو تخلل فی الضمائر
لازم آتا ہے اس لئے کہ پہلے جتنی ضمیریں اخرجہٗ اور لصاحبہ وغیرہ میں ہیں وہ سب
رسول کی طرف راجع ہیں اور پھر آگے جو ضمیر وایدہٗ میں ہے وہ بھی راجع طرف پیغمبر کے
تو کیونکر ممکن ہے کہ ضمیر علیہ کے بیچ میں راجع طرف ابوبکر کے ہو جواب اس کا یہ ہے - کہ
اول تو ضمیر کا عود چاہیئے کہ اقرب مذکورات کی طرف ہو سو اس مقام پر ابوبکر ہیں اس
لئے کہ اُنہیں کی طرف لصاحبہ کا اشارہ ہے - دوسرے تخلل ضمیر جب ہو کہ وایدہ
عطف ہو فانزل اللہ پر حالانکہ وایدہ عطف ہے فقد نصرہ اللہ پر پس تخلل ضمائر بھی
واقع نہ ہوا - تیسرے - تخلل فی الضمائر قرآن مجید میں اکثر جگہ ہے جیسا کہ ان الانسان
لربہ لکنود وانہ علی ذلک لشھید الخ میں ہے پس جو اعتراض نزول سکینہ کا ابوبکر
رض پر تھا رد ہوا اور بفضلہ تعالیٰ نازل ہونا تسقی کا ابوبکر صدیق پر ثابت ہوا اور جو کچھ
قاضی صاحب اور ملا صاحب اور اُن کے مشائخ اور مقلدین نے لکھا پڑھا تھا وہ سب
باطل ہوا اور اُس کی بیہودگی اور سفاہت کا حال بھی سب پر کھل گیا اور نہ فقط ہم اہل
سنت ان اعتراضات کو بیہودہ سمجھتے ہیں بلکہ بعض حضرات امامیہ بھی کبھی شرما کر اقرار اس
کی سفاہت کا کرنے لگتے ہیں - جیسا کہ صاحب مجمع البیان طبرسی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے
کہ وقد ذکرت الشیعۃ فی تخصیص النبی فی ہذہ الآیۃ بالسکینۃ کلاما رأینا الاضراب عن ذکرہ

اخری لئلا نیسبنا ناسب الے شئی) کہ شیعوں نے اس آیت میں تسلی کو پیغمبر صاحب کے ساتھ مخصوص ہونے پر ایسی باتیں لکھی ہیں کہ ہم اُن کا نہ لکھنا ہی مناسب سمجھتے ہیں تاکہ کوئی کہنے والا ہم کو بھی کچھ کہنے نہ لگے۔ پس اس علامہ کے ان لفظوں سے صاف ظاہر ہے کہ وہ باتیں جو شیعہ ذکر کرتے ہیں ایسی پوچ اور بیہودہ ہیں کہ اُن کو بیان کرنے سے اُسے شرم آتی ہے۔ غرض کہ اب اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ ان آیتوں سے وہ فضائل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ثابت ہوتے ہیں جو اوپر ہم نے بیان کئے اور جو اعتراضات شیعوں کے ہیں وہ بالکل پوچ اور بیہودہ ہیں اور سیاق آیت بھی اسی پر شاہد ہے اس لئے کہ اگر ان آیتوں میں ابوبکر صدیقؓ کے ذکر کرنے سے اُن کی رفاقت اور نصرت کا بیان منظور نہ ہوتا تو یہ کوئی موقع اُن کے نفاق کے اظہار کا نہ تھا کہ یہ بات خود حضرات امامیہ جانتے ہیں اور دل میں سمجھتے ہیں مگر صرف اپنے مذہب کے تعصب کے سبب سے ایسی صریح اور صاف آیت سے انکار کرتے ہیں اور باوجود کھل جانے امر حق کے فضیلت افضل الصحابہ کا اقرار نہیں فرماتے ہیں اور اپنے آپ کو ایسی آیات کے انکار سے مستحق جہنم بناتے ہیں (نعوذ باللہ من شرور انفسہم و من سیئات اعمالہم)

ایمٔہ کرام کی شہادتیں صحابہ کی فضیلت میں

پہلی حدیث

شیعوں کی کتابوں میں بروایت ایمٔہ کرام علیہم السلام منقول ہے کہ پیغمبر خدا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا (اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم) کہ میرے اصحاب مثل تاروں کے ہیں اُن میں سے جس کسی کی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے اور نیز حضرت نے فرمایا ہے کہ (دعوالی اصحابی) کہ میرے اصحاب کو میرے لئے چھوڑ دو یعنی میرے حقوق صحبت کی اُن کے حق میں رعایت کرو اور اُن کی عیب جوئی نہ کرو ان دونوں حدیثوں میں سے پچھلی حدیث کی صحت لفظاً و معناً علمائے امامیہ کے نزدیک مسلم ہے اور صاحب استقصاء الافحام نے بھی اُس کو قبول کیا ہے لیکن پہلی حدیث کی نسبت کچھ کلام ہے اس لئے ہم پچھلی حدیث کی نسبت صرف یہی کہتے ہیں کہ جب اُس کی صحت پر اقرار ہے

توکیا وجہ ہے کہ اُس پر عمل نہیں کرتے اور جو پیغمبر صاحب نے اپنے اصحاب کے حق میں فرمایا
اُس کو نہیں مانتے کیوں حقوق صحبت پیغمبر کی اُن کے حق میں رعایت نہیں کرتے اور
کس لیئے اُن کی عیب جوئی سے باز نہیں آتے اور کس واسطے باوجود سفارش پیغمبر صاحب
کے اُن کی دشمنی ترک نہیں کرتے اور پہلی حدیث (الصحابی کالنجوم) کی نسبت ہم اقوال ایمۂ
کرام کو امامیہ کی کتابوں سے نقل کر کے اُس کی صحت ثابت کرتے ہیں اور علماء امامیہ نے
جو تاویلات اور تحریفات لفظی و معنوی کئے ہیں اُن کو ظاہر کر کے اس کا بطلان ثابت کرتے
ہیں۔ واضح ہو کہ عیون اخبار میں جو معتمدین کتب امامیہ سے ہے لکھا ہے کہ (حدثنا الحاکم
ابو علی الحسن بن احمد البیہقی قال حدثنا محمد بن یحیی الصولی قال حدثنا محمد بن موسی بن نصر الرازی
قال حدثنی ابی قال سئل الرضا علیہ السلام عن قول النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اصحابی کالنجوم
بایہم اقتدیتم اہتدیتم وعن قولہ دعوا لی اصحابی فقال ہذا صحیح) کہ ایک شخص نے امام موسی
رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ پیغمبر خدا نے فرمایا ہے کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے
ہیں۔ اُن میں سے جس کسی کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ چھوڑ دو
میرے واسطے میرے یاروں کو تو امام موصوف نے جواب دیا کہ یہ صحیح ہے اس روایت
سے ثابت ہوا کہ حدیث اصحابی کالنجوم جن لفظوں سے کتب اہل سنت میں منقول ہے انہیں
لفظوں سے کتب امامیہ میں مذکور ہے اور امام موسی رضا علیہ السلام کی زبان سے اُس
کی صحت پر علمائے امامیہ کو اقرار ہے اور نہ صرف اسی ایک روایت سے اس کا ثبوت
ہوتا ہے بلکہ اور بھی بہت سی روایتیں مؤید اس کی کتب امامیہ میں موجود ہیں کہ بعد ملاحظہ
ان کے کسی شیعہ کی یہ مجال نہیں کہ اس حدیث کی صحت سے انکار کر سکے یا اُس کو موضوع
کہہ سکے یا اُس کو خبر احاد کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا دے اس لئے کہ شیخ صدوق نے معانی الاخبار
میں اور علامۂ طبرسی نے احتجاج میں اور ملا باقر مجلسی نے بحار الانوار میں اور حیدر
آملی اثنا عشری نے جامع الاسرار میں اس حدیث کے مضمون کی صحت پر اقرار کیا ہے۔
پس تعجب ہے علمائے متقدمین امامیہ پر کہ جب تک علمائے اہل سنت نے اس حدیث کو
خود اُن کی کتابوں سے نکال کر نہ دکھلا دیا اور اُس کی صحت کو امام کے قول سے ثابت
نہ کر دیا تب تک انہوں نے اس حدیث کی صحت پر کیا شور و غل مچایا اور اس کی موضوعیت
اور بطلان کے اثبات میں دفتر کے دفتر سیاہ کئے یہاں تک کہ قاضی نور اللہ شوستری

نے کس شد و مد سے احقاق الحق میں فرمایا ہے کہ (اما ما رواہ من حدیث اصحابی کالنجوم ففیہ من آثار الوضع والبطلان مما لا یخفی) کہ اس حدیث کی موضوعیت پر اتنی نشانیاں ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتیں لیکن افسوس کہ قاضی صاحب نے یہ خیال نہ فرمایا کہ جس حدیث کی موضوعیت کا دعوے اس شد و مد کے ساتھ کرتے ہیں وہ خود ہماری حدیث کی کتابوں میں منقول ہے اور جس کے بطلان کا الزام اہل سنت پر لگاتے ہیں وہ بروایت آئمہ کرام ہمارے اصول کے موافق ثابت ہے۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ سُنی بیچاروں کے راوی ضعفا اور مجاہیل ہیں اور خود بدولت کے یہاں راوی آئمہ کرام ہیں۔ پس اگر سنیوں کے طور پر روایت کی ہوئی حدیث کو غلط کہہ دیا یا خود سنیوں نے اپنے طور پر راویانِ احادیث کو ضعیف تصور کیا تو کچھ ہرج نہیں اگر قاضی صاحب نے یا کسی اور صاحب نے اس حدیث کو موضوع بتلایا اور باوجود تصدیق امام موسی رضا علیہ السلام کے اس کو جھٹلایا تو اُس نے اپنا دین ہی غارت کیا اور امامؑ کی تکذیب کر کے اپنے آپ کو دائرۂ ایمان سے خارج کیا۔ اب ہم اُن تحریفات کو بیان کرتے ہیں۔ جو علمائے امامیہ نے اس حدیث کی نسبت کی ہیں۔ عیون اخبار میں جو حدیث ہم نے اصحابی کالنجوم نقل کی ہے اُس میں بعد اُن الفاظ کے یہ عبارت بڑھائی ہے (یرید من لم یغیر بعدہ ولم یبدل الخ) کہ مراد اُن اصحاب سے جو حدیث میں مذکور ہیں۔ وہ ہیں جنہوں نے کچھ تغیر و تبدل نہیں کی پوچھنے والے نے امام سے پوچھا کہ یا حضرت ہم کیونکر جانیں کہ اصحاب نے کچھ تغیر و تبدیل کی ہے تب امام نے جواب دیا کہ خود پیغمبر صاحب کی حدیث موجود ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ کچھ لوگ میرے اصحاب سے قیامت کے دن حوض سے علیحدہ کر لئے جاوینگے تب میں کہونگا کہ خدایا یہ میرے اصحاب ہیں تب اللہ جل شانہ فرماوے گا کہ تو نہیں جانتا کہ انہوں نے تیرے پیچھے کیا کیا اور وہ دوزخ کی طرف کھینچ لئے جاوینگے تب میں کہونگا کہ دور ہو دفع ہو ان الفاظ کے بڑھانے سے غرض یہ ہے کہ بعض اصحاب

---

[۱] یرید من لم یغیر بعدہ ولم یبدل قیل وکیف نعلم انہم قد غیروا وبدلوا قال لما یروونہ من انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لیذادون رجال من اصحابی یوم القیامۃ عن حوضے کما تذاد غرائب لاابل عن الماء فاقول یارب اصحابی اصحابی فیقال انک لا تدرے ما احدثوا بعدک فیؤخذ بہم ذات الشمال فاقول بعداً لہم وسحقاً افتری ہذا لمن لم یغیر ولم یبدل انتہے ۱۲

بسبب ارتداد کے حدیث کی مصداق سے خارج ہو جائیں لیکن تب بھی ہمارا کچھ نقصان نہیں اس لئے کہ ہم خود قائل ہیں کہ جو لوگ پیغمبر کے بعد مرتد ہو گئے وہ اس حدیث کے مصداق سے خارج ہیں اور اصحاب مقبولین نے نہ تغییر و تبدیل کیا نہ اس حدیث کے مصداق سے خارج ہوئے اور خود حضرات امامیہ کا اقرار ہے کہ اصحاب مقبولین حدیث حوض کے مصداق سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ صاحب استقصاء الافحام نے بجواب منتہی الکلام کے مسلک ثانی کے ایک مقام پر اس کا اقرار کیا ہے وہذہ عبارۃ (کہ ہرگز حدیث حوض درحق مقبولین اصحاب کرام جناب خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وارد نیست وہرگز این حدیث برآنہا منطبق نمی تواند شد) اور اس امر کو کہ خلفاء راشدین اور انصار ومہاجرین اصحاب مقبولین تھے۔ ہم اسی حدیث کی بحث میں فصل ارتداد صحابہ میں ثابت کرینگے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ولو فرضنا کہ بعض اصحاب مقبولین مغیرین ومبدلین میں ہوں۔ لیکن تاہم اکثر اصحاب کی نسبت اس حدیث کا مضمون صادق آتا ہے اس لئے کہ افصح الفصحاء ابلغ البلغا علیہ التحیۃ والثنا نے ایسا لفظ تشبیہ میں صحابہ کے بیان فرمایا ہے کہ جس طرح پروہ فضیلت پر دال ہے اُسی طرح کثرت پر یعنی لفظ نجوم پس حضرت کا یہ فرمانا کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں اُن کے بیشمار ہونے پر دلالت کرتا ہے اور سوائے جاہل اور نادان کے کوئی ستاروں کی مثال کو معدودے چند کے حق میں وارد نہیں سمجھ سکتا وسلمنا کہ بہت ہی تھوڑے بلکہ دو تین ہی اصحاب پر جو ارتداد سے بچ گئے۔ یہ حدیث منطبق ہووے تب بھی یہ عقیدہ امامیہ کا کہ اقتدا صرف اہل بیت کی واجب ہے اور دوسرے کی ناجائز باطل ہوتا ہے اور اہتداء جو کہ مخصوص اہل بیت کے لئے ہے اُس میں دو چار کا شریک ہونا ثابت ہوتا ہے (ولم یقل بہ احد منہم[1]) غرض کہ جب حضرات امامیہ نے دیکھا کہ یہ عبارت زائد بھی بیکار ہوئی اور اس نے بھی دار وگیر اہل سنت سے نہ بچایا۔ تب اس کو چھوڑا اور دوسرے طور پر تاویل کو کام فرمایا۔ اور یہ دعوےٰ کیا کہ مراد اصحاب سے اہل بیت ہیں جیسا کہ صاحب استقصاء الافحام نے بجواب منتہی الکلام کے فرمایا ہے (مراد از اصحاب در حدیث اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم

---

[1] اور اُن میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ہے ۱۲

اہل بیت علیہم السلام اند) لیکن ہم اس دعویٰ کو چند دلیلوں سے باطل کرتے ہیں ؛

دلیل اول

اصحاب کے لفظ سے اہل بیت مراد لینا داد تحریف دینا ہے اس لیئے کہ عرفاً اصحاب کا اطلاق یار دوستوں پر اور اہلبیت کا گھر والوں پر ہوتا ہے شرعاً اصحاب سے مراد پیغمبر پر ایمان لانے والے اور رفقا لیے جاتے ہیں اور اہل بیت سے گھر والے اور بنی فاطمہ سمجھے جاتے ہیں بلکہ احادیث نبوی اور اقوال ائمۂ اطہار سے یہ ظاہر ہے کہ دونوں لفظوں کے مصداق دو فریق علیحدہ علیحدہ ہیں جہاں یاران پیغمبر کی شان میں کوئی حدیث یا قول ہے وہاں لفظ اصحاب کا آیا ہے اور جہاں خاندان نبوی اور ائمہ اطہار کا ذکر ہے وہاں لفظ اہل بیت اور عترت کا۔ چنانچہ پیغمبر خدا نے فرمایا ہے کہ (انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی) یا (مثل اہل بیتی کسفینۃ نوح) یا امام زین العابدین نے اپنی دعا میں جو صحیفۂ کاملہ میں مذکور ہے فرمایا ہے کہ (اللھم و اصحاب محمد خاصۃً الذین احسنوا الصحابۃ) الخ اگر لفظ اصحاب یاران پیغمبر کے لئے مخصوص نہ ہوتا اور اس کا استعمال اہل بیت اور عترت کی نسبت بھی ہوتا تو کیوں ان احادیث میں الفاظ اہل بیت اور عترت کی تخصیص کی جاتی اور کس لئے پیغمبر خدا حدیث انی تارک فیکم الثقلین میں بجائے کتاب اللہ و عترتی کے کتاب اللہ و اصحابی نہ فرماتے اور حدیث مثل اہل بیتی کسفینۃ نوح میں مثل اصحابی کسفینۃ نوح ارشاد نہ کرتے اور کس واسطے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب حضرت فاطمہ کے گھر جاتے تو (سلام علیکم اہل البیت) فرماتے اور سلام علیکم یا اصحابی نہ کہتے۔ غرضیکہ احادیث نبوی اور اقوال ائمۂ اطہار سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب اور اہل بیت کا لفظ محاورے میں دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور دونوں کے مصداق دو فریق ہو گئے اصحاب کا اطلاق یاروں دوستوں پر اور اہل بیت کا استعمال گھر والوں پر ہوتا رہا۔ اور اب تک خواص اور عوام دونوں فریق کے ویسا ہی استعمال کرتے ہیں پس نہایت تعجب کی بات ہے کہ صدہا احادیث اور ہزارہا اقوال میں تو اصحاب کا لفظ یاران پیغمبر پر اور اہل بیت کا لفظ گھر والوں پر استعمال جاوے اور کسی حدیث کے قول میں کوئی اصحاب کے لفظ سے اہل بیت اور اہل بیت کے لفظ سے اصحاب مراد نہ لے اور صرف

ایک حدیث اصحابی کالنجوم میں خلاف تبادر اذہان اور مخالف محاورے و عادت کے اصحاب کے معنی اہل بیت کے لئے جائیں اور پھر بھی ایسے معنی بنانے والے اپنے آپ کو مصداق یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ کا نہ سمجھیں اے حضرات ذرا تو انصاف کرو کہ اگر کوئی سُنی بیچارہ اپنی زبان سے نکالے کہ اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں اور مثل اہل بیتی کسفینۃ نوح کے مصداق میں وہ بھی شامل ہیں اور آیۂ تطہیر میں جو لفظ اہل بیت مذکور ہے اُس سے پیغمبر کے ازواج مطہرات مراد ہیں بلکہ مراد لینا بہ یک طرف وہ بھی شامل ہیں تو دیکھو کہ تمہارے علما کیسا شور و غل مچاتے ہیں قیامت برپا کرتے ہیں آسمان زمین کو ملاتے ہیں نوحہ و فریاد کی آوازہ عرش تک پہنچاتے ہیں کہنے والے کو خارجی اور ناصبی اور دشمن اہل بیت کا بتلاتے ہیں اور باآنکہ اہل بیت سے ازواج مراد لینا ٹھیک محاورے کے موافق ہے تس پر تحریف کا الزام لگاتے ہیں اور خود جب اصحاب سے مراد اہل بیت اور یار اور رفیق کے لفظ کو بھائی اور آل و اولاد کی نسبت استعمال کرتے ہیں تو کچھ بھی نہیں شرماتے شرمانا کیسا ایسی سمجھ پر ناز کرتے ہیں ایسے جوابوں پر سر افتخار بلند کرتے ہیں پس ایسی سمجھ کا کیا علاج اور ایسے جواب کا کیا جواب - **شعر**

این سبزہ و این چشمہ و این لالہ و این گل   آن شرح ندارد کہ بگفتار درآید

پس ہر شخص جو ذرا بھی انصاف اور سمجھ کو دخل دے یقین کرے گا کہ اگر پیغمبر صاحب اس حدیث کو اہل بیت کی شان میں فرماتے تو صاف لفظ اہل بیت کا ارشاد کرتے اور بجائے اصحابی کالنجوم کے اہل بیتی کالنجوم فرماتے ہاں شاید حضرات شیعہ یہ جواب دیں کہ پیغمبر صاحب نے معاذ اللہ تقیے کو دخل دیا اور اصحاب کے خوش کرنے کو لفظ اصحابی فرمایا اور جب گھر میں آئے اور اہل بیت نے شکایت کی تب آپ نے اُن سے یہ فرما دیا ہو کہ مراد اصحاب سے تم ہو ؛

دوسری دلیل

اگر ہم لفظ اصحاب سے اہل بیت کے معنی مراد لینے پر کچھ دار و گیر امامیہ کی نہ کریں اور اُن کی اس تحریف معنوی کو تسلیم بھی کرلیں تب بھی موافق اُن کے عقیدے کے یہ حدیث شان میں اہل بیت کے صادق نہیں آتی اس لئے کہ اہل بیت کا اطلاق دوازدہ امام پر ہوتا

ہے اور اصحاب کا اطلاق صرف اُنہیں لوگوں پر جو حضرت کی صحبت میں رہے اور سوائے حضرت علی اور حسنین علیہم السلام کے اور نو امام پیغمبر صاحب کے پیچھے پیدا ہوئے پس یہ ظاہر ہے کہ نو اماموں پر لفظ اصحاب کا صادق نہ ہوگا تو حدیث اصحابی کالنجوم میں سے سوائے حضرت علی اور حسنین علیہم السلام کے اور سب ایمۂ کرام خارج ہو جائینگے اور وہ نجوم کی تشبیہ سے مستثنیٰ کر دیے جائینگے اور اُن کی اقتدا باعث ہدایت نہ سمجھی جائے گی (و نعوذ باللہ من ذلک) کون مسلمان ہے کہ ایسی بات زبان پر لاویگا اور ایمۂ کرام کی نسبت ایسا خیال کریگا۔ پس ثابت ہُوا کہ مراد اصحاب سے اہل بیت نہیں ہیں ورنہ پیغمبر صاحب ضرور لفظ اہل بیت کا فرماتے اور بجائے اصحابی کالنجوم کے اہل بیتی کالنجوم ارشاد کرتے تاکہ کوئی امام اُس کے مصداق سے خارج نہ ہوتا ہاں ممکن ہے کہ حضرات شیعہ یہ جواب دیں۔ کہ نو امام جو پیغمبر صاحب کے روبرو پیدا نہیں ہوئے اگرچہ باعتبار عالم اجسام کے لفظ اصحاب کے مصداق سے خارج ہیں مگر بلحاظ عالم ارواح کے اصحاب میں داخل ہیں ؎

تیسری دلیل

جو عبارت (من لم یغیر بعدہ) کی اس حدیث کے آگے زیادہ لکھی ہے اُس نے اس تاویل کا دروازہ بند کر دیا اور لفظ اصحاب سے اہل بیت کے معنی لینے کو منع کر دیا اس لئے کہ حضرات نے تو یہ خیال کیا کہ اگر اور کچھ الفاظ اس حدیث کے آگے نہ بڑھائے جاوینگے اور فقط ہذا صحیح کہہ کر یہ حدیث ختم کر دی جاویگی تو سنیوں کی دار و گیر سے نجات نہ ملے گی اور حدیث اصحابی کالنجوم کی صحت سن کر وہ جان آفت میں ڈال دینگے اس لئے یہ الفاظ امام صاحب کی طرف سے بڑھا دیے کہ مراد اصحاب سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے کچھ تغیر و تبدیل دین میں نہیں کی اور جو مرتد نہیں ہوئے اور جو دوزخ کی طرف نہ کھینچے جائیں گے اور جن سے پیغمبر خدا بیزاری اپنی ظاہر نہ کریں گے۔ پس ان الفاظ سے ہمارا نقصان تو کچھ نہ ہُوا۔

لہ قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں لکھا ہے کہ تعریف صحابے بنا بر اظہر اقوال آنست ۔ کہ ملاقات نمودہ باشد با پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم در حالتِ کہ ایمان باو آوردہ باشد ۱۲

اس لئے کہ ہم بھی ایسے تغیر و تبدیل کرنے والوں کو اور مرتد ہو جانے والوں کو اس حدیث کے مصداق سے خارج سمجھتے ہیں اور خلفاء راشدین اور انصار و مہاجرین کو گو ہزار طرح پر امامیہ مرتدین میں شامل کرنا چاہیں وہ شامل نہیں ہو سکتے کہ اس کا بیان تفصیلی بحث ارتداد صحابہ میں ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ لیکن ان الفاظ سے ہم کو بہت ہی فائدہ ہوا اور حضرات امامیہ کی تاویل و تحریف کا حال اس سے کھل گیا اس لئے کہ اگر یہ الفاظ نہ ہوتے تو خیر کسی نہ کسی طرح وہ اپنا دل خوش کر سکتے تھے اور اصحاب سے مراد اہل بیت لے سکتے تھے۔ لیکن ان لفظوں نے مجبور کر دیا کہ وہ کسی طور سے اصحاب سے اہل بیت مراد نہیں لے سکتے۔ اس لئے کہ اگر حدیث اصحابی کالنجوم میں مراد اصحاب سے اہل بیت ہوں تو جو الفاظ (من لم یغیر بعدہ) کے آگے بیان کئے گئے وہ بھی اُن کی شان میں وارد ہوں گے تو معاذ اللہ معنی اُس کے مطابق قول شیعوں کے یہ ہونگے کہ وہی اہل بیت مثل تاروں کے ہیں۔ جنہوں نے دین میں تغیر و تبدیل نہیں کی (و نقل کفر کفر نہ باشد) جو مرتد نہیں ہوئے پس کس مُنہ سے اس حدیث کو شان میں اہل بیت کی کہیں گے اور کس طرح اہل بیت نبوی پر تہمت تغیر و ارتداد کی لگا دینگے۔ غرض کہ ان الفاظ نے امامیہ کی تحریف کو ثابت کر دیا اور اُن کی تاویل کا دروازہ بند کر دیا۔ سبحان اللہ کیا قدرت خدا کی ہے کہ جن الفاظ سے ہم پر الزام دیا چاہتے تھے۔ اُن سے خود ہی ملزم ہو گئے اور جو عبارت ہمارے قائل کرنے کے لئے بڑھائی تھی اُس سے خود قائل ہو گئے۔ شعر

خمیر مایۂ دوکان شیشہ گر سنگست　　　عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

جب علمائے امامیہ نے دیکھا کہ یہ دعوے بھی ثابت نہیں ہوتا اور اس حدیث میں اصحاب کے لفظ سے اہل بیت کے معنی نہیں بنتے تب مجبور ہو کر حدیث اصحابی کالنجوم کی صحت سے انکار کیا اور اس کے عدم صحت کا دعوے کر کے اپنا پیچھا چھوڑانا چاہا۔ مگر ہزار شکر اس پر ہے کہ الفاظ حدیث سے انکار نہیں کیا اور اس عبارت کو جو اوپر ہم نے نقل کی ہے نہیں جھٹلایا بلکہ صرف تاویل اور تحریف معنوی کو کام فرمایا ہے اور فقط شبہات اور احتمالات سے اس کی صحت سے انکار کیا ہے چنانچہ صاحب استقصاء الافحام نے جواب میں منتہی الکلام کے لکھا ہے کہ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ دو حدیثوں کی نسبت سائل نے سوال کیا ایک حدیث اصحابی کالنجوم کی نسبت دوسری حدیث دعوا لی اصحابی کی نسبت اور امام موسی رضا علیہ السلام

نے ہذا صحیح اُس کے جواب میں فرمایا پس یہ جواب صرف حدیث اخیر کی نسبت ہے نہ حدیث
اول کی نسبت کما قال (از ملاحظۂ این حدیث شریف ظاہرست کہ آنچہ مخاطب در ترجمۂ آن گفتہ
کہ امام رضا علیہ السلام حکم بصحت این ہر دو حدیث نمود غیر صحیحست زیرا کہ ہرگز تصریح بہ صحت
ہر دو حدیث درین روایت صراحۃ کہ مدلول کلام اوست مذکور نیست بلکہ لفظ ہذا صحیح مذکورست
وجائزست کہ آن متعلق بہر دو حدیث نباشد بلکہ محتمل ست کہ گو سائل در سوال از دو حدیث
استفسار کردہ بود مگر آن جناب در جواب یکے ازاں کہ حدیث اخیرست بیان فرمودہ) اس جواب
باصواب میں تین خطائیں ہیں (اوّل) خود مجیب اس جواب کو یقیناً بیان نہیں فرماتا اور جائز
ست اور محتمل ست بجای واجب ست ویقین ست کے استعمال کرتا ہے اور احتمال اور شک سے
اس حدیث کے جس کی صحت میں بقول امام کچھ شک نہیں تکذیب فرماتا ہے۔ (دوسرے)
یہ احتمال بھی فقط احتمال ہی احتمال ہے اس لئے کہ جب سائل نے دو حدیثوں کی نسبت استفسار
کیا اور امام نے ہذا صحیح کہہ کر جواب دیا تو یقیناً یہ امر ثابت ہوا کہ حضرت امام نے سائل کے قول
کی تصدیق کی اور اس کا قول دو حدیثوں کی نسبت تھا۔ اس سے دونو کی صحت ثابت ہوئی رہا
یہ احتمال کہ اگر امام دونوں حدیثوں کی صحت تسلیم کرتے تو ہذان صحیحان فرماتے یہ قابل لحاظ
نہیں ہے اس لئے کہ مقصود سائل کا واحد تھا یعنی قول نسبت مدح صحابہ کے تو حرف اشارہ
واحد کا مقصود واحد کی نسبت استعمال کرنا خلاف محاورہ نہیں ہے (تیسرے) سائل نے
دو حدیثوں کی نسبت استفسار کیا اور امام نے فقط ہذا صحیح فرمایا۔ پس اگر ہم تسلیم بھی کریں
کہ یہ جواب دوسری ہی حدیث کی نسبت ہے تو پہلی حدیث کا جواب کیا ہے کیا یہ کسی کے
خیال میں آتا ہے کہ سائل دو حدیثوں کی نسبت سوال کرے اور امام ایک ہی کی نسبت جواب
دیں اور دوسری کی نسبت لا و نعم کچھ بھی نہ فرماویں اور اُس کی صحت اور عدم صحت کی نسبت
کچھ بھی زبان مبارک سے ارشاد نہ کریں اور ایک مجمل لفظ کہہ کر سائل کو حیرت میں ڈالیں۔
شاید حضرات امامیہ یہ جواب دیں کہ ائمہ کی شان یہی ہے کہ کبھی کسی کو جواب صاف نہ دیں۔ اور
تقیے کو کسی حالت میں نہ چھوڑیں اور ہمیشہ گول بات کے سوا زبان سے کچھ ارشاد نہ فرماویں
خدا کے واسطے ذرا انصاف کرنا چاہیئے کہ جس سائل نے امام سے سوال بہ نسبت دو حدیثوں
کے کیا تھا جب اُس کے جواب میں امام نے۔ ہذا صحیح۔ فرمایا تو وہ کیا سمجھا ہوگا۔ دونوں
حدیث کی نسبت یا ایک ہی حدیث کی نسبت اگر وہ ایک ہی حدیث کی نسبت سمجھتا تو ضرور وہ

دوسری حدیث کی نسبت مکرر استفسار کرنا اور اگر وہ دونوں حدیثوں کی نسبت سمجھا تو یا امام کے اُن لفظوں کا یہی مطلب ہوگا یا معاذ اللہ امام نے اس کو جان بوجھ کر مجمل لفظ کہہ کر دھوکے میں ڈالا ہوگا۔ لیکن اگر ہم اس روایت میں امام کی تصدیق کو بہ نسبت دوسری ہی حدیث کے سمجھیں تو بھی حضرات شیعہ کی جان نہیں بچتی اس لئے کہ قطع نظر اس روایت اور اس کتاب کے اور روایتوں سے بھی صحت مضمون حدیث اصحابی کالنجوم کی ہوتی ہے پس اگر علمائے امامیہ اس روایت میں اس حدیث کی تکذیب کریں تو اور احادیث کو کیا کرینگے اور کہاں تک آیمۂ کرام کے قولوں کو جھٹلاوینگے۔ چنانچہ اب ہم اس حدیث کی صحت دوسرے طریق سے ثابت کرتے ہیں ملا حیدر آملی اثنا عشری نے جامع الاستفسار میں لکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ (انا کالشمس وعلی کالقمر واصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم) کہ میں مثل سورج کے ہوں اور علی مثل چاند کے اور میرے اصحاب مثل تاروں کے جن کی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے معلوم نہیں کہ اس حدیث کو دیکھ کر کیسا شعلۂ جانسوز علمائے امامیہ کے سینے سے نکلے گا اور خبر نہیں کہ یہ شرارہ اُن کے خرمن عقل و خرد کو کیسا جلاوے گا۔ ہاں اس کی بھی تاویل کرینگے کہ مراد اصحاب سے اہل بیت ہیں اس کا جواب ہم اوپر بیان کرچکے اور اب بھی بیان کرتے ہیں لیکن قبل جواب دینے کے ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ جب اس حدیث کی صحت ثابت ہوگئی تو عیون اخبار میں جو امام موسیٰ رضا کے جواب سے اُس کی صحت ثابت ہوتی ہے اُس کا کس منہ سے انکار کرینگے اور جو عبارت زائد (من لم یغیر بعدہ) اُس روایت میں ہے اس کو شان میں اہل بیت کی کیونکر صادق سمجھیں گے اب اس تاویل کو جو اس حدیث کی نسبت ہے غور سے سنیے کہ جو تقریر اس علامۂ اثنا عشری نے کی ہے وہ اس امر پر دال ہے کہ مراد اصحاب سے اہل بیت نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اوپر اس حدیث کے یہ بیان ہے کہ نبوت مثال نور آفتاب کے ہے اور امامت مانند چاند کی روشنی کے اور علم علما کا مانند چمک ستاروں کے وہذہ عبارتہ بلفظہ (وورد فی اصطلاح القوم تسمیۃ الولایۃ بالشمسیۃ والقمریۃ والمراد بہما ولایۃ النبی وولایۃ الولی ونسبۃ العلماء الیہما کنسبۃ النجوم الی القمر والشمس الی قولہ فکذلک لایکون للعلماء قدرۃ ولا ظہور مع وجود الاصیاء وانوارہم من حیث الولایۃ ویؤید ذلک کلہ ما اشار الیہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لقولہ انا کالشمس وعلی کالقمر واصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم) پس ظاہر ہے کہ ایمۂ کرام اوصیا میں داخل ہیں نہ علما میں اور تمثیل نجوم کی علماء پر صادق ہے نہ اوصیا پر تو اس علامہ کی تقریر سے ظاہر ہوا

کہ حدیث اصحابی کالنجوم میں اصحاب سے مراد اہل بیت نہیں ہیں بلکہ علما ہیں اور اس سے ہمارے دونوں مطلب ثابت ہوگئے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور مراد لفظ اصحاب سے اہل بیت نہیں ہیں اگر اس روایت پر سیری نہ ہووے اور حضرات امامیہ کو اپنے اور بزرگوں کی تصدیق سننے کی خواہش ہو تو اور بھی سنیں اور تیسرے طریق سے اس حدیث کے مضمون کی صحت پر سند لیں۔ شیخ صدوق نے معانی الاخبار میں لکھا ہے کہ (حدثنا محمد بن الحسن احمد الولید رحمہ اللہ قال حدثنا محمد الحسن الصفاء عن الحسن بن موسی الخشاب عن غیاث بن قلوب عن اسحق ابن عمار عن جعفر بن محمد عن آبائہ علیہم السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ما وجدتم فی کتاب اللہ عزوجل فالعمل لکم بہ لا عذر لکم فی ترکہ و مالم یکن فی کتاب اللہ عزوجل و کانت فیہ السنۃ منی فلا عذر لکم فی ترک سنتی و مالم یکن سنۃ منی فما قال اصحابی فقولوا بہ انما مثل اصحابی فیکم کمثل النجوم بایہا اخذ اہتدی بای اقاویل اصحابی اخذتم اہتدیتم و اختلاف اصحابی لکم رحمۃ) یعنی امام جعفر صادق نے فرمایا۔ کہ فرمایا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہ جو پاؤ تم خدا کی کتاب میں اُس پر عمل کرو کوئی عذر تم کو اس کے ترک پر نہیں ہو سکتا اور جو

لہ اس حدیث کے مذکور ہونے سے کتب امامیہ میں جو صدمہ حضرات امامیہ کو ہے اُس کا بیان نہیں ہو سکتا چنانچہ جو تحریریں باہم منشی سبحان علی خاں صاحب اور ان کے دینی بھائی نورالدین کے ہوتی ہیں وہ اس پر شاہد ہیں۔ ہم انتخاب اس کا رسالۃ المکاتیب فی رویۃ الثعالیب والغرابیب مطبوعہ ۱۲۶۸ھ سے نقل کرتے ہیں وہو ہذا۔ انتخاب خط سبحان علی خان بنام مولوی نورالدین منقول از صفحہ ۱۰۱ - رسالۃ المکاتیب چنانچہ المے بے پایان از بودن سند حدیث اصحابی کالنجوم در طرق شیعہ از تحریر خدام دریافتہ برداشتہ ام برائے خدا زود رقمے گردد کہ چگونہ و چسان سند پیدا کردہ و ہرگاہ سند چنیں احادیث در طرق شیعہ یافتہ شود۔ باز مرا بکدام سنگ توان زد۔ جواب از مولوی نور الدین منقول از صفحہ ۱۱۱ ایضاً: حیرانے و تشویش سامے از ہمرسانیدن سند حدیث نجوم کہ ناصب را اتفاق افتادہ بجائے خود ست ملاذ ا فقیر در بعضے از مجلدات بحار دیدہ بودم کہ بعضے از آئمہ طاہرین در جواب بعضے از مسترشدین نوشتہ اند کہ حقیقت این ست کہ این حدیث از جد ما ماثور ست و تحریف نقطے در آن راہ نیافتہ آرے نواصب بتحریف معنوی مبادرت کردہ اند کہ این حدیث را بر اہل ردت فرود آوردند و در تیہ ضلالت حیران و سرگردان ماندند و نہ دریافتند کہ حضرت خاتم المرسلین کسانے را نجوم ہدایت فرمودہ اند و اقتداء شان را موجب اہتدا قرار دادہ اند کہ حال شان در زبان سعادت توامان آنجناب و بعد از وفات شریف برنہج واحد بود

کچھ کتاب خدا میں نہ پاؤ اُس میں میری سنت پر عمل کرو کوئی عذر تم کو میری سنت کے ترک پر نہیں ہو سکتا اور جس میں میری سنت نہ ملے اس میں عمل کرو اُس پر کہ جو کچھ میرے اصحاب نے کہا ہو کیونکہ میرے اصحاب تمہارے بیچ میں ایسے ہیں جیسے کہ ستارے جس طرح پر جس کسی ستارے کو کوئی لے لے راہ پر پہنچ جائے گا اسی طرح پر میرے اصحاب ہیں کہ جس کسی قول کو میرے اصحاب کے تم لے لوگے ہدایت پاؤگے اور میرے اصحاب کا اختلاف تمہارے واسطے رحمت ہے اس حدیث کی صحت میں کسی کو کلام نہیں اس لئے کہ علامہ طبرسی نے احتجاج میں اور ملا باقر مجلسی نے بحار الانوار میں اس کی تصدیق کی ہے پس یہ حدیث معناً مطابق حدیث سابق کے ہے بلکہ اختلاف اصحابی لکم رحمۃ کا فقرہ اور زیادہ ہے۔
پس انکار حدیث سابق سے جو عیون اخبار میں مذکور ہے تکذیب امام موسیٰ رضا کی ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اگر ہم اُس حدیث کو جو عیون اخبار میں مذکور ہے کان لم یکن سمجھیں اور اسی حدیث کو جو معانی الاخبار سے ہم نے نقل کی صحیح جانیں تب بھی مطلب ہمارا فوت نہیں ہوتا اس لئے کہ جو الفاظ اس حدیث کے ہیں وہ بھی مُؤید ہمارے قول کے ہیں باقی رہی تاویل و تحریف علمائے امامیہ کی اُس کی نسبت بھی ہم بحث کرتے ہیں اور جو کچھ تاویلات اُنھوں نے کئے ہیں اُس کو ظاہر کرتے ہیں ؛

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۴ :۔ کسانیکہ مصداق امنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفراً کردیدند الی قولہ و بندہ را حیرتے کہ در خصوص این امر ست نہ ازاں جہت کہ امر باقتداء فلان و فلان لازم مے آید بلکہ حیرت ازانست کہ بعد از احالہ امت بدو چیز عظیم القدر یعنی قرآن و عترت ارشاد این معنی کہ اصحاب من مثل ابوذر و سلمان و حذیفہ و مقداد و ابن مسعود و نجوم ہدایت اند بہر کہ اقتداء کنید راہ دین و نجات خواہید یافت و مہتدی خواہید شد چہ محمل داشتہ باشد و مزید حیرت آنکہ بعضے از علماء می گویند کہ مراد اہل بیت اند۔ درین معنی بہ بعضے از اخبار و آثار کہ خلاف آن را شیخ بابویہ غالباً در ہدایہ نقل کردہ نسبت دارند درین صورت قطع نظر ازین تخالف مذکور حدیث اول ہم معارض می شود۔ والا باید کہ این بزرگان قایل شوند باینکہ معاذ اللہ حال اہل بیت ہم مانند اصحاب بود کہ جمعے براہ احداث در دست رفتند و بعضے بر حال خویش راسخ ماندند لم نقل بہ احد الی قولہ لہذا حیرت بندہ درین باب نسبت بہ حیرت جناب مضاعف خواہد بود سخت حیر تہا دارم کہ کفہائے دست را باہم می سایم از تعاد قلب و جگر نمی دانم بہ جائے خود ست بمقتضائے بشریت نمے تواں گفت یعنی در دو دین ست ۱۲

واضح ہو کہ شیخ صدوق نے اس حدیث کو جس طرح اوپر ہم نے نقل کیا لکھ کر یہ الفاظ اور بڑھا دیے ہیں (فقیل یارسول اللہ من اصحابک قال اہل بیتی) کہ جب حضرت پیغمبر خدا نے فرمایا کہ اصحاب میرے مثل تاروں کے ہیں اور ان کا اختلاف رحمت ہے۔ تب پوچھنے والے نے پوچھا کہ یا حضرت آپ کے اصحاب کون ہیں۔ حضرت نے جواب دیا میرے اہل بیت انہیں الفاظ پر صاحب استقصاء نے اپنے جواب کو جو حدیث سابق کی نسبت ہے۔ استدلال کیا ہے اور حدیث سابق کا ان لفظوں سے جواب دیا ہے (پس اگر در حدیث عیون جواب آن حضرت متعلق بہر دو حدیث باشد و معنایش آن باشد کہ ازین حدیث نجوم ہم مراد اصحاب اند مخالفت و منافقت با حدیث معانی الاخبار و امثال آن لازم می آید لہذا بالبداہت قطعاً ثابت شد کہ جواب امام رضا علیہ السلام متعلق بہر دو حدیث نیست بلکہ آن حضرت فقط حال حدیث و عوالی اصحابی بیان فرمودہ و تفسیر آن باصحابے کہ متغیر و متبدل نہ شدند نمودہ زنگ شبہہ از خاطر اہل ایمان زدودہ) لیکن اس جواب میں بھی چند نقص ہیں (اول) ہم اس عبارت زائد کو صحیح نہیں سمجھتے اور اس کو تحریف شیخ صدوق کی جانتے ہیں کہ حضرت نے اپنے مذہب کے موافق یہ الفاظ بڑھا دیئے ہیں اور یہ صرف ہم اپنی بدظنی سے نہیں کہتے اور ہم شیخ صدوق پر تہمت نہیں لگاتے بلکہ خود انہیں کے علماء ان کی نسبت ایسا خیال کرتے ہیں اور ان کو تحریف کے فن میں استاد جانتے ہیں اگر کسی کو شک ہووے تو وہ ملا باقر مجلسی کی بحار الانوار کو دیکھے کہ ملاے موصوف نے شیخ صدوق کی نسبت کیا فرمایا ہے ایک حدیث میں جو ابی بصیر سے الفاظ شاء ماشاء کے معنی میں منقول ہے۔ صدوق صاحب نے تحریف کی اور الفاظ حدیث کو کم زیادہ کر دیا اور جن لفظوں سے کافی میں منقول تھے نقل نہ کیا۔ اس پر ملا باقر مجلسی نے یہ الفاظ شان میں حضرت کے لکھے ہیں (ہذا الخبر ماخوذ من الکافی و فیہ تغیرات عجیبۃ تورث سوء الظن بالصدوق و انہ انما فعل ذالک لیوافق مذہب اہل العدل و فی الکافی ہکذا الخ) کہ یہ خبر کافی سے لی گئی ہے اور اس میں عجیب تغیر و تبدل کیا گیا ہے جس سے صدوق کی نسبت بدظنی ہوتی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث میں تغیر و تبدیل اس لئے کی ہے کہ اہل عدل کے مذہب کے موافق ہو جاوے اور الفاظ حدیث کافی کے اس طرح پر ہیں فقط کہ اس کو لکھ کر ملا مجلسی نے الفاظ حدیث کافی کے نقل کئے ہیں پس باقرار ملا باقر مجلسی کے ثابت

ہوا کہ حضرت شیخ صدوق ذرا ذرا بات پر الفاظ حدیث کے بدل دیتے تھے اور واسطے موافق کرنے ساتھ اپنے مذہب کے اماموں کی احادیث میں تغیر و تبدل کر دیا کرتے تھے - پس اگر اس حدیث میں جس سے صحابہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور جس کی صحت سے کل مذہب ہی باطل ہوا جاتا ہے کچھ الفاظ زائد کر دیئے ہوں تو کیا عجب ہے بلکہ یقین کرنا چاہیئے کہ ضرور اُنہوں نے اخیر فقرہ بڑھا دیا ہے اور کیوں نہ بڑھاتے اس لئے کہ اگر حدیث کو اُنہیں لفظوں پر ختم کر دیتے اور اصحاب کا پیغمبر صاحب کی زبان سے مثل ستاروں کے ہونا اور ان کی اقتدا کرنا تسلیم کر لیتے تو پھر اپنے مذہب کو کس طرح بچاتے - اس لئے ہم بھی مُلّا باقر مجلسی صاحب کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں اور حضرت شیخ صدوق کے میں اس حدیث میں الفاظ زائد کرنے کی نسبت وہی الفاظ کہتے ہیں کہ (انما فعل ذلک لیوافق مذہب اہل العدل) لیکن اگر کسی کو اِس پر اطمینان نہ ہو اور باوجود اقرارِ مُلّا مجلسی کے صدوق کی تحریف و تغیر پر یقین نہ آوے تو ہم چند دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں کہ الفاظ (فقیل یا رسول اللّٰہ من اصحابک فقال اہل بیتی) بڑھائے ہوئے ہیں ؎

(پہلی دلیل) مولوی علی بخش خان صاحب بہادر اپنے ایک رسالے میں فرماتے ہیں - کہ اصحابی کا لفظ معما تھا یا پہیلی اور چیستان تھی کہ جس کے پوچھنے کی ضرورت ہوتی اور سننے والا نہ سمجھتا اور بالفاظ من اصحابک استفسار کرتا - پس یہ سوال خود اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اپنی طرف سے بڑھایا ہے ؎ (دوسری دلیل) اس حدیث سے اختلاف اصحاب کا ثابت ہوتا ہے اور موافق اصول شیعوں کے اہل بیت باہم مختلف نہیں ہوتے - پس کیونکر اصحاب سے اہل بیت مراد لینا جائز ہوگا اور اختلاف اصحابی لکم رحمۃ کے فقرے کے کیا معنی ہونگے چنانچہ خود اسی حدیث میں بعد اُن الفاظ کے جو ہم نے نقل کئے - شیخ صدوق صاحب یہ فرماتے ہیں کہ (قال محمد بن علی مؤلف ہذا الکتاب ان اہل البیت علیہم السلام لایختلفون ولکن یفتون الشیعۃ بمر الحق وانما افتوہم بالتقیۃ فما یختلف من قولہم فہو التقیۃ والتقیۃ رحمۃ للشیعۃ) کہ مؤلف اس کتاب کا کہتا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام تو کچھ اختلاف نہیں کرتے بلکہ اپنے شیعوں کو صحیح فتوی دیتے ہیں البتہ کبھی کبھی کوئی فتوی تقیہ سے بھی کر دیتے ہیں - پس اختلاف سے مراد تقیہ ہے اور تقیہ شیعوں کے حق میں رحمت ہے - اگرچہ صدوق اور اُن کے پیرو اس جواب پر ناز کریں مگر کوئی اہل عقل اس جواب

کو پسند نہ کرے گا اس لئے کہ تقیہ کے معنی ہیں سچ بات کو بسبب خوف کے چھپانا اور جھوٹ کو ظاہر کرنا۔ پس سوائے حضرات امامیہ کے دوسرا کون ہے کہ جھوٹ بولنے کو رحمت سمجھے گا اور اختلاف اصحابی لکم رحمۃ کے حدیث کو تقیے پر محمول کرے گا۔ لیکن اگر ہم اختلاف کو تقیے پر منحصر سمجھیں تو گویا حدیث کے یہ معنی ہوئے کہ میرے اہل بیت کے جس قول پر کوئی عمل کرے گا وہ ہدایت پائے گا۔ اگرچہ وہ قول باہم مختلف ہوں اور ایک دوسرے سے مخالف ہوں اس لئے کہ اختلاف میرے اہل بیت کا رحمت ہے فقط اور یہ ظاہر ہے کہ ہزارہا احادیث اور اقوال اماموں کے ایسے ہیں کہ جن کو اہل سنت مانتے ہیں اور حضرات امامیہ اُن کو تقیے پر محمول کرتے ہیں لیکن جب تقیہ رحمت میں شمار کیا گیا تو سنیوں کا اُن اقوال پر عمل کرنا جو اماموں نے براہ تقیہ کے فرمائے عین ہدایت ٹھہرا ورنہ اگر تقیے کے قولوں پر عمل کرنے والے خطا پر ہوں اور گمراہ ٹھہرائے جائیں تو پھر معنی ان الفاظ کے کہ (بای اقاویل اصحابی اخذتم اہتدیتم واختلاف اصحابی لکم رحمۃ) کے کیا معنی ہونگے اور کوئی یہ نہ خیال کرے کہ ایمۂ کرام نے جو اقوال اور احکام براہ تقیہ کے فرمائے ہیں وہ مجمل اور مشترک المعنی نہیں ہیں بلکہ نہایت صاف اور صریح ہیں اور یہ بھی کوئی نہ سمجھے کہ اُنہوں نے وقت کہنے اُن اقوال اور دینے اُن احکام کے اس کا خیال نہیں کیا کہ پوچھنے والا اور سننے والا گمراہ ہوگا بلکہ جان بوجھ کر سوچ سمجھ کر اُن[1] اقوال کو فرمایا ہے کہ پوچھنے والا اور سننے والا اُس پر یقین کرے اور کسی طرح پر اُس کو اس قول کی صداقت میں شبہ نہ رہے جیسا کہ علمائے امامیہ نے اس کو خود بیان کیا ہے چنانچہ میر باقر داماد براس الضیا میں فرماتے ہیں کہ جو فتوے ایمۂ کرام نے موافق قاعدۂ تقیہ کے دیے ہیں اُن میں سے بعض ایسے ہیں۔ کہ اُن سے غرض تعلیم ہے تاکہ اُس کا جواز بیان کیا جائے کہ وقت ضرورت کے اُس پر عمل کیا جاوے اور بامید اس کے کہ مومنین کو حق بات بتلا ہی دی گئی ہے اور اُن میں سے بعض فتوے ایسے ہیں کہ جو ایسے پوچھنے والے نے پوچھے کہ اپنے باطل مذہب پر فریفتہ تھا اور اپنے دین کج پر اعلیٰ درجے کا غلو رکھتا تھا۔ تو ایسے شخص کو ایمۂ کرام نے اُسی کے دین و مذہب کے موافق فتوے دے دیئے اس لئے کہ نہ اُس کی ہدایت پانے کی امید تھی

[1] اصل عبارت اس کتاب کی بحث تقیہ میں منقول ہوگی۔

نہ راہِ راست پر آنے کا یقین نھا۔ پس جب اماموں نے خود دیدہ و دانستہ پوچھنے والے کو
فتویٰ اُس کے دین و مذہب کے موافق تبلا دیا تو گو وہ فتویٰ مخالف اور روایتوں کے ہو
لیکن بہ نسبت (اختلاف اصحابی لکم رحمۃ) کے پوچھنے والے کے حق میں رحمت ہو گیا۔ اور
بمقتضائے (بای اقاویل اصحابی اخذتم اہتدیتم) کے اُس پر عمل کرنے والا ہدایت پانے
والوں میں محسوب ہوگا * (تیسری دلیل) صاحب استقصاء نے حدیث عیون اخبار کی
تکذیب پر یہ دلیل بیان کی ہے کہ اگر وہ حدیث صحیح ہووے تو مخالفت دوسری حدیث
سے جو معانی اخبار میں مذکور ہے لازم آتی ہے یہ دلیل بالکل لوچ ہے اس لئے کہ اگر
عبارت زائد پر جو شیخ صدوق نے بڑھا دی ہے لحاظ نہ کیا جاوے تو دونوں کا مضمون
موافق ہوتا ہے نہ مخالف اس لئے کہ عیون اخبار کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں (اصحابی کالنجوم
بایہم اقتدیتم اہتدیتم) اور معانی اخبار کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں (ان مثل اصحابی فیکم کمثل
النجوم بایہا اخذ اہتدی) پس ہم نہیں جانتے کہ دونوں حدیثیں باعتبار معنی کے کیونکر مخالف
ہیں باقی رہی بحث عبارت زائد (فقیل یا رسول اللہ من اصحابک) کے اس کو ہم تحریف شیخ
صدوق کی سمجھتے ہیں اور اس کے دلائل ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ پس اگر ہم تسلیم کریں کہ جو
حدیث اصحابی کالنجوم کو امام موسیٰ رضا نے موضوع اور غیر صحیح فرمایا تو جب اس کی صحت
امام باقر علیہ السلام کے بیان سے ہوتی ہے تو ایک امام کے قول سے دوسرے امام کی
تکذیب لازم آتی ہے۔ ہاں اگر معانی اخبار کی حدیث سے یہ ثابت ہوتا کہ حدیث اصحابی
کالنجوم معناً موضوع اور غلط ہے تو ہم صاحب استقصاء کے جواب کو اُن کے اصول کے
مطابق تسلیم کر لیتے۔ لیکن جب اُس سے بھی اُس کی صحت ثابت ہوتی ہے تو ہم نہایت تعجب
کرتے ہیں کہ مؤلف موصوف نے حدیث معانی اخبار کے بیان کرنے میں سوائے اس کے
کہ حدیث اصحابی کالنجوم کی صحت کو ایک دوسرے امام کے قول سے ثابت کر دیا کیا فائدہ
اپنے واسطے تصور کیا تھا۔ علاوہ بریں غور کرنے کی بات ہے کہ اگر پوچھنے والا یہ سوال نہ
کرتا کہ اصحاب سے مراد کون لوگ ہیں تو یہ کسی کو نہ معلوم ہوتا کہ اصحاب سے مراد اہل
بیت ہیں۔ پس کیونکر قیاس میں آوے کہ اگر پیغمبر خدا یہ حدیث شان میں اہل بیت کی
فرماتے تو وہ ایسا لفظ استعمال کرتے جس کا اطلاق عرفاً اہل بیت پر نہیں ہوتا۔ اور کیونکر
عقل قبول کرے کہ اصحاب کے لفظ کو سائل نہ سمجھا ہوگا اور اس نے اس کے معنی حضرت

سے پوچھے ہونگے اس لئے کہ ہم اکثر احادیث میں دیکھتے ہیں کہ لفظ اصحاب کا آیا ہے اور پھر کسی ایک میں بھی ایسا سوال نہیں دیکھتے۔ مثلاً حدیث (دعوالی اصحابی) کو دیکھنا چاہیئے کہ خود صاحب استقصاء اس کو صحیح بتلاتے ہیں اور امام موسی رضا کی تصدیق کو اسی پر ختم کرتے ہیں تو اس کے بعد یہ عبارت نہیں ہے (فقیل من اصحابک) تو کیونکر ہم جانیں کہ کبھی کسی شخص نے اصحاب کے لفظ کو پیغمبر صاحب سے سن کر اس کے معنی نہ پوچھے اور اس حدیث میں لفظ اصحاب ایسا مغلق اور معما ہو گیا کہ بغیر پوچھنے معنی کے سننے والا اس کے معنی نہ سمجھا اور بدون اس کی شرح دریافت کرنے کے سامع سے نہ رہا گیا وہذہ (مایضحک علیہ الصبیان) (چوتھی دلیل) اگر ہم اس عبارت زائد کو جو معانی اخبار کی حدیث میں ہے موافق قول صدوق کے تسلیم بھی کریں اور عیون اخبار کی حدیث کو معانی اخبار کی حدیث سے مخالف ہونا بھی قبول کریں۔ تب بھی صرف اس وجہ سے کہ دونوں میں مخالفت ہے۔ یہ کیا ضرور ہے کہ عیون اخبار کی حدیث کو غلط ٹھہراویں اور کیوں اس حدیث کو صحیح کہہ کر معانی اخبار کی حدیث کو غلط نہ ٹھہراویں۔ بلکہ غلط ٹھہرانے کی ضرورت ہی نہیں ہے فقط اخیر کا جمایا ہوا فقرہ دور کر کے دونوں حدیثوں کا اختلاف دور کر دیں۔ علاوہ بریں ہم کو صاحب استقصاء کے اس امر پر نہایت تعجب آتا ہے کہ وہ اختلاف کے سبب سے ایک حدیث کو غلط ٹھہراتے ہیں۔ اس لئے کہ حضرت کے محدثین اور علماء نے ایسی احادیث اور اقوال نہیں بیان کئے کہ جن کے اختلاف پر تعجب ہووے۔ ایمۂ کرام اسی کا افسوس کرتے رہے مجتہدین متاخرین اسی غم میں مر گئے اور احادیث کا اختلاف دور نہ کر سکے۔ پس جب اختلاف درجۂ غائت پر پہنچ گیا ہو اور باوجود مساعی جمیلہ متقدمین کے اس کا رفع ہونا محالات میں سے ٹھہر گیا ہو تو ایک دو حدیث کے اختلاف پر کیوں اس قدر افسوس ہے تعجب ہے صاحب استقصاء کی ذات سے کہ حضرت نے اپنے امام اعظم طوسی کا قول ملاحظہ نہیں فرمایا کہ جس میں اقرار ہے کہ فقط کتاب تہذیب میں پانچ ہزار سے زیادہ حدیثیں ہیں جو باہم متعارض اور متناقض ہیں اور جن کا تعارض ہزار تاویل اور تحریف معنوی سے چھپانا چاہا اور نہ چھپ سکا چنانچہ ان کے امام اعظم کی تقریر جو صاحب فوائد مدینہ نے نقل کی ہے یہ ہے (وقد ذکرت ما ورد عنہم علیہم السلام من الاحادیث المختلفۃ التی تخص الفقہ فی کتاب المعروف بالاستبصار وفی کتاب تہذیب الاحکام ما یزید علی خمستہ آلاف

حدیث و قد ذکرت فی اکثرہا اختلاف الطائفۃ فی العمل بہا و ذلک اشہر من ان یخفی) اور
یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ یہ اختلاف صرف راویوں کے سبب سے ہے۔ بلکہ حضرات امامیہ
اس کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ اختلاف خود ایمہ کی طرف سے ہے چنانچہ ملا باقر مجلسی نے
بحار الانوار میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ کوئی شے
سخت زیادہ ہم پر اس سے نہیں ہے کہ ہمارے آپس میں بڑا اختلاف ہے تب امام نے
جواب دیا کہ یہ اختلاف میری طرف سے ہے اور[1] اُسی میں بروایت زرارہ کے لکھا ہے کہ
اُس نے امام باقر علیہ السلام سے ایک مسئلہ پوچھا۔ حضرت امام نے اس کو کچھ جواب
دیا اس کے بعد ایک دوسرا شخص آیا اور اُس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا۔ اس کو برخلاف پہلے
جواب کے جواب دیا۔ کہ پھر تیسرا شخص آیا اُس کو دونوں جوابوں کے برخلاف جواب دیا۔
جب وہ دونوں آدمی چلے گئے تب میں نے کہا کہ یا ابن رسول اللہ اس کا کیا سبب ہے کہ
دو آدمی اہلِ عراق سے آئے اور وہ دونوں آپ کے شیعوں میں سے تھے۔ اور آپ نے
دونوں کو جواب ایک دوسرے سے خلاف دیا ہے۔ امام نے فرمایا کہ یہی ہمارے حق میں
بہتر ہے اور اسی میں ہماری تمہاری خیریت ہے۔ اگر اُس میں تم سب مختلف نہ ہو۔ اور
ایک بات پر متفق ہو جاؤ تو لوگ تم کو نہ چھوڑیں اور ہم تم زندہ نہ رہنے پاویں اور پھر
زرارہ کہتا ہے کہ جب امام جعفر صادق سے اس امر کو میں نے پوچھا تو انہوں نے بھی اپنے
پدر بزرگوار کے موافق جواب دیا اور[2] یہ کوئی نہ سمجھے کہ فقط ایک مسئلے میں دو تین ہی
مختلف احکام ایمہ کرام دیا کرتے تھے بلکہ ستّر تک نوبت پہنچی تھی جیسا کہ بحار الانوار میں
امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ امام موصوف فرماتے ہیں کہ میں ایک بات میں ستّر
پہلو رکھتا ہوں جس سے چاہوں نکل[3] جاؤں۔ غرضیکہ ان اختلافات کو کوئی کہاں تک بیان

---

[1] وہذہ عبارتہ عن محمد ابن بشیر و عزیز عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قلت لہ انہ لیس شیئ اشد علی من اختلاف اصحابنا قال ذالک من قبلی ۱۲ [2] وہذہ عبارتہ عن زرارۃ عن ابی جعفر قال قال سالتہ عن مسئلۃ فاجابنی قال ثم جاء رجل فسألہ عنہا فاجابہ بخلاف ما اجابنی واجاب صاحبی فلما خرج الرجلان قلت یا ابن رسول اللہ رجلان من اہل العراق من شیعتک قدما یسألان فاجبت کل واحد منہما بغیر ما اجبت بالآخر فقال یا زرارۃ ان ہذا خیر لنا و ابقی لنا ولکم لو اجمعتم علی امر واحد لقصدکم الناس ولکان اقل لبقائنا و لبقائکم فقلت لابی عبد اللہ شیعتکم لو حملوہم علی الاسنۃ

کرے جس کو اس باغ کی بہار دیکھنا ہو وہ (باب کتمان الدین عن غیر اہلہ) کو بحار الانوار سے نکال کر ذرا سیر کرے پس جب کہ اختلاف احادیث کا یہ حال ہو اور خود حضرات ائمہ ایک بات میں ستر بات پیدا کرتے ہوں اور ایک وقت میں ایک سوال کے جواب میں اپنے مخلصین شیعوں کو ایسے مختلف جواب دیے ہوں جن میں سے ایک کو دوسرے سے نسبت نہ ہو اور اسی میں اپنی اور اپنے شیعوں کی خیریت سمجھے ہوں تو پھر صاحب استقصاء دو حدیثوں کے اختلاف پر کیوں تعجب کرتے ہیں اور کس لئے اُن کی تطبیق کی فکر فرماتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ اختلاف اُن منافقوں اور جھوٹوں نے کیا ہے جن کو ائمہ اپنے پاس آنے نہ دیتے تھے اور وہ ائمہ کو بدنام کرتے تھے اور اپنی طرف سے حدیثیں اور باتیں بنا کر اُن کی طرف منسوب کرتے تھے اور ائمہ کرام ان سے بیزاری ظاہر کرتے تھے اور ان پر لعنت کرتے تھے۔ اور ان کو کاذب اور ملعون کہتے تھے اور وہ اپنی جھوٹی بنائی ہوئی باتوں کو ائمہ کی طرف منسوب کرتے تھے اور اس امر کو ہم آیندہ شیعوں کی کتابوں سے ثابت کرینگے انشاءاللہ تعالےٰ ؂

دوسری شہادت

صحیفہ کاملہ[1] میں جس کا ایک ایک لفظ حضرات امامیہ کے نزدیک صحت اور اعتبار میں کم از الفاظ قرآنی نہیں ہے لکھا کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا کے اصحاب اور ان کے تابعین کی نسبت ان لفظوں سے دعا کیا کرتے تھے (اللھم واصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاصۃ الذین احسنوا الصحابۃ والذین ابلئوا البلاء الحسن فی نصرہ[1] الخ) کہ خداوندا رحمت نازل کر اوپر اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

بقیہ حاشیہ صلنا :۔ وعلی النساء المضوا ہم یخرجون من عندکم المختلفین قال فسکت واعادت ثلث مرات فاجابنے بمثل جواب ابیہ ۱۲ ۳ وہذہ الفاظ عن ابی عبداللہ قال انی لاتکلم علے سبعین وجہا لے فی کلہا المخرج ۱۲۔

[1] کانفوہ واسرعوا الی وفادتہ وسابقوا الی دعوۃ واستجابوا لہ حیث اسمعہم حجۃ رسالاتہ وفارقوا الازواج والاولاد فی اظہار کلمتہ وقاتلوا الآباء والابناء فی تثبیت نبوتہ وانتصروا بہ من کانوا منطوین علی محبتہ یرجون لن تبور فی مودتہ والذین ہجرت ہم العشائر اذ تعلقوا العروتہ وانتفت منہم القرابات اذ سکنوا فی ظل قرابتہ فلاتنس

خاص کر اوپر اُن اصحاب کے جنہوں نے حق صحبت نہایت خوبی سے ادا کیا۔ اور جنہوں نے سب طرح کی مصیبتوں اور ایذاؤں کو اس کی اعانت میں گوارا کیا۔ اور جنہوں نے مل کر اس کی مدد میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا اور جنہوں نے اس کی رسالت کے قبول کرنے میں بڑی جلدی کی اور اس کی دعوت کی اجابت میں سبقت کی۔ جب اُن کو پیغمبر خدا نے اپنی پیغمبری کی حجتیں بتائیں اُنہوں نے بلا توقف قبول کیا اور ان کے کلمے کے ظاہر کرنے میں اپنے لڑکے بالوں جورو بچوں کو چھوڑا اور اُن کی نبوت کے ثابت کرنے میں اپنے باپ اور بیٹوں کو قتل کیا۔ جب اُنہوں نے پیغمبر کا دامن پکڑا تو اُن کے کنبے قبیلے کے لوگوں نے اُن کو چھوڑ دیا اور جب وہ پیغمبر کے قرابت کے سائے میں آئے تب اُن کے رشتہ داروں نے اُن سے رشتہ توڑ دیا۔ پس خدایا مت بھولنا تو اُن باتوں کو جو پیغمبر کے اصحاب نے تیرے واسطے اور تیرے پیچھے چھوڑا اور راضی کر دینا ان کو تو اپنی رضامندی سے اس لئے کہ اُنہوں نے خلق کو تیری طرف جمع کر دیا اور تیرے پیغمبر کے ساتھ دعوت اسلام کا حق ادا کیا الٰہی وہ شکر کرنے کے لائق ہیں کہ انہوں نے اپنی قوم اور کنبے کے گھر اور اپنے وطن کو تیرے پیچھے چھوڑا اور عیش و آرام کو ترک کر کے ضیق معاش کو تیرے لئے اختیار کیا اور خداوندا اُن کے تابعین کو جزائے خیر دے جو کہ دعا کیا کرتے ہیں کہ پروردگار ہماری مغفرت کر اور ہمارے ان بھائیوں کے جو ہم میں سے ایمان میں سبقت لے گئے ہیں۔ کیسے تابعین جو اُن اصحاب کی چال پر چلتے ہیں اور اُن کے آثار کی پیروی کرتے ہیں اور اُن کی ہدایت کی نشانیوں کی اقتدا کرتے ہیں۔ جن کو کوئی شک اُن کی نصرت میں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۲:۔ لہم اللہم ما ترکوا لک وفیک ارضہم من رضوانک وبما حاشوا الخلق علیک وکانوا مع رسولک دعاۃ لک الیک واشکرہم علی ہجرہم فیک دیار قومہم خروجہم من سعۃ المعاش الی ضیقہ ومن کثرت فی اعزازہ دینک من مظلومہم اللہم واوصل الی التابعین لہم باحسان الذین یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان خیر جزائک الذین قصدوا سمتہم وتحروا وجہتہم ومضوا علی شاکلتہم لم یتنہم ریب فی بصیرتہم ولم یختلجہم شک فی قفو آثارہم والایتمام بہدایۃ منارہم مکانفین وموازرین لہم یدینون بدینہم ویہتدون بہدیہم یتفقون علیہم ولا یتہمونہم فیما ادوا الیہم اللہم وصل علی التابعین من یومنا ہذا الی یوم الدین وعلی ازواجہم وعلی ذریاتہم ۱۲

نہیں ہوتا اور جن کے دل میں کوئی شبہہ اُن کے آثار کی پیروی میں نہیں آتا - کیسے تابعین جو معاون اور مددگار اصحاب کے ہیں اور جو اپنا دین اُن کے دین کے موافق رکھتے ہیں اور جو اُن کی ہدایت کے مطابق ہدایت پاتے ہیں اور جو اصحاب سے اتفاق رکھتے ہیں اور جو کچھ اصحاب نے اُن کو پہنچایا اُس میں اُن پر کچھ تہمت نہیں کرتے ہیں اور خدایا رحمت نازل کر اُن اصحاب کی تبعیت کرنے والوں پر آج کے دن سے جس میں ہم ہیں قیامت تک اور اُن کی ازواج اور ذریات پر فقط - اے مسلمانو اس دعا کے لفظوں پر خیال کرو اور اُن کے معنی غور سے سوچو اور سمجھو کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے دعا میں کن لفظوں سے پیغمبر صاحب کے اصحاب کو یاد فرمایا ہے - اور اُن کے محامد اور اوصاف کو کس خوبی سے بیان کیا ہے - اور ان کی کوششوں اور مصیبتوں کو جو راہ خدا میں اٹھائیں کس طرح پر ظاہر کیا ہے - اور اُن کے حق میں کس سوز دل سے دعا فرمائی ہے - کون شخص ہے کہ جو دعویٰ ایمان اور اسلام کا رکھتا ہو - وہ بعد سننے اس دعا کے پھر صحابہ کی فضیلت میں شک کرے گا - اور کون آدمی ہے کہ جو ائمہ کرام کی امامت کو اصول دین سے سمجھتا ہو گا - اور اُن کے قول وفعل پر عمل کرنے کا دعوی رکھتا ہو گا - وہ امام کی زبان سے ایسی تعریفیں صحابہ کی سن کر ان کا معتقد نہ ہو گا - پوشیدہ نہ رہے کہ جب ہم صحابہ کے فضائل میں احادیث اور اقوال کو اپنی کتابوں سے نقل کرتے ہیں تو حضرات اُن کو موضوع اور غلط کہہ دیتے ہیں اور جب اُن کی کتابوں سے ائمہ کرام کے اقوال کو سند لاتے ہیں تو اس کو تقیے پر محمول فرما دیتے ہیں لیکن یہ دعا صحیفۂ کاملہ کی ایسی ہے کہ جس پر احتمال تقیے کا بھی نہیں ہو سکتا - اس لئے کہ یہ وہ دعا ہے کہ جو امام زین العابدینؑ مناجات میں بوقت خلوت حالت خاص میں خدا سے کیا کرتے تھے اور راز و نیاز کے وقت اصحاب رسول کی تعریفیں خدا کے روبرو کر کے اُن پر درود بھیجا کرتے تھے اور اُن کی کوششوں اور مصیبتوں کو جو خدا کی راہ میں اُٹھائیں - بیان کر کے خدا سے اُن کے لئے طلب رحمت کیا کرتے تھے - پس اُس وقت نہ کسی کا خوف تھا نہ کسی سے اندیشہ کہ جس سے ضرورت تقیہ کرنے کی ہوتی - پس اس دعا میں احتمال تقیہ کی بھی گنجائش باقی نہیں رہی اور امام کی زبان سے اعلےٰ درجے کی تعریف اصحاب رسول کی ثابت ہو گئی - پس حضرات امامیہ کو چاہیئے کہ اول سے آخر تک

اس دعا کو دیکھیں اور لفظ لفظ پر غور فرماویں اور انصاف کریں کہ جب امام علیہ السلام مناجات میں ایسی ستائش اصحاب کی کریں اور اُن کے تابعین کے حق میں دعائے خیر اور بالفاظ (وارضھم من رضوانک واشکرہم علے ہجرہم فیک) اُن کے لئے رضائے ایزدی کے طالب ہوں اور اُن کے مصائب اور تکالیف کو ذریعہ رضوان الٰہی کا جانیں اور اُن کو باعث ترقی دین اسلام کا فرماویں اور پھر بھی آیمہ کی اطاعت کے دعوی کرنے والے اور اپنے آپ کو قدم بقدم ایمہ کے طریقوں پر چلنے والے اپنے آپ کو امامیہ کہنے والے برخلاف اُس کے رسول کی برائیاں بیان کریں اور ان کی ہجو و مذمت کو شعائر دین سے ٹھہراویں اور اُن کی عیب جوئی میں شب و روز صرف اوقات کریں اور اُن کے محامد و اوصاف سے اغماض کر کے مطاعن کے اظہار میں مصروف رہیں اور بجائے دعائے خیر اور طلب رحمت کے ان کے حق میں بد دعا کرنے کو عبادت جانیں اور اُن کی پیروی کو ذریعہ ضلالت و گمراہی کا سمجھیں اور جو کوئی اُن کی چال پر چلنا چاہے اس کو دائرہ اسلام سے خارج جانیں اور جو کوئی اُن پر تہمت کرے اور اُن سے دشمنی رکھے اُس کو بڑا مومن تصور کریں۔ معلوم نہیں کہ ان حضرات کی اصطلاح میں محبت اور ایمان کے کیا معنی ہیں اور عداوت اور کفر کا کیا مطلب ہے۔ اہل سنت جو آیمہ کرام کے اقوال و افعال پر عمل کریں وہ خارجی اور ناصبی کہلاویں اور حضرات شیعہ جو اُن کے اقوال و افعال سے مخالفت رکھیں وہ امامیہ اور دوست اہل بیت کے ٹھہریں (فاعتبروا یا اولی الابصار انّ ہذا الشئ عجیب) جاننا چاہیئے کہ اس دعا سے چند فائدے حاصل ہوئے (اول) امام کا اصحاب کے حق میں دعائے خیر کرنا اور ان پر درود بھیجنا۔ اور اُن کے حق میں گمان نیک رکھنا (دوسرے) اُن اصحاب کا سب سے افضل ہونا۔ جو سب سے اول ایمان لائے اور اصحاب رسول کا خدا کی راہ میں ایذائیں اور مصیبتیں اُٹھانا اور خدا کے لئے گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنا اور پیغمبر کے پیچھے اُن کے قریبی اور رشتہ داروں کا اُن سے قرابت اور رشتہ چھوڑ دینا اور خدا کے دین میں داخل ہونے کے لئے لوگوں کو دعوت اسلام کی کرنا (تیسرے) اصحاب کے تابعین کی فضیلتیں اور اور اُن کی نشانیاں اب ہر ایک امر کی نسبت ہم علٰحدہ علٰحدہ بحث کرتے ہیں *

امر اول امام کا اصحاب کے حق میں دعائے خیر کرنا

اصحاب کے حق میں دعائے خیر کرنا اور اُن کو نیکی سے یاد کرنا درحقیقت پیغمبر خدا علیہ التحیتہ والثنا کے حکم کی اطاعت کرنا ہے۔ اس لئے کہ خود حضرت نے اُن کے حق میں ایسا فرمایا ہے۔ چنانچہ اوپر ہم عیون اخبار سے اس حدیث کو بیان کر چکے ہیں کہ حضرت پیغمبر خدا نے فرمایا کہ دعوالی اصحابی کہ میرے اصحابوں کو میرے لئے چھوڑ دو اور میری صحبت کے حقوق کی اُن کے حق میں رعایت کرو اور اس کی تائید میں اور احادیث اور اقوال نقل کرتے ہیں۔ (اول) حدیقۂ سلطانیہ کی جلد سوم بحث نبوت میں جناب میرن صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ جب پیغمبر صاحب کا وقت وفات قریب آیا تو حضرت نے منبر پر جاکر اصحاب سے پوچھا کہ میں کیسا پیغمبر تھا۔ سبھوں نے عرض کیا۔ کہ جو کچھ صبر خدا کی راہ میں آپ نے گوارا کیا۔ اُس کی جزائے خیر خدا آپ کو دے تب حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا (خدا شمارا نیز جزاے خیر دہد) کہ یہ روایت صفحہ ۳۲۸ حدیقۂ سلطانیہ میں موجود ہے پس معلوم نہیں کہ اُس وقت جب کہ ہزاروں اصحاب موجود تھے اور واسطے وداع پیغمبر خدا کے مسجد میں جمع ہوئے تھے۔ حضرت کا اُن سے مخاطب ہو کر یہ فرمانا کہ خدا تم کو جزائے خیر دے کس امر پر محمول کیا جاوے اور کیونکر ایسے اصحاب کے حق میں گمان نیک نہ کیا جاوے (دوسرے) تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام میں لکھا ہے کہ (ان رجلاء من یبغض آل محمد و اصحابہ او واحدا منہم لیذبہ اللہ عذابا لو قسّم علی مثل ما خلق اللہ لاہلکم اجمعین) کہ اگر کوئی شخص دشمنی رکھے آل محمد سے اور اصحاب محمد سے یا ایک سے بھی منجملہ اُن کے اُس پر خدا ایسا عذاب کرے گا کہ اگر وہ تقسیم کیا جاوے تمام خلق پر تو وہ سب ہلاک ہو جاویں۔ پس جس طرح پر آل محمد کی دشمنی حرام ہے اسی طرح پر اصحاب محمد کی عداوت حرام ہے (تیسرے) پیغمبر خدا نے اپنے اصحاب کے سب و دشنام سے منع کیا ہے۔ چنانچہ جامع اخبار میں کہ معتمدین کتب شیعہ سے ہے منقول ہے (قال النبی من سبنی فاقتلوہ ومن سب اصحابی فاجلدوہ) کہ جو کوئی مجھے بُرا کہے اُس کو قتل کرو۔ اور جو کوئی میرے اصحاب کو بُرا کہے اس کو دُرّے لگاؤ (چوتھے) کتاب مفتاح الشریعت اور مفتاح الحقیقت میں جس کو ملا باقر مجلسی نے بحار الانوار میں

اور قاضی نور اللہ شوستری وغیرہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف سے منسوب کیا ہے کہ غیبت بہت بُرا عیب ہے اور بہتان اور افترا اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور عوام آدمیوں کے حق میں غیبت اور بہتان گناہ کبیرہ ہے نہ کہ اصحاب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں کتنا بڑا گناہ ہوگا۔ پس اُن کے حق میں اعتقاد نیک رکھنا ضروریات سے ہے اُن کے فضائل بیان کرنے میں رطب اللسان رہنا چاہیئے اور اُن کے دشمنوں کی صحبت سے نفرت رکھنا چاہیئے کہ اُس سے نفاق خفی دل میں پیدا ہوتا ہے الخ۔ پس باوجود اس کے کہ یہ روایتیں خود شیعوں کی کتابوں میں موجود ہوں اور پیغمبر خدا کا اور آیمہ کرام کا دعاے خیر کرنا اصحاب کے حق میں ثابت ہوا اور پھر وہ اصحاب کے کینیے کو افضل عبادت جانیں اور لعنت کرنے کو جو کہ خود انہیں پر لوٹتی ہے۔ عمدہ ترین طاعت جانیں اور جن پر امام زین العابدین اور دیگر آیمہ کرام درود بھیجیں اُن پر تبرّا کریں اور اُٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے سواے لعنت کے اپنی زبان پر دوسرا لفظ نہ لاویں اور بجائے لعنتیہ کے اپنے فرقے کا نام امامیہ رکھیں ؛

امر دوم پیغمبر خدا کے یاروں کا ایمان کے سبب سے مصیبت اور ایذا پانا اور جو سب سے اول ایمان لائے اُن کا اوروں سے افضل اور بہتر ہونا

اس دعا سے امام علیہ السلام کے پیغمبر خدا علیہ التحیتہ والثنا کے اصحاب کرام کے جو فضائل ثابت ہوتے ہیں کہ اُن کا پیغمبر صاحب کی مددگاری میں مصائب اور تکالیف کا پانا حضرت کی محبت میں اپنے بال بچوں اور گھر بار کو چھوڑنا اور اپنے وطن سے ہجرت کر جانا اثبات نبوت میں اپنے باپ بیٹوں عزیزوں کو قتل کرنا پیغمبر خدا کی دعوت کو قبول کرنا اور خلق کو خدا کی طرف جمع کر دینا ان فضائل کو امام نے اس تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ کسی شیعہ کو کیسا ہی متعصب کیوں نہ ہو اُس کی تکذیب اور تاویل کی جرأت باقی نہیں رہی۔ اس لئے کہ کتاب صحیفہ کاملہ ایسی معتبر کتاب ہے کہ حضرات شیعہ اُس کو زبور آل محمد کہتے ہیں اور اُس کی لفظ لفظ اور حرف حرف کو صحیح جانتے ہیں اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ پس ان فضائل کو جو امام نے بیان کئے دیکھ دیکھ کر گو دل میں جلتے ہوں اور اپنے محدثین اور علماء کو اُس کی تصدیق و تصحیح پر بُرا

بھلا کہتے ہوں۔ لیکن کسی طرح پر اس کی تکذیب نہیں کر سکتے باقی رہی تاویل اس کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) یا یہ کہ اُن فضائل کا مصداق سوائے صحابہ کے اور کسی کو گردانیں جیسا کہ حدیث اصحابی کالنجوم وغیرہ میں گردانا۔ (۲) یا یہ کہ اس کو تقیے پر محمول فرماویں جیسا کہ اور احادیث آئمہ میں کیا ہے۔ (۳) یا کہ اُن فضائل کو اپنے مقبولین صحابہ کے حق میں قبول کریں اور اکثر مہاجرین اور انصار کو خصوصاً خلفائے ثلثہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کو اُس سے خارج سمجھیں۔ لیکن تینوں طرح سے تاویل کا دروازہ بند ہے اور سوائے اس کے کہ موافق ہمارے مذہب کے ان فضائل کو تمام مہاجرین و انصار کی نسبت خصوصاً خلفائے ثلثہ کے حق میں تسلیم کریں اور دوسرا چارہ نہیں ہے۔ چنانچہ ہم تینوں تاویلوں کا بطلان ثابت کرتے ہیں۔ امر اول کہ مصداق ان فضائل کے اصحاب رسول نہیں ہیں۔ اس کا خود کسی شیعہ نے دعوٰے نہیں کیا۔ بلکہ ان فضائل کا صحابہ کی شان میں وارد ہونے کو اُن کے علما نے قبول فرمایا ہے چنانچہ صاحب نزہۂ اثنا عشریہ نے بجواب جلد چہارم تحفہ کے اس کو تسلیم فرمایا ہے۔ و ہذہ عبارتہ (کہ امامیہ جمیع اصحاب را مقدوح و مجروح نمی دانند بلکہ بسیاری از صحابہ عظام را جلیل القدر و ممدوح بلکہ از اولیای کرام می دانند و مستحق رحمت و رضوان ملک منان می پندارند در صحیفۂ کاملہ کہ فرقۂ حقہ آن را زبور آل محمد گویند۔ دعائیکہ از حضرت سید الساجدین علیہ السلام ماثور ست شاہد عدل این دعوی ست)۔ رہا امر دوم کہ امام نے یہ فضائل براہ تقیہ کے بیان کئے ہیں۔ اس کو بھی کسی عالم نے علمائے شیعہ سے بیان نہیں کیا اور کیونکر لفظ تقیے کا اس موقع پر زبان پر لاتے اس لئے کہ یہ فضائل جو امام نے بیان کئے وہ کسی ناصبی اور خارجی اور دشمن اہل بیت اور دوست صحابہ کے سوال کے جواب میں بیان نہیں فرمائے کہ احتمال تقیے کا ہوتا اور حضرات شیعہ یہ کہہ کر کہ امام نے بخوف جان و آبرو سائل ناصبی کے ظلم سے بچنے کے لئے جھوٹی تعریف اصحاب کی کر دی۔ جان بچا لے جاتے بلکہ یہ تعریف امام نے خدائے جل شانہ سے بوقت دعا کی ہے۔ جس وقت سوائے اُن کے اور خدا کے دوسرا نہ ہوتا تھا۔ اور خلوت میں راز و نیاز کا دفتر پروردگار کے حضور میں کھولا جاتا تھا امام داعی ہوتے تھے اور خدا مجیب ہوتا تھا۔ پس خیال کرنا چاہیئے کہ اصحاب رسول کی عزت اور بزرگی امام کے دل میں کس درجے پر تھی کہ ایسے راز و نیاز کے

وقت میں بھی اُن کو نہ بھولتے تھے اور جس طرح پر اپنے اور اپنے اہل بیت کے لئے دعا کرتے تھے اور انبیا و رسل کے حق میں درود بھیجتے تھے۔ اسی طرح پر اصحاب رسول کے لئے دعا فرماتے اور اُن پر صلوٰت و رحمت کی استدعا کرتے تھے۔ اگر کاش حضرت امام اللہم صل علی محمد و آل محمد و اصحاب محمد کہہ کر قناعت کرتے تو بھی کافی تھا اور دعا کے وقت اُن کے محامد اور اوصاف کے دفتر کھولنے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر قربان امام سجاد علیہ السلام کی محبت اور انصاف کے کہ انہوں نے اتنے پر قناعت نہ کی اور اپنے خدا کے سامنے اپنے دادا کے یاروں کے ایمان اور مصائب اور تکالیف کی تفصیل بیان کر کے اُن پر رحمت نازل کرنے کے لئے دعا کی۔ اور نہ صرف دعا کی بلکہ مہاجرین کی محنتوں اور کوششوں اور مصیبتوں کا ذکر کر کے اُن کی شکر گذاری خدا سے چاہی۔ اسی واسطے حضرت نے اس دعا میں فرمایا (واشکرہم علی ہجرہم) کہ خداوندا مہاجرین نے جو ہجرت تیرے واسطے کی اور اپنے گھر بار کو تیرے پیچھے چھوڑا اُس کی شکر گذاری کر۔ پس کون شخص ہے کہ ان الفاظ اور فقرات کو دیکھ کر امام کی محبت کا ساتھ صحابہ کے معتقد نہ ہوگا۔ اور کسی کی زبان سے حرف عداوت کا باہم صحابہ اور اہل بیت کے نکلے گا۔ لیکن آفرین ہے حضرات شیعہ کے ایمان اور محبت پر کہ اپنے آپ کو امامیہ کہیں اور آئمہ کرام کی خلوص محبت کا دعوٰے کریں اور اپنے آپ کو پیرو اماموں کا جانیں اور باایں ہمہ صحابہ کی عداوت رکھیں اور جس قدر امام اُن کی تعریف کریں اُس سے ہزار حصہ بڑھ کر وہ اُن کی برائیاں بیان کریں۔ اور اگر کسی سُنی بیچارے کی زبان سے بہ تبعیت آئمہ کرام اللہم صل علی محمد و آل محمد کے بعد اصحاب محمد نکل جاوے تو غیظ میں آکر اُس کو غصے سے دیکھنے لگیں اور اتنی ہی بات پر اس کو خارجی اور ناصبی کہنے لگیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جو امور ابطال اسلام و ایمان کے پردے میں محبت اہل بیت کے حضرات شیعہ نے کئے ہیں۔ وہ دشمنوں سے بھی نہیں ہوتے ولنعم ما قیل شعر

آنچہ بہ فیضی نظر دوست کرد ۔۔۔ مشکل اگر دشمن جانے کند

باقی رہا امر سوم کہ ان فضائل کے مصداق صرف وہی اصحاب ہیں۔ جن کو علمائے شیعہ اچھا جانتے ہیں اور اکثر مہاجرین اور انصار خصوصاً خلفائے ثلثہ اس سے خارج ہیں سو اس کا دعوٰے سب علمائے شیعہ نے کیا ہے اور اسی تاویل کو جواب ان فضائل کا

تصور فرمایا ہے۔ لیکن جب اس امر کو حضرات شیعہ نے تسلیم کر لیا کہ وہ فضیلتیں جو امام نے اس دعا میں بیان کی ہیں وہ اصحاب کرام کی شان میں ہیں تو مابہ النزاع درمیان ہمارے اور حضرات کے صرف یہ امر رہ گیا کہ مراد اُس سے تمام مہاجرین و انصار ہیں یا نہیں بلکہ اصل تصفیہ اس امر پر منحصر رہا کہ خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم بھی اُس میں داخل ہیں یا نہیں۔ چنانچہ ہم دعوے کرتے ہیں کہ جو فضائل امام نے بیان کئے ہیں وہ تمام مہاجرین و انصار پر خصوصاً خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم صادق ہیں۔ اس لئے کہ وہی لوگ وہ ہیں جن کے افعال اور اعمال اور سیرت اور چال اور چلن سے ثابت ہوتا ہے کہ (ابلئوا البلاء الحسن فی نصرہ و کانفوہ واسرعوا الی وفادتہ و فارقوا الازواج والاولاد فی اظہار کلمتہ) یعنی اُنہوں نے سب طرح کی بلاؤں اور مصیبتوں کو پیغمبر صاحب کی اعانت میں گوارا کیا اور حضرت کی دعوت کو سب سے اول سنا اور بال بچوں آل اولاد گھر بار کو اس کے کلمے کے ظاہر کرنے میں چھوڑا اور اس دعوے کو بھی ہم ثابت کرتے ہیں۔ جب پیغمبر خدا علیہ التحیتہ والثنا نے مکۂ معظمہ میں دعوئے نبوت کا کیا۔ اور لوگوں کو بحکم پروردگار اسلام کی خوبیوں سے آگاہ کیا۔ تو آہستہ آہستہ لوگوں نے اسلام قبول کیا اور کفار قریش نے ان لوگوں کو جو حضرت پر ایمان لائے تھے ستانا اور ایذا دینا شروع کیا۔ یہاں تک کہ برادری اور قرابت اُن سے چھوڑ دی اور اپنے گروہ سے اُن کو خارج کر دیا اور خرید فروخت اُن سے بند کر دی مگر اُن مومنین نے اسلام کو نہ چھوڑا اور سب کو چھوڑ کر پیغمبر صاحب کا دامن پکڑا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ تمام مہاجرین اُسی گروہ میں داخل ہیں۔ خصوصاً خلفائے راشدین اُن سب کے پیشوا ہیں تو سوائے اُن کے یہ فضائل اور کس پر صادق ہونگے اور اگر وہی خارج کر دیئے تو وہ لوگ جنہوں نے ایمان قبول کیا اور جن کو کفار نے ستایا کون سے تھے اور کس ملک سے آئے اور کہاں رہتے تھے۔ ذرا کوئی حضرات شیعہ سے اُن کے نام اور حالات کو پوچھے اور دیکھے کہ وہ سوائے انہیں مہاجرین اور خلفائے راشدین کے کسی دوسرے کا نام بتلاتے ہیں یا نہیں۔ ہم نے جہاں تک شیعوں کی کتابوں کو دیکھا اور جو کچھ اُن کے عالموں سے سنا تو یہی دیکھا اور سنا کہ انہیں مہاجرین اور خلفائے راشدین کا وہ بھی نام لیتے ہیں اور انہیں کو ایمان لانے والوں میں

شمار کرتے ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ ہم ان کے ایمان کو صدق دل سے تصور کرتے ہیں اور وہ اس کو نفاق پر یا طمع دنیا پر یا کاہنون اور نجومیوں کے سننے پر محمول کرتے ہیں لیکن اس کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ لوگ ظاہر میں ایمان لائے۔ اور پیغمبر خدا علیہ التحیتہ والثنا کی نبوت کے معتقد ہوئے جیسا کہ حملۂ حیدری کا مؤلف لکھتا ہے کہ پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام وعظ و نصیحت کیا کرتے اور ایک ایک دو دو آدمی اُن پر ایمان لایا کرتے کما قیل ابیات

دگر وعظ و ارشاد بر این نسق	در ابطال اصنام اثبات حق	نمودی حبیب خدائی جہان
نہ کردی ولی کار در مشرکان	بخواندی مدام از کلام مجید	بران قوم آیات وعد و عید
نمودی اثر گفتہ اش گاہ گاہ	کہ بگذاشتی یک دو کس یا براہ	ولیکن نہ جملہ ز راہ یقین
یکی بہر دنیا یکی بہر دین	نہادان سد گر بگیرد خطا	کہ دنیا کجا بود با مصطفا
چنین ست بنیانہ بود آن زمان	ولی بود آیندہ منظور شان	خبر دادہ بودند چون کاہنان
کہ دین محمد بگیرد جہان	ہمہ پیروانش بہ عزت رسند	تمام اہل انکار ذلت کشند
یکی کرد از ین راہ ایمان قبول		یکی محض بہر خدا و رسول

اور اس امر کو کہ کوئی مہاجرین میں سے بہ نفاق یا بہ طمع دنیا یا باستماع اخبار کاہنان ایمان نہیں لایا بلکہ صدق دل سے ہر ایک نے اسلام قبول کیا۔ ہم آگے ثابت کرینگے لیکن اس مقام پر ہم اتنا ہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرات شیعہ ان لوگوں کا اسلام لانا قبول کرتے ہیں اور اُن کو منکرین نبوت سے نہیں جانتے۔ چنانچہ یہ بات انہیں چند اشعار سے ثابت ہوگئی اور چونکہ اور علما کا بھی یہی قول ہے اس لیئے اور کتابوں کی سند لانا تحصیل حاصل ہے باقی رہا اُن مسلمانوں کا ایذا اور مصیبت اُٹھانا۔ اور کفار قریش کے ہاتھ سے تنگ ہونا۔ اس کو بھی علمائے شیعہ تسلیم کرتے ہیں اور اُنہیں مہاجرین کا جن کو وہ منافق اور مرتد جانتے ہیں (ونعوذ باللہ من ذلک) کفار قریش کے ہاتھ سے مصیبت پانے کا اقرار کرتے ہیں۔ چنانچہ مؤلف موصوف لکھتا ہے کہ جب پیغمبر خدا بسبب محافظت ابوطالب کے کفار کو قدرت نہ ہوتی تو ان کے اصحاب کو ستاتے اور ایذا

[1] حملۂ حیدری جلد اول صفحہ ١٥٠، سطر ١٢، مطبوعہ مطبع سلطانی ١٢٦٧ ہجری ١٢

دیتے کماقیل ابیات

ولی چون ابوطالب نامور
رسانیدی اصحاب او را شکست
نمودندی اعدای او از غلو
بدیگر ستمہاے بیرون ز حد
پس انگہ نشاندی چناں بشیاب
زدی تازیانہ زخلف امام

نگہبان او بود ازین بیشتر
بہر کوے و ہر برزن و ہر حرم
بہر گونہ آزار و ایذاے او
فگندی زہر سو بسر خاک شان
دران ریگ تفتندہ از آفتاب
وگر ظلمہاے ہلاکت مآل

بایذای او کس نمی یافت دست
کہ کردی ز اصحاب او کس گذر
بہ ضرب و بشتم و بمشت و بلکد
نمودی برہنہ تن پاک شان
بریدی ازان قوم آب طعام
کہ آرد بیانش بدلہا ملال

نمودندی آن ناکسان شقی
بران زمرۂ مومن و متقی

اب کوئی حضرات شیعہ سے پوچھے کہ باوجود تصدیق اس امر کے کہ اصحاب نبی پر کفار کے ہاتھ سے اس قسم کی مصیبتیں اور تکلیفیں پہنچتی تھیں اور وہ اُس پر صبر کرتے تھے اور پیغمبر صاحب سے جدا نہ ہوتے تھے اور اعلاء کلمۃ اللہ میں دن رات سعی بلیغ کرتے رہتے تھے تو اگر ان لوگوں کے حق میں وہ صفات جو امام نے بیان کیے صادق نہیں ہیں تو پھر وہ دوسرے لوگ کون ہیں جو مصداق اُن صفات کے ہیں۔ اگر حضرات شیعہ انصاف کو دخل دیں اور تعصب اور عناد کو چھوڑیں اور امام کے اس کلام پر غور کریں (الذین ہجرتہم العشائر اذ تعلقوا بعروتہ وانتفت منہم القرابات اذ سکنوا فی ظل قرابتہ) اور پھر صحابہ کرام کے حالات کو خود اپنی ہی کتابوں سے نکال کر دیکھیں۔ تو تمام مہاجرین کو مصداق اس مضمون کا پاویں اور کسی ایک کو اُس فضیلت سے مستثنٰی نہ کریں۔ لیکن اگر اس پر بھی حضرات شیعہ کی خاطر جمع نہ ہو اور خلفائے راشدین کے ایمان اور اسلام کی تفصیل بقید اُن کے نام کے چاہیں تو اُس کو بھی غور سے سنیں۔ اور اپنی ہی کتابوں کی سند لیں ؛

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے کا حال

حضرات شیعہ اقرار کرتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رض اُنہی چند لوگوں میں ہیں جو سب سے اول ایمان لائے اور جنہوں نے اوروں سے پہلے پیغمبر صاحب کی نبوت کو تصدیق کیا۔

لہ جلد اول حملۂ حیدری صفحہ ۱۶ ۔ سطر ۱۸ مطبوعہ مطبع سلطانی ۱۲۶۷ھ ہجری ۱۲ منہ

چنانچہ ہم صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے کا حال آیۂ غار کے بیان میں لکھ چکے ہیں۔ اس مقام پر صرف اُن اعتراضات کو بہ تفصیل رد کرتے ہیں جو کہ حضرت صدیق اکبر کے ایمان پر علمائے شیعہ نے کئے ہیں منجملہ اُن اعتراضات کے جو ابو بکر صدیق رض کے ایمان پر حضرات شیعہ کرتے ہیں ایک یہ ہے کہ انہوں نے کاہن سے سُنا تھا کہ ایک پیغمبر پیدا ہوگا اور اُس پر ایمان لانے والے اور اُس کی اطاعت کرنے والے بڑے مرتبے پر پہنچیں گے اس لئے وہ ایمان لائے چنانچہ مؤلف حملہ حیدری[1] بھی مثل اپنے اور علما کے لکھتا ہے **ابیات**

ابابکر ازاں پس بره پا گذاشت	که گفتار کاهن بدل یاد داشت	باد کاهنے داده بود این خبر
که مبعوث گردد یکے نامور	زبطحا زمین در ہمیں چندگاه	بود خاتم انبیاے آله
تو با خاتم انبیا بگروے	چو او بگذرد جانشینش شوے	زکاهن چه بودش بیاد این نوید
بیاورد ایمان نشان چون بدید	لیکن یہ قول باطل ہے۔	چند دلیلوں سے

(پہلی دلیل) اگر یہ امر تسلیم کیا جاوے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاہن کے کہنے سے ایمان لائے تو ضرور اُس کے کہنے کو سچ جانا ہوگا تو جس طرح پر اس کے اس کہنے کو تصدیق کیا کہ خلافت بعد رسول کے اُن کی ہوگی۔ اُسی طرح پر اس کہنے کو بھی تصدیق کیا ہوگا کہ وہ نبی برحق ہونگے اور اُن کا دین سچا ہوگا تو ضرور وہ پیغمبر صاحب کو سچا پیغمبر سمجھ کر ایمان لائے ہونگے پس اس سے بھی تصدیق رسالت ثابت ہوتی ہے اور اسی کا نام ایمان ہے اور اسی سے حضرات شیعہ انکار کرتے ہیں اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دل سے ایمان لانے والا نہیں کہتے چنانچہ مجتہد صاحب ذو الفقار[2] میں لکھتے ہیں کہ (خلیفۂ اول از اول امر از ایمان بہرہ نداشت باتفاق من علماء الامامیہ) لیکن اگرچہ جناب مجتہد صاحب قبلہ وکعبہ نے یہ دعویٰ کیا کہ تمام علما کا اتفاق ہے کہ ابو بکر صدیق اول سے ایمان نہ لائے تھے۔ مگر حضرت سے غلطی ہوئی اس لئے کہ علامہ حلی نے شرح تجرید میں لکھا ہے کہ خود علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا ہے کہ (امنت قبل ان

[1] جلد اول حملہ حیدری ۔ صفحہ ۱۴۲ ۔ سطر ۱۸ ۔ مطبوعہ مطبع سلطانی ۱۲۶۷ھ ہجری ۱۲ منہ ۔

[2] ذو الفقار صفحہ ۵۸ سطر ۲۰ مطبوعہ لدھیانہ ۱۲۸۱ھ ہجری ۔

آمن ابو بکر) کہ میں ایمان لایا قبل اس کے کہ ابو بکر ایمان لائے ہوں تو جب حضرت علی کے قول سے اُن کا ایمان لانا ثابت ہوا تو پھر مجتہد صاحب کا کہنا کون سنتا ہے (دوسری دلیل)، معلوم نہیں کہ کاہن نے صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پیغمبر صاحب کے نبی ہونے کا حال کہا تھا اور صرف ایک وہی کاہن کی تصدیق کر کے ایمان لائے تھے یا اور اصحاب بھی۔ ہم جہاں تک شیعہ کی کتابوں سے واقف ہیں۔ اُن کے اقوال مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ اکثر اصحاب کاہنوں کے کہنے سے ایمان لائے جیسا کہ حملۂ حیدری کے اُن اشعار سے ظاہر ہوتا ہے جو اوپر نقل کئے گئے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں صرف ایک دو ہی شخص کاہن کے کہنے سے ایمان لائے جیسا کہ نزہۂ اثنا عشریہ کا مؤلف فرماتا ہے (وہم آنکہ قول او اگر بقول کہنہ و منجمین الخ مدفوع ست، زیرا کہ امامیہ این معنی را در حق اکثر صحابہ روایت نہ کردہ اند بلکہ در حق یک دو شخص) پس اگر یہ امر تسلیم کیا جائے کہ اکثر صحابہ کاہنوں کے کہنے سے ایمان لائے تو کچھ جائے اعتراض حضرات شیخین پر نہیں ہے اور اصحاب مقبولین امامیہ کی اُس گروہ میں سے مستثنےٰ ہونے کی وجہ نہیں ہے تو جب امامیہ کے صدیق اُن کے کہنے سے ایمان لائے تو اہل سنت کے صدیق بھی اگر اُن کے کہنے سے ایمان لائے تو کیا گناہ کیا۔ اور اگر یہ بات مانی جاوے کہ صرف یہی دو شخص کاہنوں کے کہنے سے ایمان لائے تو معلوم نہیں کہ اُنہوں نے کاہنوں کے قول کو سچ جانا یا نہیں اگر سچ جان کر ایمان لائے تو کچھ خلل اُن کے ایمان میں نہیں ہوا۔ اس لئے کہ اور لوگ بھی منجملہ اصحاب مقبولین شیعہ کے ایسے ہیں کہ جو پچھلی کتابوں کی پیشین گوئیوں کو دیکھ کر ایمان لائے یا خواب میں پیغمبر صاحب کی نبوت کی تصدیق کر کے مسلمان ہوئے تو اگر حضرات شیخین بھی کاہن کے کہنے سے ایمان لائے تو کیا ہرج ہے: (تیسری دلیل) یہ قول شیعوں کا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کاہن کے کہنے سے ایمان لائے اُنہی کے علماء کے اقوال سے غلط ہوتا ہے اس لئے کہ اُن کے علماء نے لکھا ہے کہ ابو بکر صدیق نے خواب دیکھا تھا اور اُس کے سبب سے ایمان لائے تھے جیسا کہ قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں لکھا ہے (کہ ابو بکر بہ برکت خواب کہ او دیدہ بود مسلمان شدہ بود) (چوتھی دلیل) اگر حضرات شیعہ کے اس کہنے سے کہ ابو بکر صدیق کاہن کے کہنے سے ایمان لائے یہ غرض ہو کہ وہ دل سے ایمان نہیں لائے تو اس کی تکذیب اُن کے حالات سے ہوتی ہے اس

لئے کہ وہ ہمیشہ دعوت اسلام میں سعی بلیغ کرتے اور لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرتے اور اپنے دوست آشناؤں کو سمجھا سمجھا کر حضرت کا مطیع بناتے اور پیغمبر صاحب سے علانیہ دعوت اسلام کرنے کے واسطے درخواست کیا کرتے اور غلاموں کو خرید خرید کے خدا کی راہ میں آزاد کرتے اور اپنے مال اور جان کا نقصان گوارا کرتے کہ ان سب باتوں کا ثبوت امامیہ کی کتابوں سے ہوتا ہے تو کیا کوئی عاقل اس کو قبول کرے گا کہ جس کی کوششیں اور محنتیں اجراے دین میں غایت درجے پر پہنچی ہوں اور جس کو اعلاء کلمۃ اللہ میں اپنی جان و مال کا خیال نہ ہو وہ خود دل سے پیغمبر صاحب کو سچا نبی اور اسلام کو سچا دین نہ سمجھتا ہو ایسی بات حضرات امامیہ کی زبان سے نکل سکتی ہے ورنہ کوئی نادان بھی اس کو نہ مانے گا۔ اور واسطے ثبوت اس امر کے کہ حضرات شیخین نے پیغمبر صاحب کو اظہار دعوت اسلام پر برانگیختہ کیا۔ اور انہی کے اصرار سے حضرت نے اظہار دعوت فرمایا اور اسی وجہ سے شیخین نے صدمہ اٹھایا۔ ہم قول صاحب استقصاء الافحام کا نقل کرتے ہیں مؤلف موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ (مگر ناصبی پیغمبر خدا را کہ از خوف کفار در حصن غار اختفا فرمودہ و در بدو اسلام از اظہار دعوت علانیہ احتراز داشتہ تا آنکہ شیخین دل تنگ شدہ آن حضرت را حث و ترغیب باظہار دعوت کردند و آن حضرت بنا بر اظہار علام مصلحت از جہت اصرار ایشان از اعلان مانع نیامدہ حتی اصاب اولہما ما اصاب و قال ثانیہما ایعبد العزی واللات علانیۃ ویعبد اللہ سرا از خوف خدا ناکل و بخوف غیر مائل می داند) (پانچویں دلیل) اگر فرض کیا جاوے کہ ابوبکر صدیق سچے دل سے ایمان نہیں لائے اور (عیاذا باللہ) کافر تھے جیسا کہ جابجا مجتہد صاحب نے اس عقیدے کو ظاہر کیا ہے چنانچہ ذوالفقار[1] میں فرماتے ہیں (اول ایمان اصحاب ثلثہ باثبات باید رسانید بعد ازین باین افسانہ بیہودہ ترنم باید نمود زیرا کہ واضح است کہ مسلک امامیہ درین باب انیست کہ اصحاب ثلثہ از اول امر از ایمان بہرہ نداشتند) اور مجتہد صاحب کے مقلد صاحب استقصاء الافحام اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ (فان کفرہم و ارتدادہم واضح لاستر فیہ) کہ کفر اور ارتداد خلفائے ثلثہ کا ایسا واضح ہے کہ وہ کچھ چھپا ہوا نہیں ہے۔ پس

[1] ذوالفقار صفحہ۔ ۹۔ سطر۔ ۱۔ مطبوعہ لدھیانہ ۱۲۸۱ ہجری ۱۲

اگر مطابق اصول شیعہ کے کفر اور عدم ایمان حضرت ابوبکر صدیق کا فرض کیا جاوے تو تمام مہاجرین و انصار بلکہ تمام اصحاب کا کافر ہونا لازم آتا ہے۔ اس لئے کہ سبھوں نے اُن کو اپنا سردار بنایا اور بعد پیغمبر خدا کے اُن کو خلیفہ کیا اور اُن کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ بیعت کرنے والے اور اُن کو خلیفہ بنانے والے دس بیس سو دو سو ہزار دو ہزار آدمی نہ تھے بلکہ لاکھوں تھے اس لئے کہ اصحاب نبوی بعد پیغمبر خدا علیہ التحیتہ والثنا کے بروایتے ایک لاکھ سے زیادہ اور بروایت ملا باقر مجلسی جو انہوں نے تذکرۃ الائمہ میں لکھی ہے چار لاکھ تھے تو جب چار لاکھ آدمی عیاذاً باللہ ایک کافر کو اپنا سردار بناویں تو پھر اُن کے کفر میں کیا شک رہا یہ امر کہ سب مسلمانوں نے جو اُس وقت تھے ابوبکر صدیق کی بیعت کے باقرار علماے شیعہ ثابت ہے۔ جیسا کہ شریف مرتضیٰ کے قول سے ظاہر ہے جو بحار الانوار کے مجلد تین میں منقول اور جس کا ترجمہ مجتہد صاحب نے باین الفاظ کیا ہے (جمیع مسلماناں با ابوبکر بیعت کردند و اظہار رضا و خوشنود خوشنودی باو و سکون و اطمینان بسوے او نمودند و گفتند کہ مخالف او بدعت کنندہ و خارج از اسلام است) سبحان اللہ کیا دین و ایمان ہے حضرات شیعہ کا کہ حضرت صدیق اکبر کی عداوت سے دین محمدی کو باطل کرتے ہیں اور چار لاکھ مسلمانوں کو جو مہاجرین اور انصار اور مجاہدین تھے اور جن میں بنی ہاشم اور اہل بیت نبوی بھی داخل تھے اُن سب کو صراحۃً اور کنایۃً کافر بتاتے ہیں (نعوذ باللہ من ذلک) (چھٹی دلیل) ہم کو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ایمان کے اثبات میں زیادہ دلائل بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ خود علماے شیعہ نے یہ سمجھ کر کہ اُن کے کفر کا دعوےٰ ایسا بیہودہ ہے کہ اُس سے سننے والے کو تعجب ہوتا ہے اُس سے انکار کیا اور اپنے علما کو جنہوں نے ایسا دعوےٰ کیا ہے خود جھٹلایا۔ اس لئے ہم اُن کے اُن اقوال کو نقل کرتے ہیں۔ قاضی نور اللہ شوستری مجالس المومنین میں فرماتے ہیں کہ (نسبت تکفیر بجناب شیخین کہ اہل سنت و بہ شیعہ نمودہ اند سخنی ست بے اصل کہ در کتب اصول ایشاں از ایشاں اثری نیست و مذہب ایشاں ہمین ست کہ مخالفان علی فاسق اند و محارباں او کافر) جناب مجتہد صاحب قبلہ و کعبہ اس قول کے جواب میں ذوالفقار میں فرماتے ہیں کہ[۱] (پوشیدہ نماند کہ ایں کلام بر تقدیر

[۱] ذوالفقار صفحۂ ۵۲ - سطر ۷ مطبوعہ لدھیانہ ۱۲۸۱ سنہ ہجری ۱۲

صحت وصدور آن از فاضل قادح مقصود ما و مفید مطلب او نمی شود زیرا کہ سابق گذشتہ کہ فاسق در مقابلۂ مومن اطلاق شدہ پس فرق میان کفر و فسق ہمین ست کہ کافر نجس ست در دنیا و مخلد ست فی النار در عقبی و فاسق کہ بسبب انکار یکے از ضروریات مذہب باشد مخلد در نار خواہد بود گو در دار دنیا احکام مسلمین بسبب اقرار شہادتین بر او جاری شود) لیکن اس عبارت میں حضرت قبلہ وکعبہ نے یا تو غلطی فرمائی یا دیدہ و دانستہ اغماض کیا اس لئے کہ یہ فرمانا کہ (بر تقدیر صحت وصدور آن از فاضل) کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قول کو قاضی نور اللہ شوستری کے حضرت نے تسلیم کیا ہے یا اُس سے انکار فرمایا ہے۔ ایسی گول گول عبارت لکھنے سے سوائے ہم سے کم فہم جاہلوں کو مغالطہ میں ڈالنے کے دوسرا فائدہ نہیں تھا۔ اگر یہ عبارت مجالس المومنین میں موجود ہے تو بر تقدیر کہنا کیا معنی اور اگر یہ عبارت اُس میں نہیں ہے تو صاف اُس سے انکار فرمایا ہوتا اور صاحب تحفۂ اثنا عشریہ کے طعن و تشنیع میں موافق اپنی عادت کے دو چار ورق سیاہ کئے ہوتے ہاں شاید حضرت نے مجالس المومنین نہ دیکھی ہوگی۔ اس لئے نہ انکار کیا نہ اقرار۔ بہرحال ان الفاظ سے قبلہ وکعبہ کے اُس عبارت کا موجود ہونا پایا جاتا ہے اور اگر اب بھی کسی کو شک ہو وہ مجالس المومنین میں دیکھ لے رہا جواب جو مجتہد صاحب نے دیا ہے وہ بھی ایسا ہے کہ اُس کے معنی سمجھ میں نہیں آتے۔ اس لئے کہ قاضی صاحب نے صاف اقرار کیا ہے کہ تکفیر شیخین ہمارے اصول کے مخالف ہے اور حضرت مجتہد صاحب اُسی کو ثابت کرتے ہیں پس یا خطاء اجتہادی قاضی صاحب سے ہوئی کہ وہ تکفیر سے انکار کرتے ہیں یا مجتہد صاحب سے کہ وہ اُس کو ثابت کرتے ہیں یا شاید درمیان کفر اور ایمان کے ایک تیسرا مرتبہ اثبات فرمایا چاہتے ہیں جس کا نام اُن کی اصطلاح میں اسلام ہے جس کے معنی نفاق کے ہیں۔ یعنی ظاہر میں کلمہ پڑھنا اور باطن میں کافر ہونا۔ اس لئے ہم کو لازم ہوا کہ اس تیسرے مرتبے پر بھی نظر کریں اور اُس کے اثبات اور ابطال کے دلائل پر غور کریں اس لئے ہم مجتہد صاحب کی روح سے اور اُن کے مقلدین سے استفسار کرتے ہیں کہ اس تیسرے مرتبے کے قائم کرنے سے کیا غرض ہے آیا یہ کہ خلفائے ثلثہ کے ایمان سے انکار کیا جائے اور اُن کے اسلام کو تسلیم کیا جائے اور اسلام کے یہ معنی مراد لیے جاویں کہ وہ ظاہر میں کلمہ گو تھے اور باطن میں

منافق یا کہ وہ دل سے بھی مثل زبان کے پیغمبر صاحب کی نبوت کو تصدیق کرتے تھے۔
مگر امام برحق کی امامت کے منکر تھے اور اُن کے حقوق کے غاصب اور اُن پر جابر
تھے اور چونکہ امامت اصول دین سے ہے اس لئے بہ سبب انکار ایک اصل کے اصول
دین سے وہ ایمان کے دائرے سے خارج تھے یا سوائے اس کے اس تیسرے مرتبے
کے قایم کرنے سے اور کچھ مقصد ہے بہرحال اور کوئی دوسرا فائدہ تو سمجھ میں نہیں
آتا اس لئے امر اول کو تسلیم کر کے اُس سے بحث کی جاتی ہے پس اگر خلفائے ثلثہ
کے ایمان سے اس وجہ سے انکار کیا ہے کہ وہ صرف ظاہر میں کلمہ گو تھے اور باطن
میں توحید اور نبوت سے بھی منکر تھے۔ جیسا کہ اکثر حضرات شیعہ فرماتے ہیں بلکہ حضرات
شیعہ کس حساب میں ہیں خود اُن کے امام مہدی فرماتے ہیں کہ ظاہر میں وہ کلمہ گو تھے
اور باطن میں کافر جیسا کہ ملا باقر مجلسی نے رسالۂ رجعیہ میں حضرت امام کی طرف منسوب
کر کے یہ قول لکھا ہے کہ (ایشاں از روی گفتۂ یہود بظاہر کلمتین گفتند از برای طمع اینکہ
شاید ولایتی و حکومتی حضرت بایشاں بدہد و در باطن کافر بودند) پس اس کا جواب ہم
اوپر دے چکے اُس کا اعادہ ضرور نہیں۔ اسی واسطے اس قول سے اکثر علمائے شیعہ
نے انکار کیا اور جو لوگ ایسا کہتے ہیں اُن کو خود اُنہوں نے نامنصف فرمایا جیسا کہ ملا
عبداللہ جو علمائے شیعہ سے ہیں اظہار حق میں فرماتے ہیں کہ انکار کرنا ابوبکر صدیق رض
کے ایمان سے انصاف سے بعید ہے وہذہ عبارتہ (جواب گفتن این سخن با آنکہ ثابت است آنکہ
در سبق ہجرت ایمان شرط ست و آن شخص یعنی ابوبکر معاذ اللہ ہیچ وقت ایمان نداشتہ
حتی قبل از سنوح ناخوشی با امیر المومنین از انصاف دور ست) اور ملا عبد الجلیل قزوینی
کتاب نقض الفضائح میں لکھتے ہیں کہ (ماثنای خلفا پس براں انکارے نیست بزرگانند
از مہاجرین والسابقون الاوّلون من المہاجرین والانصار والذین اتبعوہم باحسان) اور
پھر دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ (اما انچہ سیرت ابوبکر و عمر و دیگر صحابہ بیان کردہ
مجملی ست نہ مفصل آنرا خلاف نہ کردہ اند شیعہ الا درجۂ خلافت و امامت را کہ شیعہ
انکار کنند در ایشان کہ درجۂ امامت نہ داشتند و آن فقدان عصمت و نصوصیت
و کثرت علمی ست اما صحابۂ رسول ایشاں را دانند و از درجۂ شان نہ گذرانند) اور احتجاج
طبرسی میں لکھا ہے کہ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ (لَسْتُ بِمُنْكِرٍ فَضْلَ اَبِیْ بَكْرٍ وَلَسْتُ

بمنکر فضل عمر و لکن ابا بکر افضل من عمر) کہ میں ابو بکر صدیق اور عمر فاروق کی فضیلتوں سے انکار نہیں کرتا لیکن ابو بکر عمر فاروق سے افضل ہیں۔ پس ان روایتوں اور ہزار مثل اس کے اور روایتوں سے جن کو ہم نقل کرینگے۔ حضرت ابو بکر صدیق کے ایمان اور فضیلت میں کون شک کر سکتا ہے۔ پس یہ دعویٰ کہ ابو بکر صدیق باطن میں معاذ اللہ کافر تھے خود علمائے شیعہ اور آئمہ کبار کی احادیث سے باطل ہوا اور اگر اب بھی کسی کو شک ہووے تو وہ تفاسیر اور احادیث امامیہ کو دیکھے کہ باوجود اس عناد اور تعصب کے جو اُن کو خلفائے ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ ہے۔ اب بھی صدہا روایات اور احادیث مدح وثنا میں خلفا کی موجود ہیں۔ چنانچہ اُن کے مفسرین قبول کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق غلاموں کو مول لیا کرتے اور بسبب اسلام کے اُن کو آزاد کر دیتے جیسا کہ علامۂ طبرسی نے مجمع البیان میں لکھا ہے (کہ عن ابن الزبیر قال ان الآیۃ نزلت فی ابی بکر لانہ اشترے الممالیک الذین اسلموا مثل بلال و عامر بن میسرۃ وغیرہما واعتقہم) کہ آیت سیجنبہا الاتقی الذی شان میں ابو بکر کے نازل ہوئی کہ وہ غلاموں کو جو اسلام لاتے مول لیتے اور پھر خدا کی راہ میں آزاد کرتے۔ مثل بلال اور عامر وغیرہ کے فقط پس چونکہ ابو بکر صدیق رضؓ اپنے مال کو خدا کی راہ میں صرف کرتے۔ تب خدا نے یہ آیت نازل کی کہ دوزخ سے وہی بڑا پرہیزگار بچے گا جو اپنے پاک مال کو خدا کی راہ میں صرف کرتا ہے۔ پس تعجب ہے کہ جو شخص اپنے مال سے مسلمان غلاموں کو خریدے اور اُن کو آزاد کرے اور اس کی شان میں خدا آیتیں نازل کرے اور اس کو اتقی الناس فرمائے اُس کی فضیلت اور بزرگی بیک طرف اُس کے ایمان سے بھی انکار کیا جائے اور ایسا شخص منافق اور کافر سمجھا جائے۔ غرض کہ ایمان اور اسلام میں ابو بکر صدیق کے کچھ شبہ نہیں رہا اور باقرار علمائے شیعہ اُس کا ثبوت ظاہر ہو گیا۔ اب باقی رہا تیسرا امر کہ مراد ایمان سے اصول دین کو تصدیق کرنا ہے اور چونکہ امامت بھی ایک اصل اصول دین سے ہے اور اس سے ابو بکر صدیق منکر تھے اس سے ان پر اطلاق ایمان کا نہیں ہوتا اس کی تردید ہم بخوبی بحث امامت میں کہینگے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن ہمارے نزدیک ابتدائے زمانہ نبوت میں امامت کو اصول دین میں داخل کرنا۔ اور جو اُس وقت امامت پر آئمہ اثنا عشر کے ایمان نہیں لایا اُس کو مومن نہ جاننا نادانی ہے۔

اس لئے کہ جب پیغمبر صاحب نے نبوت کا دعوے کیا اور اسلام کی دعوت فرمائی۔ تو اُس وقت خدا کی توحید اور اپنی نبوت کی تصدیق ایمان کی علامت رکھی۔ آئمہ کی امامت کی تصدیق کی تکلیف کسی کو نہیں دی۔ بلکہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو بھی اسلام کی دعوت صرف توحید اور نبوت کی تصدیق پر کی۔ پس اُس وقت امامت کا کچھ ذکر ہی نہ تھا کہ کوئی اُس کو قبول کرتا یا اُس سے انکار کرتا۔ اگر ہم غلط کہتے ہوں تو حضرات شیعہ اپنی ہی کتابوں سے یہ بات ثابت کر دیں کہ جب اوّل اوّل پیغمبر خدا علیہ التحیتہ والثنا نے لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا تو اُن سے توحید اور نبوت کے سوا حضرت علی کی امامت کی تصدیق کو بھی فرمایا۔ حضرت علی خود اُس وقت لڑکے تھے۔ کسی شخص سے اُس وقت پیغمبر صاحب نے نہیں کہ جس طرح خدا کی توحید اور میری نبوت کی تصدیق تم پر ایمان کے لئے ضرور ہے اُسی طرح میرے چھوٹے بھائی علی کی امامت کی تصدیق بھی ضرور ہے۔ اور جب کہ ایسا کسی سے اُس وقت نہیں کہا۔ اور امامت کو اصول ایمان سے قرار نہیں دیا۔ تو ابوبکر صدیق کا انکار یا اقرار کرنا بھی اُس سے ثابت نہیں ہوتا۔ اور جب یہ ثابت نہ ہوا تو ان کے ایمان میں بھی کچھ خلل نہ آیا۔ ہاں حضرات شیعہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آخر زمانہ نبوت میں خم غدیر پر جب خطبہ امامت علی مرتضٰی کا پڑھا اور لوگوں کو توحید اور رسالت کے علاوہ امامت کے اقرار پر بھی دعوت کی اُس وقت امامت کا انکار گویا ایمان کے خلل کا سبب ٹھہرا۔ لیکن جب کہ اُس کا نام و نشان بھی نہ تھا اور کوئی لفظ امامت سے واقف تک نہ تھا۔ اس کو اُس وقت اصول دین میں ٹھہرانا اور اُس سے ناواقف آدمی کو منکر قرار دینا اور اس کے انکار کو اُس کے عدم ایمان کا سبب کہنا بڑی نادانی ہے۔ ہاں حضرات شیعہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خم غدیر کے وقت حضرت علی کی امامت سے دل میں انکار کیا۔ اور بعد وفات پیغمبر خدا علیہ التحیتہ والثنا کے اُس کو ظاہر کیا یعنی خود امام بن بیٹھے۔ تو ہم اس بات کو سن سکتے ہیں۔ لیکن اس سے صرف اطلاق ارتداد کا (ونعوذ باللہ من ذلک) اُن پر ہو سکتا ہے۔ اس سے اُن کے اُس ایمان میں جو اول اول لائے کچھ خلل نہیں آسکتا اور ابتدائے زمانہ نبوت میں اُن کا نہایت سچے دل سے ایمان لانا اپنے حال پر قائم رہتا ہے رہا ارتداد اُن کا بسبب غصب خلافت کے۔ اس کو ہم بحث امامت میں

بیان کرینگے۔ انشاء اللہ تعالےٰ ؛

بیان حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے کا

جب کہ ہم نے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے ایمان کو ثابت کر لیا۔ اس لئے اب ہم کچھ ذکر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ایمان لانے کا کرتے ہیں۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام رات دن اس فکر میں رہتے تھے کہ اسلام کی ترقی ہو اور خدا کے دین میں لوگ داخل ہوں۔ کوئی لحظہ کوئی دم اس سے غافل نہ ہوتے تھے اور جو تدبیر اُس کے حاصل ہونے کی ہوتی تھی اُس میں دریغ نہ فرماتے تھے لیکن باوجود اس کوشش اور محنت کے چھ برس کے عرصے میں صرف چند ہی شخص جو کہ چالیس سے کم تھے ایمان لائے۔ آخرش پیغمبر خدا علیہ التحیتہ والثنا نے اس تھوڑی سی جماعت کو دیکھ کر خدا سے دعا کی کہ خداوندا اس گروہ کو بڑھا اور ایسے شخص کو مسلمان کر کہ جس کے رعب اور عزت سے اس گروہ کو قوت اور اسلام کو تائید ہو اور جس کی ذات سے بہت جلد اسلام کو رونق ہووے۔ چنانچہ حضرت نے اپنے نزدیک ایسے صرف دو شخص اپنی قوم میں خیال کئے ایک حضرت عمر خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ دوسرا ابو جہل کہ یہ دونوں نہایت ہی مغرور اور مشہور اور نامور تھے اور ان کو سب سے زیادہ عداوت بھی پیغمبر صاحب کے ساتھ تھی اور شب و روز اسلام کے معدوم ہو جانے کی فکر میں رہتے تھے پس حضرت نے خدا سے دعا کی کہ الٰہی اپنے دین کو ان دو آدمیوں میں سے کسی ایک آدمی کے مسلمان کر دینے سے قوی کر اور عمر یا ابو جہل میں سے ایک کو ایمان عطا فرما چنانچہ خدا نے دعا حضرت کی حضرت عمرؓ کے حق میں قبول کی اور اُن کو اسلام سے مشرف کیا۔ حضرت عمر رضؓ کے ایمان لانے کا مختصر حال یہ ہے کہ ابوجہل نے جس کو پیغمبر صاحب کے ساتھ دلی عداوت تھی اپنے بھائیوں سے کہا کہ جو کوئی پیغمبر صاحب کو قتل کرے اور اُن کا سر میرے پاس لاوے اُس کو ہزار شتر سرخ بال والے اور بہت سے دینار و درم اُس کے صلے میں دونگا۔ چنانچہ حضرت عمر نے اس کام کو اپنے ذمے لیا اور پیغمبر صاحب کے قتل کے ارادے سے چلے۔ ادھر حضرت عمر کا چلنا تھا اُدھر خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کو ہماری طرف کھینچو اور رجب کے سر لانے کو

جاتا ہے اُس کے قدموں پر گراؤ ہماری قدرت کا تماشا دیکھو کہ شقی ہو کر جاتا ہے اور سعید ہو کر لوٹے گا۔ کافر بن کر نکلا ہے اور مومن پاک ہو کر پھرے گا۔ ہماری دشمنی کی ارادے پر مستعد ہو کر اٹھا ہے اور ہماری محبت کے دام میں ابھی پھنستا ہے۔ وہ تو اپنی خوشی سے ہمارے دوست کے قتل کو چلا ہے اور ہم زبردستی اُس کو کافروں کے قتل کے لئے مقرر کرتے ہیں اب تم سطح زمین پر جاؤ اور اُس کی خبر لو اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ہمارے دین میں لے آؤ۔ مصرعہ گر نیاید بخوشی موی کشانش آرید چنانچہ جب حضرت عمر رضہ تلوار کو گلے میں حمائل کر کے نہایت غصے اور طیش میں پیغمبر صاحب کی طرف چلے۔ فرشتگاں ملاء اعلیٰ نے شادی کا غلغلہ بلند کیا۔ طرقواطرقوا کا شور مچایا۔ زبان حال سے یہ شعر پڑھنا شروع کئے۔ اشعار

آمد آن یارے کہ من می خواستم | راست شد کارے کہ من می خواستم
رفتہ رفتہ می رود آن سوی دام | ہم بہ ہنجارے کہ من می خواستم

چنانچہ حضرت عمر نے اثنائے راہ میں بہت سے معجزات دیکھے۔ راہ میں ایک شخص مسلمان ملا اُس کے مارنے کا قصد کیا۔ اُس نے کہا کہ اول بہن اور بہنوئی کی خبر لو کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں تب غیروں کی خبر لینا۔ چنانچہ حضرت عمر رضہ اپنی بہن کے گھر گئے۔ دروازہ بند پایا اور آواز قرآن مجید پڑھنے کی سنی۔ اس کو باہر سے سنتے رہے۔ آخر دروازہ کھٹکھٹایا۔ اُن کی بہن نے دروازہ کھولا پوچھا کہ تم لوگ کیا پڑھتے تھے۔ ہم کو دو انہوں نے دینے میں انکار کیا۔ آخر اپنی بہن اور بہنوئی کو خوب مارپیٹ کی۔ جب اُن کی بہن نے یہ زیادتی دیکھی تو پکار اٹھی کہ اے عمر ہوشیار ہو۔ ہم تو ایمان لاچکے اور سچے دین میں داخل ہو گئے۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ۔ تم کو جو کرنا ہو سو کرو۔ تب تو حضرت عمر ڈھیلے پڑے اور کہا کہ اُس قرآن سے کچھ سناؤ تب سورہ طٰہٰ اُن کو سنائی اس کی فصاحت اور بلاغت پر غش ہو کر حضرت عمر کے دل کو یقین ہو گیا کہ یہ بیشک سچا کلام خدا کا ہے اور اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھا اور ایمان لائے اور قصد پیغمبر صاحب کے حضور میں حاضر ہونے کا کیا۔ جب حضرت عمر کے آنے کی خبر ہوئی تو اصحاب رسول میں تھلکہ پڑ گیا۔ اس لئے کہ وہ اُن کی شوکت اور ارادے سے واقف تھے یہاں تک کہ جب حضرت عمر دروازے پر پہنچے تو کوئی دروازہ کھولنے

کو نہ اٹھتا تھا۔ مگر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ چچا پیغمبر صاحب کے یہ کہہ کر اٹھے کہ وہ ایک آدمی ہے اگر اطاعت کے ارادے پر آیا ہے خیر ورنہ اُسی کی تلوار ہے اور اسی کا سر چنانچہ حضرت عمر اندر داخل ہوئے پیغمبر صاحب بہ نفس نفیس اُٹھے اور اُن کو آغوش رحمت میں لے کر ایسا دبایا کہ اُن کی آنکھیں نکل پڑیں۔ تب تو حضرت مسکرائے اور اُن کی طرف دیکھ کر خندہ زن ہوئے۔ حضرت عمر رضؓ صدق دل سے نعرہ مار کر کہنے لگے۔ اشھدان لا الہ الا اللہ واشھد انک رسول اللہ۔ تب سب مسلمان خوشی سے تکبیر کہنے لگے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ کے ایمان لانے پر حمد و ثنا خدا کی کرنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اُسی وقت پیغمبر خدا سے کہا کہ یا حضرت بتوں کی عبادت تو علانیہ ہووے اور خدا کی عبادت چھپ کر یہ مناسب نہیں ہے آئیے خانہ کعبہ کو چلیے۔ اور باعلان نماز ادا کیجیے چنانچہ اُن کی عرض کو حضرت نے قبول فرمایا اور خانہ کعبہ کی طرف توجہ کی اور نہایت شان و شوکت سے حضرت مع سب صحابہ کے عازم خانۂ کعبہ کے ہوئے۔ جب حضرت تشریف فرمائے خانۂ کعبہ ہوئے تو حضرت عمر رضؓ ہی آگے آگے چلے۔ کافروں نے کہ وہ منتظر تھے کہ سر پیغمبر صاحب کا لاتے ہونگے۔ یہ دیکھ کر کہا کہ اے عمر یہ کیا حال ہے۔ تب حضرت عمر نے فرمایا کہ سنو میں ایمان لایا۔ اور پیغمبر کی غلامی کا غاشیہ میں نے اپنے دوش پر لیا جو اطاعت کرے گا خیر ورنہ اگر مزاحمت کرے گا تو یہی تلوار ہے اور اُس کا سر۔ چنانچہ چند آدمیوں کو اُسی وقت اپنا زور دکھلایا اور خانہ کعبہ میں جاکر پیغمبر صاحب کے پیچھے نماز ادا کی یہ حال حضرت عمر رضؓ کے ایمان لانے کا ہے اور اس میں ہم نے دو باتوں کا ذکر کیا ہے۔ اول پیغمبر صاحب کے دعا کرنے کا کہ حضرت عمر رضؓ کے ایمان لانے کے واسطے کی دوسرے اس کیفیت سے ایمان لانے کا۔ چنانچہ ہم دونوں باتوں کو شیعوں کی کتابوں سے ثابت کرتے ہیں۔ امر اول کے ثبوت سے پہلے ہم کو یہ لکھنا ضرور ہے کہ اکثر مجتہدین اور علمائے شیعہ نے اس دعا سے انکار کیا ہے اور اس کو سنیوں کی تہمت اور افترا میں تصور کیا ہے جیسا کہ ایک مجتہد صاحب کا خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ (فاروق عزتے در عرب نداشتہ پس این احادیث را علمائے سنیان از پیش خود بر تافتہ اند و حاشا کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم این دعا کہ مخالف عقل و نقل ست برزبان مبارک آوردہ باشند) لیکن یہ انکار صرف دھوکا دینا

اور عوام کو اپنے مذہب کی برائی پر واقف ہونے سے بچانا ہے ورنہ بہت سے محدثین اور علمائے شیعہ نے اس کی صحت پر اقرار کیا ہے۔ چنانچہ فضل بن شاذان اور شیخ طبرسی اور شیخ طوسی اور علم الہدی اور شیخ مفید کے اقرار سے اس کی صحت ثابت ہوتی ہے چنانچہ ہم اُن سے قطع نظر کر کے ملا مجلسی کی تصدیق کو سند آ بیان کرتے ہیں اور ان کی کتاب بحار الانوار سے جس کا نام نامی اور اسم گرامی خدا کی کتاب سے بڑھ کر حضرات شیعہ کی زبان پر ہے اس روایت کو نقل کرتے ہیں وہو ہذہ۔ ملا باقر مجلسی بحار الانوار کی چودہویں جلد میں جس کا نام کتاب السماء والعالم ہے مسعود عیاشی سے روایت کرتے ہیں (روی العیاشی عن الباقر علیہ السلام ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال اعز الاسلام بعمر بن الخطاب او بابی جہل بن ہشام) یعنی امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا سے دعا کی کہ آلٰہی عزت دے اسلام کو عمر بن خطاب کے اسلام لانے سے یا ابو جہل بن ہشام کے مسلمان ہونے سے غرضکہ اب ہم ان مجتہدین کی نسبت جنہوں نے اس دعا سے انکار کیا اور عوام کو دھوکا دیا کیا کہیں بجز اس کے کہ اُن کے مقلدین کے سامنے اُن کے انکار کو اور ملا باقر مجلسی کے اس اقرار کو رکھ دیں اور یہ عرض کر دیں کہ اب خود ہی انصاف کرو کہ تمہارے پہلے جھوٹے ہیں یا پچھلے ؛

رہا امر دوم یعنی حضرت عمر کے ایمان لانے کی کیفیت اس کے واسطے ہم اشعار حملۂ حیدریہ کو نقل کرتے ہیں اور اہل انصاف سے چاہتے ہیں کہ اُس کے ہر ہر لفظ کو غور کریں اور انصاف فرمائیں کہ باوجود تعصب اور عناد کے اُس مؤلف نے کیا کچھ لکھا ہے۔ اور یہ کوئی نہ خیال کرے کہ حملۂ حیدریہ کتب معتبرہ سے نہیں ہے۔ بلکہ اُس کو خود حضرت مجتہد صاحب شیعوں کے قبلہ وکعبہ نے تصحیح کیا ہے اور اُس کی اصلاح اور تحشی خود حضرت سید محمد صاحب نے فرمائی ہے اور جو کتاب مطبع سلطانی میں باہتمام مدد علی داروغہ کے لکھنؤ میں چھپی ہے۔ اُس کے عنوان پر یہ سب کیفیت لکھی ہوئی ہے اور اس کے سرے پر اس کتاب کی تعریف میں لکھا ہے **ابیات**

عجائب[۱] کتابے پر از نور ہست — کہ ہر بیت آن بیت معمور ہست

بہ بزمی کہ خوانند فصلے ازان

---

[۱] حملۂ حیدری جلد اول صفحہ ۲ دیباچہ سطر ۲۳ مطبوعۂ مطبع سلطانی سنہ ۱۲۶۷ ہجری ۱۲ منہ

سخن از حلاوت شود لب گزان
تعالی اللہ آن با دل بی بدل
براہ دیانت قدم می زند
بر نہج گرفت ست ایرادو دق
کہ پیچیدہ در وی ہوای بہشت
ز ہر نکتہ سازد معطر دماغ
جگر خستگان را مسیحاست این
فرازندۂ رایت اجتہاد
کہ نام و نشان محمدؐ از وست

مشام محبان معطر شود
کہ آوردہ ہر نکتہ را بر محل
بہ ترجیح اخبار دارد مناط
کہ افتادہ در جان اعدا قلق
معطر چو مشک تتار است این
ز ہر نقطہ اش میشود تر دماغ
بس از نعوت و صفاتش ہمی
ز حق حجت و آیتے بر عباد
دل سنیان داغدار است زو

دل از نور ایمان منور شود
بوفق روایت رقم می زند[1]
برون نیست از جادۂ احتیاط
عجب دفتر دلکشای نوشت
معنبر چو بادِ بہار ست این
دل آشفتگان را تماشاست این
کہ گہ دیدہ مقبول سلطان دین
طریق شریعت مؤید از وست
کہ ہندوستان سبزوار ست زو

پس ہم اسی کتاب سے جس کے نور سے دل مومنین کے منور ہیں حضرت عمر کے ایمان کے نور کو دکھلاتے ہیں جو اندھے نہ ہوں وہ دیکھیں اور اسی کتاب سے جس کی خوشبو سے دماغ محبوں کے معطر ہیں۔ حضرت فاروق کے اسلام کی خوشبو پھیلاتے ہیں جو دماغ رکھتے ہوں وہ سونگھیں اور ہم اسی محقق کے قول سے جو موافق روایت کے لکھتا ہے۔ اور جو قدم بقدم دیانت پر چلتا ہے اس روایت کو ثابت کرتے ہیں۔ اور ہم اسی کی تصدیق سے جس نے سنیوں کی جان کو رنج میں ڈال رکھا ہے حضرات شیعہ کو رنج دیتے ہیں اور اسی کے کلام سے جس کا کلام شیعوں کے زخموں کے لئے مرہم ہے ان کے دلوں کو مجروح کرتے ہیں۔ اور اس قبلہ و کعبہ کی تصحیح اور قبولیت سے جس نے سنیوں کے دلوں کو داغدار کر دیا ہے ان کے مقلدین کے دلوں کو داغدار کرتے ہیں اے بھائیو اس روایت کو سنو اور دیکھو کہ حقیقت میں کیسا نور چمک رہا ہے اور سونگھو کہ در اصل کیسی خوشبو مہک رہی ہے بیشک اس روایت کی نسبت ہم بھی یہ شعر پڑھتے ہیں **اشعار**

بر نہجی گرفت ست ایرادو دق
ز ہر نقطہ اش میشود تر دماغ

کہ افتادہ در جان اعدا قلق
معطر چو مشک تتار ست این

ز ہر نکتہ سازد معطر دماغ
معنبر چو بادِ بہار ست این

اب ہم اس روایت کو بعینہ کتاب مذکور سے نقل کرتے ہیں۔

[1] حملۂ حیدری جلد اول صفحہ ۳ - سطر ۱۱ - ۱۲

در کیفیت ایمان آوردن عمر رضؓ بن خطاب

عمر[1] بعد ازان از پس چند گاه
به کیفیتی شد عداوت فنش
یکی روز می گفت با اشقیا
دو کوهان سینه یده و سرخ مو
عمر چون شنید آن سخن گفتنش
که از گفتهٔ خویشتن نگذری
گرفت از ابوجهل اول قسم
یکی گفت با او نداری خبر
بر آشفت با حفص ازین گفتگو
چو آمد بنزدیک پیشش رفت
شنید آنکه می خواند مرد نکو
همان خواهر و جفت او بالتمام
در افتاده با جفت خواهر بجنگ
گرفتند خصمانه هم را به بر
زهم پوست کندند گه گاه مو
فگندش بزیر و نشست از زبر
بیامد دوان خواهرش نوحه گر
نمودیم دین محمد قبول
چو بشنید از و این حکایت عمر
که گشتی به دینش چنین مبتلا

در آمد بدین رسول آله
که جز قتل پیغمبر ذو الجلال
که آرد کسی گر سر مصطفی
ز دیبای مصری و برد یمن
بجنبید عرق طمع در تنش
من امروز خدمت سازم بجا
پس آنگاه زد در ره کین قدم
که همشیره‌ات نیز با جفت خویش
بگفتا بریزم کنون خون او
بیامد به پیش در و ایستاد
کلامی که نشنیده بد مثل او
عمر زد در و خواهرش باز کرد
گرفتش به حلق و بیفشرد تنگ
بجستند گه روی هم گاه پشت
گهی این بزیر آمدی گاه او
گلویش به تنگی فشرد آنچنان
بگفتش چه خواهی ز ما ای عمر
کنون گر کشی سر بداریم پیش
بدانست کو برنگردد دگر
بگفتا کلام خدای جلیل

چنان بد که بوجهل از ان سرزنش
نبودش دگر هیچ فکر و خیال
هزار اشتر از خود به بخشم باو
وگر سیم و زر بخشمش چند من
باو گفت سوگند اگر می خوری
بیارم به پیشت سر مصطفا
بان کار چون رفت بیرون عمر
گرفتند دین محمد به پیش
سوی خانهٔ خواهر خویش رفت
صدائی شنید و بان گوش داد
وز و می گرفتند یاد آن کلام
چو آمد درون شور آغاز کرد
در آویخت داماد هم با عمر
لگد که زدندی بهم گاه مشت
از و چون عمر بود پر زور تر
که نزدیک شد تا شود قبض جان
اگر شاد گردی ز ما در ملول
ولی برنگردیم از دین خویش
بگفتش چه دیدی تو از مصطفا
که آرد باو حضرت جبرئیل

[1] در حملهٔ حیدری جلد اول از صفحه ۲۱، سطر ۱۲ تا صفحه ۲۳، سطر ۱۸، مطبوعه مطبع سلطانی سنه ۱۲۶۷ هجری ۱۲ منه ؛

شنیدم گردید بر ما یقین ... که هست این کلام جهان آفرین
عمر گفت ازان قول معجز اساس ... اگر یاد داری بخوان بی هراس
بره خواهرش آیه چند خواند ... عمر گوش چون کرد حیران بماند
دلش زان شنیدن بسی نرم شد ... بسودای اسلام سرگرم شد
عمر گفت دیگر بخوان زین کلام ... بگفتا وگر نیست زین می بجام
ولی هست استاد ما در نهفت ... که گردید پنهان چو نامت شنفت
قسم گر خوری کو نیابد زیان ... بیاریم پیشت که خواند ازان
چو بگرفت سوگند ازو خواهرش ... بیاورد استاد خود را برش
بُد از اهل اسلام نامش خباب ... بیامد به نزد عمر بی حجاب
برو خواند آیات پروردگار ... ابا حفص اسلام کرد اختیار
چو آیات معجز بیان را شنید ... همش قول کاهن بخاطر رسید
بُد اسلام شد رغبتش بیشتر ... که آن هم شود راست چون این خبر
وزان پس بگشتند باهم روان ... بنزد رسول خدای جهان
بدولت سرای پیمبر شدند ... چو در بسته بُد حلقه بر در زدند
یکی آمد و دید از پشت در ... که استاده با تیغ بر در عمر
بنزد نبی رفت و احوال گفت ... بماندند اصحاب اندر شگفت
چنین گفت پس عم خیر البشر ... که غم نیست بروی کشائید در
گر از راه صدق آمده مرحبا ... وگر باشد او را بخاطر دغا
به تیغی که دارد حمائل عمر رض ... تنش را بیکبار سازم ز سر
چو در باز کردند بر روی او ... در آمد عمر با لب عذر گو
گرفتش به بر سرور انبیا ... نشاندش بجائیکه بودش سزا
بگفتند اصحاب هم تهنیت ... وزان بیشتر یافت دین تقویت
پس اصحاب دین را شد این مدعا ... که از خدمت سرور انبیاء
بسوی حرم آشکارا روند ... نماز جماعت بجا آورند
رسید این سخن چون بعرض رسول ... ز خیر البشر یافت عز قبول

آمدن سید اخیار بتائید ملک جبار بحرم محترم و نماز گزاردن با اصحاب سعادت انتساب و آمدن قریش مرتبه دیگر نزد ابو طالب رضی الله عنه و سخن گفتن از روی قهر و طیش

بیا ساقی ای رشک خلد برین ... بساط نشاطی بگیتی بچین
ز خم باده بی فکر و اندیشه ریز ... سبو بر سبو شیشه بر شیشه ریز
فرود آر ازین طاق فیروزه فام ... ز خورشید جام و ز مه نیم جام
بکن راز پوشیده را بر ملا ... بدور و بنزدیک سر ده صلا
ازان می نمی هم بکامم فگن

وزان نم بعیش مدام فگن
درین بزم ساقی بنور ایاغ
برآمد رسول خدا از وثاق
بهالید از بس تمین شد گمان
چو خورشید هر ذره افروخت چهر
ملائک چپ و راست در دور باش
به پیش علیؑ صاحب ذوالفقار
بگرد آمده جمع یاران تمام
رسانید چون گرد موکب رسید
یکی رفت از انها به نزد عمر
بگفتن رفتے و با نیاز آمدی
هران کز شما جنبد از جای خویش
که در دل چه دارند آن انجمن
چو دیدند آن صحبت اصحاب دین
دلیران دین مسجد آراستند
نبی گفت تکبیر چون در حرم

چنان مست کن زان مے پر طرب
فروزد بدینگونه روشن چراغ
روان شد بتائید یزدان دین
که بیرون ز دوار بر آسمان
همی رفت جبرئیل بالای سر
شیاطین ز هیبت شده پاش پاش
همین رفت در پیش حیدر عمر
برفتند زنیسان به بیت الحرام
چو دیدند کفار زان گونه حال
بدو گفت این چیست اے بدگهر
عمر کرد اسلام خود آشکار
به بیند سر خویش بر پای خویش
نهادند پا در رهِ امتناع
همه دست بردند بر تیغ کین
به پیش اندر آمد رسول خدا
فتادند اصنام بر روئے هم

که جوشد ز خورشید نور هر لب
که کردند اصحاب چون اتفاق
چو سوے حرم سید المرسلین
ز شادی برقص اندر آمد سپهر
بفرق همایون بگسترده پر
به پهلو روان حمزهٔ نامدار
حمائل همان تیغ کین بر کمر
بجدار حرم سر بعرش مجید
نمودند با هم بسے قیل و قال
نه زانسان که رفتی تو باز آمدی
پس آنگه باو گفت ای نابکار
چو کفار دریافتند از سخن
نمودند با اہل ملت نزاع
ازان حال کفار پس پا شدند
نمودند یاران باو اقتدا
ز تائید ایزد به مسجد نماز

ادا کرد و آمد سوے خانه باز

اے حضرات شیعہ تم کو اپنے با ذل بے بدل اور اپنے قبلہ و کعبہ کے آب و گل کی قسم ہے کہ اس روایت کو دیکھو اور غور کرو کہ جو شخص اس دھوم دھام سے ایمان لاوے اور جو آدمی اس شان و شوکت سے مسلمان ہووے اُس کی نسبت کون خیال کرسکتا ہے کہ وہ منافق ہوگا یا سچے دل سے ایمان نہ لایا ہوگا یا بعد ایمان کے مرتد ہو گیا ہوگا یا ایسے شخص سے کبھی پیغمبر صاحب رنجیدہ ہوئے ہونگے یا ایسے آدمی کو دشمن اسلام کا اور منافق سمجھے ہونگے دیکھو جو دعا پیغمبر صاحب نے اُن کے لئے کی تھی کیسی جلد خدا نے قبول کی اور اُس کا اثر کیسا جلد ظاہر ہوا کہ اُن کے ایمان لانے کا پہلا کام تو یہ ہوا کہ اول اول نماز جماعت کی خانہ کعبہ میں ادا ہوئی اور اخیر کا کام اُن کا یہ ہوا کہ روم و شام

اور حلب اور دمشق میں کلمہ کفر کا پست اور خدا کا کلمہ بلند ہوا۔ ابتداء اسلام کی عزت بھی اُنہی کی ذات سے ہوئی اور خاتمہ بھی اُنہی پر ہوا۔ حقیقت میں دعا اس کو کہتے ہیں۔ اور قبولیت اسی کا نام ہے ؛

اے یارو! ذرا تو انصاف کو دخل دو اور تعصب اور عناد کو چھوڑو کہ جس کی ذات سے ایک ہزار چھتیس شہر کفر کے دار الاسلام ہوئے اور جس کی بدولت ہزاروں بتخانے اور گرجے ٹوٹ کر مسجدیں بن گئیں اور جس کے سبب سے کسریٰ اور قیصر کے محلوں میں غلغلہ اللہ اکبر کا بلند ہوا۔ اور جس کی وجہ سے اُن کی بیٹیاں مسلمانوں کی لونڈیوں میں داخل ہوئیں اور جس کی ذات سے ظلمت کفر کی دُور ہوئی اور روشنی اسلام کی از شرق تا غرب پھیل گئی۔ وہی تمہارے نزدیک منافق ہے اور اُسی کا نام تمہارے یہاں دشمن خدا اور عدو رسول ہے تو معلوم نہیں کہ پھر خدا کا دوست اور رسول کا محب کون ہے۔ اگر حضرت عمر کی ذات نہ ہوتی تو آج تمہارے قبلہ و کعبہ لکھنؤ میں بیٹھ کر علی علی کہتے یا اجودھیا جی میں رام رام پکارتے۔ یہ عمر ہی کی جوتیوں کا طفیل ہے کہ تم خدا کی توحید سے اور پیغمبر کی نبوت سے واقف ہوئے اور کفر چھوڑ کر اسلام اور ایمان کے نام سے آگاہ ہوئے لیکن آفرین تمہاری احسان فراموشی پر کہ اُسی کی دشمنی کو تم نے ایمان قرار دیا ہے اور کفر کی بنیاد کھودنے والے اور اسلام کا نیزہ گاڑنے والے کا نام منافق اور کافر رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب شیطان نے دیکھا کہ بعد اسلام کے کفر پر لا نہیں سکتا اور شرک صریح میں گرفتار کر نہیں سکتا تب اُس نے یہ تدبیر کی کہ لوگوں کے دلوں میں کفر کی جڑ دوسری طرح قائم کرے اور باوجود مسلمانی کے دعوے کے ان کو اسلام سے خارج کر دے۔ تب اُس نے یہ تدبیر کی اور رفض کا عقیدہ لوگوں کے دلوں میں مضبوط کیا۔ اور جن لوگوں نے پیغمبر صاحب کو مدد دی اور جنہوں نے اسلام کو پھیلایا اور جن کے سایہ سے شیطان بھاگا اُن کی عداوت دلوں میں ڈال دی تاکہ اس حیلے سے اس کا کام نکلے اور لوگ اسلام سے نفرت کریں یا اسلام کا نام لیں۔ مگر اصل میں اُس کو چھوڑ بیٹھیں ؛

چنانچہ اُس ملعون کا مطلب حضرات شیعہ سے بخوبی حاصل ہو گیا۔ اور اُس شقی ازلی نے اُن کے دلوں کو اندھا کر دیا کہ وہ ایسے اصحاب جلیل القدر کو بُرا جاننے لگے۔

اور ایسے دوستوں کو پیغمبر صاحب کے بُرا کہنے لگے اُن کی دشمنی کو ایمان سمجھے اور اُن کو گالیاں دینا عبادت جانا۔ حقیقت میں اُن لوگوں نے ایمان چھوڑ دیا۔ اور شیطان کے دام میں آکر اسلام سے ہاتھ دھویا ورنہ جس کو ذرا بھی عقل ہوگی کیا وہ یہ نہ سمجھے گا۔ کہ اگر وہی لوگ جو اس شدومد سے ایمان لائے کافر تھے۔ اور وہی آدمی جنہوں نے اسلام کو عرب سے لے کر عجم تک اور عجم سے لے کر ہند تک پھیلایا اسلام کے دشمن تھے تو پھر دوسرا کون مسلمان ہو سکتا ہے۔ ضرور اس کا عقیدہ اسلام سے پھر جائیگا حقیقت میں اسلام کی حقیقت پر کوئی معتقد نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ شیعوں کے عقیدے نہ چھوڑے اور پاک سنی نہ بن جائے۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم میں اس مقام پر ایک اور بات شیعوں کی لکھنا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ اُن کے عقیدے کی خوبی اُس سے ظاہر ہو جائے اور اُن کی دشمنی اسلام اور ایمان سے ثابت ہو جائے ؛

یہ امر تو بخوبی ثابت ہو گیا کہ حضرت عمرؓ کی ذات سے نہایت تقویت دین کو ہوئی اور اسلام کی جڑ انہیں کے سبب سے مضبوط ہوئی۔ چنانچہ صاحب حملۂ حیدریہ نے باین تعصب خود اقرار کیا ہے کما قیل مصرع وزان بیشتر یافت دین تقویت۔ اور ظاہر ہے کہ جس کی ذات سے دین نے تقویت پائی ہوگی۔ اُس ذات سے پیغمبر صاحب کو محبت بھی بدرجۂ غایت ہوگی۔ لیکن موافق روایت شیعوں کے پیغمبر صاحب کو کسی سے اس قدر عداوت نہ تھی جیسے کہ حضرت عمر سے تھی اور اُن کے مرنے کی خبر سے جس قدر حضرت کو خوشی ہوئی ایسی کسی خبر سے نہ ہوئی تھی اور جو فضائل اُس روز کے جس روز کہ حضرت عمر نے شہادت پائی پیغمبر خدا نے بیان کئے ہیں۔ ایسے فضائل جمعہ اور عید اور روز غدیر کے بھی بیان نہیں کئے اور جو برکات اور فائدے اہل بیت کو اُس تاریخ میں ہوئے ہیں جس تاریخ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے وفات پائی ایسے کبھی کسی روز نہیں ہوئے۔ چنانچہ زاد المعاد میں جو معتبرین کتب شیعہ سے ہے اور ملا باقر مجلسی جس کے مؤلف[1] ہیں اُس کے آٹھویں باب کی پہلی فصل میں ایک طول طویل روایت لکھی ہے۔ جس کو ملا صاحب نے اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کیا ہے۔ اُس کا مختصر مضمون ہم لکھتے ہیں۔

[1] بدرستی کہ خبر داد مرا پدرم کہ حذیفہ بن یمان در روز نہم ربیع الاول داخل شد بر جدم رسول خدا

حذیفه گفت که دیدم حضرت امیرالمومنین و حضرت امام حسن و امام حسین را که با حضرت رسالت پناه طعام تناول
می نمودند - و آن حضرت بر روی ایشان تبسم می فرمود و با حضرت امام حسن و امام حسین می گفت بخورید گوارا
باد از برائی شما برکت و سعادت این روز بدرست که این روز لیست که حق تعالے هلاک می کند - دشمن خود و دشمن
جد شما را و مستجاب می گرداند - درین روز دعای مادر شما را بخورید که این روز لیست که حق تعالے قبول می کند
اعمال شیعیان و محبان شما را درین روز بخورید که این روز لیست که ظاهر می شود راستی گفتهٔ خدا که می فرماید
فتلک بیوتهم خاویة بما ظلموا یعنی این ست خانهای ایشان که خالی گردیده ست بسبب ستمهای ایشان بخورید
که این روز لیست که شکسته می شود دوین روز شوکت جد شما و یاری کنندهٔ جد شما و یاری کنندهٔ دشمن شما
بخورید که این روز لیست که هلاک می شود - درین روز فرعون اهل بیت من و ستم کننده بر ایشان و غصب
کنندهٔ حق ایشان بخورید که این روز لیست که حق تعالے عملهاے دشمنان شما را باطل و هبا می گرداند -
حذیفه گفت که من گفتم که یا رسول الله آیا در میان امت تو کسی خواهد بود که هتک این حرمتها نماید حضرت
فرمود که ای حذیفه بتے از منافقان بر ایشان سرگروه خواهد شد و دعوی ریاست در میان ایشان خواهد کرد
و مردم را بسوئے خود دعوت خواهد نمود و تازیانهٔ ظلم و ستم را بر دوش خود خواهد گرفت و مردم را از راه خدا
منع خواهد نمود و کتاب خدا را تحریف خواهد نمود و سنت مرا تغیر خواهد داد و میراث فرزند مرا متصرف خواهد شد
و خود را پیشوای مردم خواند و زیادتی بر وصی من علی بن ابی طالب خواهد کرد و مالهاے خدا را بناحق بر خود
. . . حلال خواهد کرد و در غیر طاعت خدا صرف خواهد کرد و مرا و برادر من و وزیر من علی بن ابی طالب را
بدروغ نسبت خواهد داد و دختر مرا از حق خود محروم خواهد گردانید - پس دختر من او را نفرین خواهد کرد و
حق تعالے نفرین او را مستجاب خواهد کرد - حذیفه گفت یا رسول الله چرا دعا نمی کنی که حق تعالے او را در حیات
شما هلاک کند حضرت فرمود که اے حذیفه دوست نمی دارم که جرأت کنم بر قضای خدا و از او طلب کنم تغیر امرے
را که در علم او گذشته است - ولیکن از حق تعالے سوال کردم که فضیلت دهد آن روز را که در آن روز او جهنم
می رود - بر سائر روزها تا آنکه احترام آن روز سنتے گردد و در میان دوستان من و شیعیان اهل بیت من
پس حق تعالے وحی کرد بسوئی من که اے محمد در علم سابق من گذشته است که در یابد ترا و اهل بیت ترا محنتها و
بلائے دنیا و ستمهائے منافقان و غصب کنندگان از بندگان من آن منافقان که تو خیرخواهی ایشان کردی و با
تو خیانت کردند و تو با ایشان راستی کردے - و ایشان با تو مکر کردند و تو با ایشان صاف بودی - ایشان
دشمنی ترا بدل گرفتند و تو ایشان را خشنود کردی - و ایشان ترا تکذیب کردند و تو ایشان را برگزیدی - و ایشان
ترا در جیبه گذاشتند و قسم یاد می کنم بحول و قوت و بادشاهی خود که البته بکشایم بر روے کسے که غصب

کند حق علی را که وصی تست بعد از تو ہزار درجہ در از پست ترین طبقات جہنم که آن را فیلوق می گویند۔ و او را و اصحاب او را در قعر جہنم جا دہم که شیطان از مرتبۂ خود بر او مشرف شود و او را . . . کند و آن منافق در روز قیامت عبرتے گردانم برای فرعونہا که در زمانہائے پیغمبران دیگر بودند و برائے سائر دشمنانِ دین و الیشان و دوستان الیشان را بسوی جہنم برم و با دیدہائے کبود و روہائے ترش با نہایت مذلت و خوارے و بہ پشیمانی الیشان را ابد الآباد در عذاب خود بدارم ای محمد نمی رسد علی بمنزلت تو مگر بآنچہ می رسد باو از بلاہا از فرعون او و غصب کنندۂ حق او که جرأت می کند بر من و کلام مرا بدل می کند و شرک بمن می آورد و مردم را منع می کند از راہ رضائے من و گوسالہ از برائے امت تو برپا می کند کہ آن ابوبکر ست و کافر می شود بمن در عرش عظمت و جلال من بدرستیکہ من امر کردہ ام ملائکہ ہفت آسمان خود را کہ برائے شیعیان و محبان دین شما عید کنند آن روزے را کہ آن . . . کشتہ می شود و امر کردم کہ کرسی کرامت مرا نصب کنند در برابر بیت المعمور و ثنا کنند بر من و طلب آمرزش نمایند برائے شیعان و محبانِ شما از فرزندان آدم و امر کردہ ام ملائکہ نویسندگان اعمال را کہ ازین روز تا سہ روز قلم از مردم بردارند و نہ نویسند گناہاں الیشاں را برائے کرامت تو و وصی تو اے محمد این روز را عیدے گردانیدم برائے تو و اہل بیت تو و برائے ہر کہ تابع الیشان باشد از مومنان و شیعان الیشان و سوگند یاد می کنم بعزت و جلال خود و علو منزلت و مکان خود کہ عطا کنم کسے را کہ عید کند این روز را از برائے من ثواب آنہا کہ بدور عرش احاطہ کردہ اند و قبول کنم شفاعت او را از خویشان او زیادہ کنم مال او را اگر گشادگی دہد بر خود و بر عیال خود در این روز و ہر سال درین روز ہزار ہزار کس از موالیان و شیعان شما را از آتش جہنم آزاد گردانم و اعمال الیشان را قبول کنم و گناہان الیشان را بیامرزم۔ حذیفہ گفت پس برخواست حضرت رسول خدا و بخانۂ ام سلمہ رفت و من برگشتم و صاحب یقین بودم در کفر عمر تا آنکہ بعد از وفات حضرت رسول دیدم کہ او چہ فتنہا برانگیخت و کفر اصلی خود را اظہار کرد و از دین برگشت و دامان بیحیائی و وقاحت برائے غصب امامت و خلافت برزد و قرآن را تحریف کرد و آتش در خانہ وحی رسالت زد و بدعتہا در دین خدا پیدا کرد و ملت پیغمبر را تغیر داد و سنت آن حضرت را بدل کرد و شہادت حضرت امیر المومنین را رد کرد و فاطمہ دختر رسول خدا را بدروغ نسبت داد و فدک را غصب کرد و یہود و نصاریٰ و مجوس را از خود راضی کرد و نور دیدۂ مصطفےٰ را بخشم آورد و رضا جوئے اہلِ بیت رسالت نہ کرد و جمیع سنتہائے رسول خدا را برطرف کرد و تدبیر کشتن امیر المومنین کرد و جور و ستم در میانۂ مردم علانیہ کرد و ہرچہ خدا حلال کردہ بود حلال کرد و حکم کرد کہ از پوست شتر دینار و درہم بسازند و خرج کنند و در بر رو و شکم فاطمۂ زہرا زد۔ و بر منبر حضرت رسالت بغصب و جور

بالا رفت و بر حضرت امیر المومنین افترا بست و بآن حضرت معارضه کرد و رائی آنحضرت را بسفاهت نسبت
داد۔ حذیفه گفت۔ پس حق تعالے دعائے برگزیده خود و دختر پیغمبر خود را در حق آن منافق مستجاب
گردانید و قتل او را برو سنت کننده او رحمة الله جاری ساخت پس رفتیم بخدمت حضرت امیر المومنین
که آن حضرت را تهنیت و مبارکباد بگوئیم بآن که آن منافق کشته شد و بعذاب حق تعالے واصل گردید
چون حضرت مرا دید فرمود ای حذیفه آیا در خاطر داری آن روزے را که آمدی به نزد سید من رسول
و من و دو سبط من حسن و حسین نزد او نشسته بودیم و با و طعام می خوردیم۔ پس ترا دلالت کرد بر فضیلت
این روز گفتم۔ بلے اے برادر رسول حضرت فرمود بخدا سوگند که این روزلیست که حق تعالے دران
دیده آل رسول را روشن گردانید و من برائے این روز هفتاد و دو نام می دانم۔ حذیفه گفت که یا امیر المومنین
می خواهم که آن نامها را از تو بشنوم۔ حضرت فرمود که این روز استراحت ست که مومنان از شر آن منافق
استراحت یافتند۔ و روز زائل شدن کرب و غم ست و روز غدیر دوم ست و روز تخفیف گناهان شیعانست
و روز اختیار نکوئی برائے مومنان ست۔ و روز برداشتن قلم از شیعانست۔ و روز برهم شکستن بنائے
کفر عدوانست و روز عافیت ست و روز برکت ست۔ و روز طلب خونهائے مومنانست۔ و روز عید بزرگ
خداست و روز مستجاب شدن دعاست۔ و روز موقف اعظم ست و روز وفائے بعهد ست و روز شرط ست
و روز کندن جامه سیاه ست۔ و روز ندامت ظالمست۔ و روز شکسته شدن شوکت مخالفانست۔ و روز
نفی هموم ست و روز فتح ست۔ و روز عرض اعمال آن کافر ست، و روز ظهور قدرت خداست، و روز عفو
گناهان شیعانست، و روز فرح الشیانست، و روز توبه است، و روز انابت ست بسوئے حق تعالے و روز
زکوٰة بزرگ و روز فطر دوم ست و روز اندوه باغیانست و روز گره شدن آب دهان در گلوی مخالفانست
و روز خوشنودیے مومنانست و روز عید اهل بیت ست و روز ظفر یافتن بنی اسرائیل بر فرعونست و روز
مقبول شدن اعمال شیعانست و روز پیش فرستادن تصدقات ست و روز زیادتی مثوبانست و روز
قتل منافق ست و روز وقت معلوم ست و روز سرور اهل بیت ست و روز مشهود ست و روز قهر بر دشمن
ست و روز خراب شدن بنسیان ضلالت ست و روزلیست که ظالم انگشت ندامت بدندان می گزد و روز
بلیّه ابست و روز شرفست و روز خنک شدن دلهائے مومنانست و روز شهادتست و روز درگذشتن
از گناه مومنانست و روز تازگی بوستان اهل ایمان ست و روز شرینے کام الشیانست و روز خوشی دلهائے
مومنانست و روز برطرف شدن پادشاهی منافقانست و روز توفیق اهل ایمان ست و روز رهائی مومنانست
از شر کافران و روز مظاهرتست و روز مفاخرتست و روز قبول اعمالست و روز تبجیل و تعظیم ست و روز

نحلہ وعطاست وروز شکر حق تعالیٰ ست وروز یاری مظلومانست وروز زیارت کردن مومنانست وروز محبت کردن ایشانست وروز رسیدن برحمتہای آلہی ست وروز پاک گردانیدن اعمالست وروز فاش کردن رازہا ست وروز برطرف شدن بدعتہاست وروز ترک کردن گناہان کبیرہ ست وروز نداکردن بحق مت وروز عبادت ست وروز موعظت ونصیحت ست وروز انقیاد وپیشوایان دین ست - حذیفہ گفت کہ پس از خدمت امیرالمومنین برخواستم وگفتم اگر در دنیا ہم از اعمال وافعال خیر وآنچہ امید ثواب ازان دارم - مگر محبت این روز دانستن فضیلت این راہر آینہ منتہاے آرزوی من خواہد بود وپس محمد یحییٰ راویان حدیث گفتند کہ چوں این حدیث را از احمد بن اسحٰق شنیدیم ہر یک برخواستیم وسر او را بوسیدیم وگفتیم حمد وشکر می کنیم خداوندے را کہ برانگیخت ترا از برای ما تا آنکہ فضیلت این روز را بما رسانیدے پس بجانہائے خود برگشتیم واین روز را عید کردیم ۱۲

حذیفہ ابن یمان صحابی سے روایت ہے کہ میں نویں ربیع الاول کو پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت کے پاس امیرالمومنین علی مرتضیٰ اور حضرت امام حسن اور امام حسین بیٹھے ہوئے ہیں اور کھانا نوش فرما رہے ہیں - اور حضرت نہایت خوش ہیں - اور حسنین علیہما السلام سے کہہ رہے ہیں کہ کھاؤ بیٹا کھاؤ یہ کھانا تم کو مبارک ہو کہ آج کا دن وہ ہے جس میں خدا اپنے دشمن کو اور تمہارے جد کے دشمن کو ہلاک کرے گا - اور تمہاری مادر مشفقہ کی دعا کو قبول کرے گا - کھاؤ بیٹا کھاؤ کہ آج وہ دن ہے کہ خدا تمہارے شیعوں اور محبوں کے اعمال کو قبول کرے گا کھاؤ بیٹا کھاؤ کہ آج کی تاریخ خدا میرے اہل بیت کے فرعون کو ہلاک کرے گا کھاؤ بیٹا کھاؤ کہ آج کے دن خدا تمہارے دشمنوں کے عمل کو باطل کرے گا - کھاؤ بیٹا کھاؤ - کہ آج کی تاریخ خدا کے اس قول کی تصدیق ہوگی :- فتلک بیوتہم خاویۃ بما ظلموا - کہ آج کے دن گھر اُن کے خالی ہوگئے - بسبب ظلم کے جو اُنہوں نے کیا تھا - حذیفہ صحابی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ کیا آپ کی امت میں بھی کوئی ایسا ہوگا حضرت نے فرمایا کہ ہاں ایک بُت منافقوں سے اُن کا سرگروہ ہوگا اور دعوٰے ریاست کا کرے گا اور تازیانہ ظلم وستم کا اپنے ہاتھ میں لے گا اور آدمیوں کو خدا کی راہ سے منع کرے گا اور خدا کی کتاب کو تحریف کرے گا - اور میری سنت کو بدل دے گا - اور میرے وصی علی پر زیادتی کرے گا اور خدا کے مال کو ناحق اپنے او پر حلال

اور حلب اور دمشق میں کلمہ کفر کا پست اور خدا کا کلمہ بلند ہوا۔ ابتداء اسلام کی عزت بھی اُنہی کی ذات سے ہوئی اور خاتمہ بھی اُنہی پر ہوا۔ حقیقت میں دعا اس کو کہتے ہیں۔ اور قبولیت اسی کا نام ہے۔

اے یارو! ذرا تو انصاف کو دخل دو اور تعصب اور عناد کو چھوڑو کہ جس کی ذات سے ایک ہزار چھتیس شہر کفر کے دار الاسلام ہوئے اور جس کی بدولت ہزاروں بتخانے اور گرجے ٹوٹ کر مسجدیں بن گئیں اور جس کے سبب سے کسریٰ اور قیصر کے محلوں میں غلغلہ اللہ اکبر کا بلند ہوا۔ اور جس کی وجہ سے اُن کی بیٹیاں مسلمانوں کی لونڈیوں میں داخل ہوئیں اور جس کی ذات سے ظلمت کفر کی دُور ہوئی اور روشنی اسلام کی از شرق تا غرب پھیل گئی۔ وہی تمہارے نزدیک منافق ہے اور اُسی کا نام تمہارے یہاں دشمن خدا اور عدو رسول ہے تو معلوم نہیں کہ پھر خدا کا دوست اور رسول کا محب کون ہے۔ اگر حضرت عمر کی ذات نہ ہوتی تو آج تمہارے قبلہ و کعبہ لکھنؤ میں بیٹھ کر علی علی کہتے یا اجودھیاجی میں رام رام پکارتے۔ یہ عمر ہی کی جوتیوں کا طفیل ہے کہ تم خدا کی توحید سے اور پیغمبر کی نبوت سے واقف ہوئے اور کفر چھوڑ کر اسلام اور ایمان کے نام سے آگاہ ہوئے لیکن آفرین تمہاری احسان فراموشی پر کہ اُسی کی دشمنی کو تم نے ایمان قرار دیا ہے اور کفر کی بنیاد کھودنے والے اور اسلام کا نیزہ گاڑنے والے کا نام منافق اور کافر رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب شیطان نے دیکھا کہ بعد اسلام کے کفر پر لا نہیں سکتا اور شرک صریح میں گرفتار کر نہیں سکتا تب اُس نے یہ تدبیر کی کہ لوگوں کے دلوں میں کفر کی جڑ دوسری طرح قائم کرے اور باوجود مسلمانی کے دعوے کے اُن کو اسلام سے خارج کر دے۔ تب اُس نے یہ تدبیر کی اور رفض کا عقیدہ لوگوں کے دلوں میں مضبوط کیا۔ اور جن لوگوں نے پیغمبر صاحب کو مدد دی اور جنہوں نے اسلام کو پھیلایا اور جن کے سایے سے شیطان بھاگا اُن کی عداوت دلوں میں ڈال دی تاکہ اس حیلے سے اس کا کام نکلے اور لوگ اسلام سے نفرت کریں یا اسلام کا نام لیں۔ مگر اصل میں اُس کو چھوڑ بیٹھیں۔

چنانچہ اُس ملعون کا مطلب حضرات شیعہ سے بخوبی حاصل ہو گیا۔ اور اُس شقی ازلی نے اُن کے دلوں کو اندھا کر دیا کہ وہ ایسے اصحاب جلیل القدر کو بُرا جاننے لگے۔

اور ایسے دوستیوں کو پیغمبر صاحب کے بُرا کہنے لگے اُن کی دشمنی کو ایمان سمجھے اور اُن کو گالیاں دینا عبادت جانا۔ حقیقت میں اُن لوگوں نے ایمان چھوڑ دیا۔ اور شیطان کے دام میں آکر اسلام سے ہاتھ دھویا ورنہ جس کو ذرا بھی عقل ہوگی کیا وہ یہ نہ سمجھے گا۔ کہ اگر وہی لوگ جو اس شدومد سے ایمان لائے کافر تھے۔ اور وہی آدمی جنہوں نے اسلام کو عرب سے لے کر عجم تک اور عجم سے لے کر ہند تک پھیلایا اسلام کے دشمن تھے تو پھر دوسرا کون مسلمان ہو سکتا ہے۔ ضرور اس کا عقیدہ اسلام سے پھر جائیگا حقیقت میں اسلام کی حقیقت پر کوئی معتقد نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ شیعوں کے عقیدے نہ چھوڑے اور پاک سنی نہ بن جائے۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم میں اس مقام پر ایک اور بات شیعوں کی لکھنا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ اُن کے عقیدے کی خوبی اُس سے ظاہر ہو جائے اور اُن کی دشمنی اسلام اور ایمان سے ثابت ہو جائے۔

یہ امر تو بخوبی ثابت ہو گیا کہ حضرت عمرؓ کی ذات سے نہایت تقویت دین کو ہوئی اور اسلام کی جڑ انہیں کے سبب سے مضبوط ہوئی۔ چنانچہ صاحب حملۂ حیدریہ نے باین تعصب خود اقرار کیا ہے کہ ما فیل مصرع وزان بیشتر یافت دین تقویت۔ اور ظاہر ہے کہ جس کی ذات سے دین نے تقویت پائی ہوگی۔ اُس ذات سے پیغمبر صاحب کو محبت بھی بدرجۂ غایت ہوگی۔ لیکن موافق روایت شیعوں کے پیغمبر صاحب کو کسی سے اس قدر عداوت نہ تھی جیسے کہ حضرت عمر سے تھی اور اُن کے مرنے کی خبر سے جس قدر حضرت کو خوشی ہوئی ایسی کسی خبر سے نہ ہوئی تھی اور جو فضائل اُس روز کے جس روز کہ حضرت عمر نے شہادت پائی پیغمبر خدا نے بیان کئے ہیں۔ ایسے فضائل جمعہ اور عید اور روز غدیر کے بھی بیان نہیں کئے اور جو برکات اور فائدے اہل بیت کو اُس تاریخ میں ہوئے ہیں جس تاریخ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے وفات پائی ایسے کبھی کسی روز نہیں ہوئے۔ چنانچہ زاد المعاد میں جو معتبرین کتب شیعہ سے ہے اور ملا باقر مجلسی جس کے مؤلف[1] ہیں اُس کے آٹھویں باب کی پہلی فصل میں ایک طول طویل روایت لکھی ہے۔ جس کو ملا صاحب نے اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کیا ہے۔ اُس کا مختصر مضمون ہم لکھتے ہیں۔

[1] بدرستیکہ خبر داد مرا پدرم کہ حذیفہ بن یمان در روز نہم ربیع الاول داخل شد بر جدم رسول خدا

حذیفه گفت که دیدم حضرت امیرالمومنین و حضرت امام حسن و امام حسین را که با حضرت رسالت پناه طعام تناول
می نمودند - و آن حضرت بر روئی ایشان تبسم می فرمود و با حضرت امام حسن و امام حسین می گفت بخورید گوارا
باد از برائی شما برکت و سعادت این روز بدرست که این روزیست که حق تعالے هلاک می کند - دشمن خود و دشمن
جد شما را و مستجاب می گرداند - درین روز دعای مادر شما را بخورید که این روزیست که حق تعالے قبول می کند
اعمال شیعیان و محبان شما را درین روز بخورید که این روزیست که ظاهر می شود راستی گفتۀ خدا که می فرماید
فتلک بیوتهم خاویة بما ظلموا یعنی این ست خانهای ایشان که خالی گردیده ست بسبب ستمهای ایشان بخورید
که این روزیست که شکسته می شود درین روز شوکت جد شما و یاری کنندۀ جد شما و یاری کنندۀ دشمن شما
بخورید که این روزیست که هلاک می شود - درین روز فرعون اهل بیت من و ستم کننده بر ایشان و غصب
کنندۀ حق ایشان بخورید که این روزیست که حق تعالے عملهاے دشمنان شما را باطل و هبا می گرداند -
حذیفه گفت که من گفتم که یا رسول الله آیا در میان امت تو کسی خواهد بود که هتک این حرمت نماید حضرت
فرمود که ای حذیفه بتے از منافقان بر ایشان سرگروه خواهد شد و دعوی ریاست در میان ایشان خواهد کرد
و مردم را بسوئے خود دعوت خواهد نمود و تازیانۀ ظلم و ستم را بر دوش خود خواهد گرفت و مردم را از راه خدا
منع خواهد نمود و کتاب خدا را تحریف خواهد نمود و سنت مرا تغیر خواهد داد و میراث فرزند مرا متصرف خواهد شد
و خود را پیشوای مردم خواند و زیادتی بر وصی من علی بن ابی طالب خواهد کرد و مالهاے خدا را بناحق بر خود
... حلال خواهد کرد و در غیر طاعت خدا صرف خواهد کرد و مرا و برادر من و وزیر من علی بن ابی طالب را
بدروغ نسبت خواهد داد و دختر مرا از حق خود محروم خواهد گردانید - پس دختر من او را نفرین خواهد کرد و
حق تعالے نفرین او را مستجاب خواهد کرد - حذیفه گفت یا رسول الله چرا دعا نمی کنی که حق تعالے او را در حیات
شما هلاک کند حضرت فرمود که اے حذیفه دوست نمی دارم که جرأت کنم بر قضای خدا و از او طلب کنم تغیر امرے
را که در علم او گذشته است - ولیکن از حق تعالے سوال کردم که فضیلت دهد آن روز را که دران روز او بجهنم
می رود - بر سائر روزها تا آنکه احترام آن روز سنتے گردد و در میان دوستان من و شیعیان اهل بیت من
پس حق تعالے وحی کرد بسوئے من که اے محمد در علم سابق من گذشته است که دریابد ترا و اهل بیت ترا محنتها و
بلائے دنیا و ستمهائے منافقان و غصب کنندگان از بندگان من آن منافقان که تو خیرخواهی ایشان کردی و با
تو خیانت کردند و تو با ایشان راستی کردے - و ایشان با تو مکر کردند و تو با ایشان صاف بودی - ایشان
دشمنی ترا بدل گرفتند و تو ایشان را خشنود کردی - و ایشان ترا تکذیب کردند و تو ایشان را برگزیدی - و ایشان
ترا در بلیه گذاشتند و قسم یاد می کنم بحول و قوت و بادشاهی خود که البته بکشائیم بر روئے کسے که غصب

کند حق علی را که وصی تست بعد از تو هزار درد از پست ترین طبقات جهنم که آن را فیلوق می گویند۔ و او را و اصحاب او را در قعر جہنم جا وہم کہ شیطان از مرتبہ خود بر او مشرف شود و او را .... کند و آن منافق در روز قیامت عبرتے گردانم برای فرعونہا کہ در زمانہائے پیغمبران دیگر بودند و برائے سائر دشمنانِ دین و ایشان و دوستان ایشان را بسوی جہنم برم و با دیدہائے کبود و روہائے ترش با نہایت مذلت و خوارے و بہ پشیمانی ایشان را ابد الآباد در عذاب خود بدارم ای محمد بمنزلت علی بمنزلت تو مگر بانچہ می رسد باو از بلاہا از فرعون او و غصب کنندہ حق او کہ جرأت می کند بر من و کلام مرا بدل می کند و شرک بمن می آورد و مردم را منع می کند از راہ رضائے من و گوسالہ از برائے امت تو بر پا می کند کہ آن ابوبکر است و کافر می شود بمن در عرش عظمت و جلال من بدرستے کہ من امر کردہ ام ملائکہ ہفت آسمان خود را کہ برائے شیعیان و محبان دین شما عید کنند آن روزے را کہ آن ... کشتہ می شود امر کردم کہ کرسی کرامت مرا نصب کنند در برابر بیت المعمور و ثنا کنند بر من و طلب آمرزش نمایند برائے شیعان و محبانِ شما از فرزندان آدم و امر کردہ ام ملائکہ نویسندگان اعمال را کہ ازین روز تا سہ روز قلم از مردم بردارند و نہ نویسند گناہان ایشان را برائے کرامت تو و وصی تو اے محمد این روز را عیدے گردانیدم برائے تو و اہل بیت تو و برائے ہر کہ تابع ایشان باشند از مومنان و شیعان ایشان و سوگند یاد می کنم بعزت و جلال خود و علو منزلت و مکان خود کہ عطا کنم کسے را کہ عید کند این روز را از برائے من ثواب آنہا کہ بدور عرش احاطہ کردہ اند و قبول کنم شفاعت او را از خویشان او و زیادہ کنم مال او را اگر کشادگی دہد بر خود و بر عیال خود و در این روز و ہر سال درین روز ہزار ہزار کس از موالیان و شیعان شما را از آتش جہنم آزاد گردانم و اعمال ایشان را قبول کنم و گناہان ایشان را بیامرزم۔ حذیفہ گفت پس برخواست حضرت رسول خدا و بخانہ ام سلمہ رفت و من برگشتم و صاحب یقین بودم در کفر عمر تا آنکہ بعد از وفات حضرت رسول دیدم کہ او چہ فتنہا برانگیخت و کفر اصلی خود را اظہار کرد و ازین دین برگشت و دامان بیحیائی و وقاحت برائے غصب امامت و خلافت برزد و قرآن را تحریف کرد و آتش در خانہ وحی رسالت زد و بدعتہا در دین خدا پیدا کرد و ملت پیغمبر را تغیر داد و سنت آن حضرت را بدل کرد و شہادت حضرت امیر المومنین را رد کرد و فاطمہ دختر رسول خدا را بدروغ نسبت داد و فدک را غصب کرد و یہود و نصارٰی و مجوس را از خود راضی کرد و نور دیدہ مصطفٰے را بخشم آورد و رضا جوئے اہل بیت رسالت نہ کرد و جمیع سنتہائے رسول خدا را برطرف کرد و تدبیر کشتن امیر المومنین کرد و جور و ستم در رعیا نہ مردم علانیہ کرد و ہر چہ خدا حلال کردہ بود حلال کرد و حکم کرد کہ از پوست شتر دینار و دراہم بسازند و خرج کنند و در بر رو و شکم فاطمہ زہرا زد۔ و بر منبر حضرت رسالت بغصب و جور

بالا رفت و بر حضرت امیر المومنین افترا بست و بآن حضرت معارضه کرد ورائی آنحضرت را بسفاہت نسبت داد۔ حذیفہ گفت۔ پس حق تعالے دعائے برگزیدۂ خود و دختر پیغمبر خود را در حق آن منافق مستجاب گردانید و قتل اورا بر دوست کشندہ او رحمۃ اللہ جاری ساخت پس رفتیم بخدمت حضرت امیر المومنین کہ آن حضرت را تہنیت و مبارکباد بگوئیم بآن کہ آن منافق کشتہ شد و بعذاب حق تعالے واصل گردید چون حضرت مرا دید فرمود ای حذیفہ آیا در خاطر داری آن روزے را کہ آمدی بہ نزد من و نزد سید من رسول و من دو و سبط من حسن وحسین نزد او نشستہ بودیم و با او طعام می خوردیم۔ پس ترا دلالت کرد بر فضیلت این روز گفتم۔ بلے اے برادرِ رسول حضرت فرمود بخدا سوگند کہ این روزیست کہ حق تعالے دران دیدۂ آل رسول را روشن گردانید و من برائے این روز ہفتاد و دو نام می دانم۔ حذیفہ گفت کہ یا امیر المومنین می خواہم کہ آن نامہا را از تو بشنوم۔ حضرت فرمود کہ این روز استراحت ست کہ مومنان از شر آن منافق استراحت یافتند و روز زائل شدن کرب و غم ست و روز غدیر دوم ست و روز تخفیف گناہان شیعانست و روز اختیار نکوئی برائے مومنان ست۔ و روز برداشتن قلم از شیعانست۔ و روز برہم شکستن بنائے کفر عدوانست و روز عافیت ست و روز برکت ست۔ و روز طلب خونہاے مومنانست۔ و روز عید بزرگ خدا ست و روز مستجاب شدن دعا ست۔ و روز موقف اعظم ست و روز وفائے بعہد ست و روز شرط ست و روز کندن جامۂ سیاہست۔ و روز ندامت ظالمست۔ و روز شکستہ شدن شوکت مخالفانست۔ و روز نفی ہموم ست و روز فتح ست۔ و روز عرض اعمال آن کافر ست، و روز ظہور قدرت خدا ست، و روز عفو گناہان شیعانست، و روز فرح الشیانست، و روز توبہ است، و روز انابت ست بسوئے حق تعالے و روز زکوٰۃ بزرگ و روز فطر دوم ست و روز اندوہ باغیانست و روز گرہ شدن آب دہان در گلوی مخالفانست و روز خوشنودیے مومنانست و روز عید اہل بیت ست و روز ظفر یافتن بنی اسرائیل بر فرعونست و روز مقبول شدن اعمال شیعانست و روز پیش فرستادن تصدقات ست و روز زیادتی مثوبانست و روز قتل منافق ست و روز وقت معلوم ست و روز سرور اہل بیت ست و روز مشہود ست و روز قہر بر دشمن ست و روز خراب شدن بنسیان ضلالت ست و روزیست کہ ظالم انگشت ندامت بدندان می گزد و روز بنیہ است و روز شرفست و روز خنک شدن دلہائے مومنانست و روز شہادتست و روز در گذشتن از گناہ مومنانست و روز تازگی بوستان اہل ایمان ست و روز شیرینے کام الشیانست، و روز خوشی دلہائے مومنانست و روز برطرف شدن پادشاہی منافقانست و روز توفیق اہلِ ایمان ست و روز رہائی مومنانست از شر کافران و روز مظاہرتست و روز مفاخرتست و روز قبول اعمالست و روز تبجیل و تعظیم ست و روز

نحلہ وعطاست وروز شکر حق تعالیٰ ست وروز یاری مظلومانست وروز زیارت کردن مومنانست وروز محبت
کردن ایشانست وروز رسیدن برحمتہای الٰہی ست وروز پاک گردانیدن اعمالست وروز فاش کردن رازہا
ست وروز برطرف شدن بدعتہاست وروز ترک کردن گناہان کبیرہ ست وروز نداکردن بحق ست وروز
عبادت ست وروز موعظت ونصیحت ست وروز انقیاد وپیشوایان دین ست - حذیفہ گفت کہ پس از
خدمت امیر المومنین برخواستم وگفتم اگر در دنیا ہم از اعمال وافعال خیر وآنچہ امید ثواب ازان دارم - مگر
محبت این روز دانستن فضیلت این راہر آئینہ منتہائے آرزوی من خواہد بود ولیس محمد یحییٰ راویان
حدیث گفتند کہ چوں این حدیث را از احمد بن اسحٰق شنیدیم ہر یک برخواستیم وسراو رابوسیدیم وگفتیم حمد وشکر
می کنیم خداوندے را کہ برانگیخت ترا از برای ما تا آنکہ فضیلت این روز را بما رسانیدے پس بجانہائے
خود برگشتیم واین روز را عید کردیم ۱۲

حذیفہ ابن یمان صحابی سے روایت ہے کہ میں نویں ربیع الاول کو پیغمبر صاحب کی خدمت میں
حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت کے پاس امیر المومنین علی مرتضیٰ اور حضرت امام حسن اور
امام حسین بیٹھے ہوئے ہیں اور کھانا نوش فرمارہے ہیں - اور حضرت نہایت خوش ہیں - اور
حسنین علیہما السلام سے کہہ رہے ہیں کہ کھاؤ بیٹا کھاؤ یہ کھانا تم کو مبارک ہو کہ آج کا دن
وہ ہے جس میں خدا اپنے دشمن کو اور تمہارے جد کے دشمن کو ہلاک کرے گا - اور تمہاری
مادر مشفقہ کی دعا کو قبول کرے گا - کھاؤ بیٹا کھاؤ کہ آج وہ دن ہے کہ خدا تمہارے شیعوں
اور محبوں کے اعمال کو قبول کرے گا کھاؤ بیٹا کھاؤ کہ آج کی تاریخ خدا میرے اہل بیت
کے فرعون کو ہلاک کرے گا کھاؤ بیٹا کھاؤ کہ آج کے دن خدا تمہارے دشمنوں کے عمل
کو باطل کرے گا - کھاؤ بیٹا کھاؤ - کہ آج کی تاریخ خدا کے اس قول کی تصدیق ہوگی :-
فتلک بیوتہم خاویۃ بما ظلموا - کہ آج کے دن گھر اُن کے خالی ہو گئے - بسبب ظلم کے جو
اُنہوں نے کیا تھا - حذیفہ صحابی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ کیا آپ کی امت
میں بھی کوئی ایسا ہوگا حضرت نے فرمایا کہ ہاں ایک بت منافقوں سے اُن کا سرگروہ ہوگا
اور دعوے ریاست کا کرے گا اور تازیانہ ظلم وستم کا اپنے ہاتھ میں لے گا اور آدمیوں
کو خدا کی راہ سے منع کرے گا اور خدا کی کتاب کو تحریف کرے گا - اور میری سنت کو بدل
دے گا - اور میرے وصی علی پر زیادتی کرے گا اور خدا کے مال کو ناحق اپنے اوپر حلال

کرے گا۔ اور غیر طاعت میں خدا کے صرف کرے گا اور مجھے اور میرے بھائی علی کو جھوٹا کہے گا۔ حذیفہ نے کہا کہ یا حضرت اگر وہ ایسا ہے تو کیوں آپ اُس کے لئے دعا نہیں کرتے تاکہ وہ آپ کی زندگی میں ہلاک ہو جاوے۔ حضرت نے جواب دیا کہ میں خدا کی قضا پر جرأت نہیں کرتا اور جو کچھ اُس نے اپنے علم میں قرار دے دیا ہے اُس کا بدلنا اُس سے نہیں مانگتا۔ لیکن یہ خدا سے سوال کرتا ہوں کہ خدا اُس روز کو فضیلت دے اور تمام دنوں پر اُس دن کو عزت بخشے۔

چنانچہ خدا نے حضرت کی دعا قبول کی اور وحی کی کہ اے پیغمبر میں اُس دن کو افضل کرتا ہوں اور علی کو تیرا سا رتبہ اُسی کے ظلم کے سبب سے عطا کروں گا۔ وہ شخص مجھ پر جرأت کرے گا۔ میرے کلام کو بدل دے گا۔ میرے ساتھ شرک کرے گا۔ لوگوں کو میری راہ سے منع کرے گا۔ میرے ساتھ بکفر پیش آئیگا۔ اس لئے میں نے ملائکہ ہفت آسمان کو حکم دیا کہ اُس دن کو جس میں وہ مارا جائے شیعوں اور محبوں کے لئے عید کریں اُس تاریخ کو میری کرسی کرامت کو بیت المعمور کے برابر نصب کریں اور تمام شیعون کی مغفرت کی دعا کریں اور میں نے تمام فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ اُس تاریخ سے تین دن تک قلم آدمیوں سے اُٹھالیں اور کوئی شخص کچھ گناہ کیوں نہ کرے اُس کو نہ لکھیں۔ اے محمدؐ اس دن کو میں نے تیرے لئے اور تیرے شیعوں کے لئے حیلہ بنا دیا ہے۔ انتہی ترجمتہ بلفظہ۔

اَیُّہا المومنین اس روایت کو دیکھو اور شیعون کے ایمان اور انصاف اور عقل پر روؤ۔ تعجب ہے کہ زمین شق نہیں ہوتی کہ وہ سما جائیں۔ قہر کی بجلی نہیں گرتی کہ وہ جل جائیں۔ طوفان غضب نہیں آجاتا کہ وہ ڈوب مریں۔ دیکھو پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا پر اس حدیث میں کیسی تہمت کی ہے اور خدا کے محبوب پر کیا افترا باندھا ہے۔ خدا اس قوم سے جس نے اپنی آنکھوں کو اندھا اور کانوں کو بہرا اور دلوں کو غافل کر رکھا ہے اس تہمت اور افترا کا بدلہ لے۔ درحقیقت انہی کی شان میں یہ صادق ہے کہ لَہُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَہُوْنَ بِہَا وَلَہُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِہَا وَلَہُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِہَا اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ہُمْ اَضَلُّ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْغَافِلُوْنَ۔ کوئی دقیقہ بے ایمانی اور کفر کا نہیں ہے۔ جو اس حدیث کے واضع نے چھوڑا ہو اور کوئی جھوٹھ اور افترا نہیں رہا۔ جو پیغمبر صاحب کی طرف منسوب

نہ کیا ہو۔ بھلا کون شخص ہے جو اس بات کو مانے گا کہ جس شخص کے ایمان لانے کے لئے خود ہی حضرت نے دعا کی ہو اور جس کے لئے بروایت امام باقر علیہ السلام اللّٰھمّ اعز الاسلام بعمر بن خطاب کہا ہو اور جس کے حق میں خدا نے حضرت کی دعا قبول کی ہو اور جس نے مسلمان ہوتے ہی جھنڈا اسلام کا کعبے میں گاڑ دیا ہو اور جس نے اسلام لاتے ہی حضرت کو کعبے چلنے پر مستعد کیا ہو اور جس نے تمام عمر اپنی حضرت کی محبت اور اطاعت اور فرمانبرداری میں اور اپنی ساری زندگی اسلام کے پھیلانے میں صرف کر دی ہو اور جس نے دنیا کی کسی قسم کی لذت نہ اٹھائی ہو۔ اور جس نے خدا کی راہ میں جان دے دی ہو۔ اُس سے پیغمبر صاحب اس قدر رنجیدہ ہوں کہ اُس کے مرنے پر اس قدر خوشی کریں اور اُس کے مرنے کے دن کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ اور عید غدیر سے بھی بڑھ کر افضل جانیں اور خدا اُس کے مرنے سے اس قدر خوش ہووے کہ تین دن تک گناہوں کے لکھنے سے قلم اٹھائے اور شیعوں کو اجازت دے کہ اس تین دن کے عرصے میں چاہیں زنا کریں۔ چاہیں شراب اور سُور نوش فرماویں۔ چاہیں مسجدیں ڈھاویں۔ چاہیں قرآن جلاویں جو دل چاہے کریں نہ کوئی پوچھنے والا ہے نہ بتلانے والا کرام کاتبین موقوف لکھنا پڑھنا بند۔ پس ایسی حالت میں بھی اپنی خواہشیں پوری نہ کریں تو کب کرینگے خدا کے لئے انصاف کرو اور اس عقل کے دشمن ایمان کے عدو فرقے کو دیکھو کہ ان کو کس قدر شیطان نے بہکایا ہے اور اسلام کی راہ سے کس قدر دور کر دیا ہے۔ سبحان اللّٰہ کیا دین اور کیا مذہب ہے کہ بیچارے نمازی برسوں نماز پڑھتے پڑھتے مریں روزے رکھنے والے تیس دن تک گرمیوں کے دنوں میں بھوکھ پیاس کی تکلیف اٹھاویں۔ حاجی ہزاروں منزل سے مصیبت راہ کی طے کر کے کعبے میں پہنچیں اور حج کریں تب صبر کے مستحق ٹھہریں اور شیعہ بھائی گھر بیٹھے زنا کریں۔ شرابیں پئیں اور ربیع الاول کی نویں تاریخ کو اپنے بابا شجاع کے نام پر حلوے کھاویں اور لعنتی کھانا نوش کریں اور سب سے زیادہ ثواب پاویں واہ کیا خدا کا عدل ہے شاید اسی سبب سے خدا کو عادل سمجھتے ہیں اور عدل کو اصول خمسۂ دین میں جانتے ہیں۔ اگر ایمان اسی کا نام ہے اور محبت اہل بیت اسی کو کہتے ہیں تو افسوس ایسے ایمان اور ایسی محبت پر۔ اور اگر محب اور مومن ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں تو وائے اُن کے حال پر۔

مصرع - گر ولی این ست لعنت بر ولی - اس روایت کی صحت اگر تسلیم کی جائے تو ضرور یہ امر بھی ماننا پڑے گا کہ پیغمبر صاحب بھی تقیہ فرماتے تھے اور وہ بھی کافروں بلکہ اپنے یاروں سے ڈرتے تھے اور خوف کے سبب سے جو کچھ اُن کے دل میں ہوتا اُس کو ظاہر نہ فرماتے تھے - اس لئے کہ اگر خوف نہ ہوتا تو ایسے دشمن خدا اور رسول کو جیسے کہ حضرت عمر تھے اور جن کے مرنے کی خبر سے اس قدر خوش تھے اور جن کی موت کی تاریخ کو عید اور جمعے سے افضل جانتے تھے اور جن کو فرعون اہل بیت کہتے تھے - کیوں اپنی صحبت میں رکھتے اور کس لئے اُن کو اپنا مصاحب بناتے اور کس واسطے اُن سے ہمیشہ صلاح اور مشورہ لیا کرتے - کسی آدمی کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ پیغمبر صاحب جن کا کام خلق کی ہدایت تھا اور احکام الٰہی کا پہنچانا جن کے اوپر فرض تھا اور امت کو نیک بد پر آگاہ کر دینا جن کے اوپر لازم تھا وہ بھی تقیہ کرتے ہوں اور خوف جان کے سبب سے عمر کا نام بھی نہ لے سکتے ہوں اور باوجود اس کے کہ اُن کو اپنے دین کا دشمن جانا اور جان بوجھ کر ان کو اپنی صحبت سے نہ نکالا اور علانیہ لوگوں پر اُن کے کفر و نفاق کا حال ظاہر کرنا بیک طرف اپنے گھر میں بھی پوچھنے والے سے اُن کا نام نہ لیا - اور دیوار ہم گوش دارد کا مضمون پیش نظر رکھ کر گول گول ہی بات فرمائی - اسی واسطے حذیفہ صحابی سے سب حال تو حضرت نے فرما دیا - لیکن نام عمر کا نہ لیا - بلکہ اُن کے پوچھنے پر بھی جواب صاف نہ دیا اور فقط اُن کی صفات بیان کر کے سکوت فرمایا - اگر ان کا نام حذیفہ سے کہہ دیا ہو تو اُس کے ساتھ ہی سکوت کی بھی نصیحت کر دی ہو -

تعجب ہے حضرات شیعہ سے کہ وہ مسلمانی کا نام بدنام کرتے ہیں اور پیغمبر خدا پر ایسی تہمت لگاتے ہیں اور خدا و رسول سے کچھ نہیں شرماتے خانہ خراب ہو تقیے کا - جس سے کسی کو محفوظ نہیں جانتے اور پیغمبر صاحب پر بھی اُس کا افترا کرتے ہیں حالانکہ خود اُن کے علماء کا اقرار ہے کہ پیغمبر صاحب تقیہ نہ کرتے تھے بلکہ وہ تقیے سے ممنوع تھے چنانچہ ہم بحث تقیے میں اس کا ذکر کرینگے اور حقیقت میں اگر پیغمبر صاحب بھی تقیہ کرتے ہوتے اور وہ کافروں سے ڈرتے ہوتے اور جو بات سچ ہے اس کو زبان پر نہ لاتے تو دین کیونکر جاری ہوتا اور مذہب اسلام کیونکر پھیلتا اور لوگوں کو حضرت کی صداقت پر کس طرح یقین رہتا - پس جب کہ پیغمبر خدا تے ابتدائے نبوت

میں تقیہ نہ کیا اور باوجود تکلیف اُٹھانے کے کفار کے ہاتھ سے اُن کے کفر کی بُرائی
اور اُن کے بتوں کی ہجو کو ترک نہ کیا۔ اور سب طرح کے صدموں کو صرف اسی بات
پر گوارا فرمایا اور بعد ہجرت کے اور شروع ہونے جہاد کے کفار و منافقین کو قتل کیا
اور جو واجب القتل معلوم ہوا اُس کے خون کو ہدر کیا اور اُن کے نام لے کر لوگوں
کو اُن کے قتل پر آمادہ کیا اور حضرت عمر کو باوجود جاننے اس امر کے کہ اُن سے بڑھ
کر کوئی کافر اور منافق نہیں ہے اور اُن سے زیادہ کوئی دشمن خدا اور رسول نہیں ہے
کبھی اپنی آغوش سے جدا نہ کیا اور سوائے تعریف کے کبھی اُن کی برائی کا کلمہ بھی زبان مبارک
پر نہ لائے تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا خوف ہوگا۔ اور حضرت سے زیادہ تقیہ
کون کرے گا۔ میں اس مقام پر چند اشعار حملۂ حیدریہ کے لکھتا ہوں جس سے معلوم ہو کہ
پیغمبر خدا کفار کی برائیوں کے ظاہر کرنے اور اُن کے معبودوں اور بتوں کی ہجو کرنے میں
کچھ کسی کا خیال نہ کرتے تھے اور ہر چند کوئی سمجھاتا اُس سے باز نہ آتے تھے کما قیل **اشعار**

بفرمود اگر قوم از آسمان	بیارند خورشید را ترجمان	گذارند بر دست من ہدیہ وار
نہ بندم لب از امر پروردگار	بجز طعن اصنام و وصف الٰہ	بجز لعن آبائے گم کردہ راہ
زمن قوم حرف دگر نشنوند	اگر نیک دانند اگر بد برند	

اور پھر یہی مؤلف آئندہ پیغمبر صاحب کے اظہار دعوت میں لکھتا ہے۔ **اشعار**

بدعوت شد آمادہ تر از نخست	کمر بستہ در کار خود سخت چست	نیاسود یکدم ز ارشاد خلق
نہ تنگ آمد از جور بیداد خلق	بہ صبح و بشام و بروز و بشب	نمودے بحق قوم خود را طلب
نہ از طعن اصنام بستے زبان	نہ از لعن بر زمرۂ کافران	نہ کردی ازان ناکسان احتراز
نمودے ادا آشکارا نہاں	چو در شان قومی شقاوت نشان	در احوال آبائے آن گمرہان
ز نزد خدائے جہان آفرین	بسوئے نبی جبرئیل امین	رسانیدے آیات قہر و عقاب
بخواندے بر ایشاں نبی بیحجاب	شدی خون ازین غم دل مشرکان	فتادی ازان غصہ آتش بجان
تلافی نمودندے آن اشقیا	بدست و زبان باشہ انبیا	و لیکن بتائید یزدان پاک

لہ حملۂ حیدری جلد اول صفحہ ۱۶ سطر ۱۰۔ مطبوعہ مطبع سلطانی ۱۲۶۷ھ ہجری ۱۲ منہ لہ حملۂ حیدری
جلد اول صفحہ ۲۰۔ سطر ۱۶ مطبوعہ مطبع سلطانی ۱۲۶۷ھ ہجری ۱۲ منہ

خدائی جہان راچنان می ستود	یدانسان کہ در کار خود بو دبود	نبی را ازیشان نہ بُد ہیچ باک

اے حضرات شیعہ پیغمبر صاحب کے وعظ وارشاد پر غور کرو اور تبلیغ دعوت پر خیال کرو اور سوچو کہ ابتدائے زمانۂ نبوت میں جب نہ کوئی یار تھا نہ مددگار نہ فوج تھی۔ نہ لشکر چھوٹی چھوٹی بات میں تو پیغمبر صاحب اپنی جان اور عزت کا خیال نہ کریں اور جس قوم اور جس شخص کی برائی اور کفر میں جبرئیل پیام خدا کا لاویں اُس کو صاف صاف کہ دیں اور اخیر زمانے میں جب کہ ہزاروں شخص مسلمان اور لاکھوں آدمی مطیع موجود ہوں اور سلاطین اور پادشاہان زمین بھی خائف اور ترساں ہوں۔ اُس وقت پیغمبر خدا حضرت عمرؓ سے اس قدر ڈریں کہ باوجود اُن کے نفاق وکفر کے اُس کا ذکر بھی کسی سے نہ فرماویں اور سوائے حذیفہ کے وہ بھی گھر میں بیٹھ کر کسی سے کچھ ارشاد نہ کریں بلکہ لوگوں سے کتنا کیسا خود عمرؓ کو کبھی اپنے پاس سے جدا نہ کریں اور ہمیشہ اُن سے صلاح ومشورہ لیتے رہیں اور جن کے حق میں خدا نے وَشَاوِرْہُمْ فِی الْاَمْرِ فرمایا ہو اُن میں حضرت عمرؓ کو داخل کریں۔ اگر کوئی شیعہ یہ کہے کہ خدا کا حکم نہ تھا کہ یہ امر ظاہر کیا جائے تو ہم کہتے ہیں۔ کہ سلام ہے اُس خدا کو جو عمرؓ سے ڈرتا تھا اور جو ایسی بڑی بات کو صرف ایک آدمی کے خوف سے ظاہر نہ کر سکتا تھا۔ اور پیغمبر صاحب کو اُس پر خاموش رہنے کے لئے تاکید فرماتا تھا۔ اور اگر کوئی یہ سمجھے کہ پیغمبر خدا نے یہ خیال کر کے کہ لوگ نہ مانیں گے بلکہ اُن کے کفر ونفاق ظاہر کرنے سے سب لوگ پھر جاویں گے۔ اس کا علانیہ ذکر نہیں کیا تو اس بات کو ہم نہیں مانتے اس لئے کہ پیغمبر صاحب کا کام تھا ہر ایک امر کا ظاہر کر دینا باقی ماننا نہ ماننا امت کے اختیار میں تھا۔ اگر پیغمبر خدا حضرت عمرؓ کے کفر ونفاق کو ظاہر کر دیتے اور سب کو اُس پر آگاہ فرما دیتے تو حضرت کی حجت تو ختم ہو جاتی۔ اور اگر کوئی نہ مانتا تو اس کا قصور ثابت ہوتا۔ یہ فضائل جور وزقتل حضرت عمرؓ کے پیغمبر خدا نے حذیفہ سے بیان کئے ایسے تھے کہ حضرت کو لازم تھا کہ تمام مسلمانوں کو جمع کرتے اور خم غدیر کے خطبے کی طرح ممبر پر چڑھ کر حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑ کر اُس کا خطبہ پڑھتے اور سب لوگوں کو آگاہ کرتے کہ یہ عمر جو میرے پاس ہے کافر اور منافق ہے۔ اور فرعون میرے اہل بیت کا ہے اس کو خوب پہچان رکھو۔ یہ میرے اہل بیت پر ظلم کریگا تازیانہ جور وستم ہاتھ میں لے گا۔ حق میرے بھائی علی کا غصب کرے گا۔ اس کے مرنے

کے دن کی یہ فضیلتیں خدا بیان کرتا ہے اگر حضرت ایسا کرتے تو حق رسالت ادا کرتے سبحان اللہ پیغمبر صاحب ذرا ذرا سی بات کو تو علانیہ بیان کر دیں اور ایک ادنیٰ منافق کے واسطے خدا آیتیں نازل کرکے اُن کو مشتہر اور بدنام کرے اور حضرت عمرؓ سے منافق کے لئے ونعوذ باللہ منہ نہ خدا کوئی آیت نازل کرے نہ پیغمبر صاحب کچھ زبان سے فرماویں افسوس ایسی سمجھ پر اور تف ایسے عقیدے پر کہ جس کے نہ اصول درست ہیں نہ فروع۔

فی فروعت محکم آمد نے اصول	شرم بادت از خدا و از رسول

امر سوم اصحاب کے تابعین کی فضیلتیں اور اُن کی نشانیاں

اس دعا میں جس طرح امام زین العابدین علیہ السلام نے پیغمبر خدا کے اصحاب پر درود بھیجا ہے اسی طرح اُن کے تابعین کے حق میں رحمت کی طلب کی ہے۔ چنانچہ یہ الفاظ امام صاحب کی دعا کے ہیں (اللہم واوصل الی التابعین لہم باحسان الذین یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان خیر جزائک الذین قصدوا سمتہم وتحروا وجہتہم ومضوا علی شاکلتہم لم یثنہم ریب فی بصیرتہم ولم یختلجہم شک فی قفو آثارہم والائتمام بہدایۃ منارہم مکانفین وموازرین لہم یدینون بدینہم ویہتدون بہدیہم یتفقون علیہم ولا یتہمونہم فیما ادوا الیہم) کہ خداوند ان کی تبعیت کرنے والوں کو جزا خیر دے جو کہ دعا کیا کرتے ہیں کہ پروردگار امغفرت کر ہماری اور ہمارے اُن بھائیوں کی جو ہم میں سے ایمان میں سبقت لے گئے ہیں۔ کیسے تابعین جو اصحاب کی چال پر چلتے ہیں۔ اور اُن کے آثار کی پیروی کرتے ہیں اور اُن کی ہدایت کی نشانیوں کی اقتدا کرتے ہیں جن کو کوئی شک اُن کی خوبی میں نہیں ہوتا۔ اور کیسے تابعین جو اپنا دین ویسا ہی رکھتے ہیں جیسا کہ اصحاب کا تھا اور اُن سے اتفاق رکھتے ہیں اور اصحاب پر کچھ تہمت نہیں کرتے۔

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ بعد اصحاب کرام کے رتبہ تابعین کا ہے اور وہی سب امت سے افضل ہیں اور ان کی نشانیاں وہی ہیں جو کہ امام علیہ السلام نے بیان کر دیں پس اب اس میں تو کچھ شبہ باقی نہیں رہا کہ اُمت محمدی میں وہی گروہ سب سے افضل ہے جو کہ اصحاب کی تبعیت کرے اور وہی فرقہ اصل راہ پر ایمان کے ہے۔ جو

قدم بقدم صحابہ کے چلے اب یہ امر باقی رہ گیا کہ وہ فرقہ جو اصحاب کی چال پر چلتا ہے کونسا ہے وہ ہے جس کا نام اہل سنت ہے یا وہ جس کا نام شیعہ ہے اور یہ امر دونوں کے عقائد پر نظر کرنے سے طے ہو سکتا ہے۔ پس سنیوں کے عقیدے وہی ہیں جو کہ امام نے اپنی دعا میں بیان فرمائے کہ وہ اصحاب کے تابع ہیں اور اصحاب کے حق میں دعا خیر کرتے ہیں اور اُن کو ایمان میں سابق اور مقدم جان کر اُن کے لئے رحمت طلب کرتے ہیں اُن کے آثار کی پیروی کرتے ہیں اُن کو اچھا جانتے ہیں۔ اور شیعوں کے عقیدے بالکل خلاف اس کے ہیں وہ اصحاب کو بُرا جانتے ہیں اُن کو بُرا کہتے ہیں اُن پر تبرا کرتے ہیں ان کو منافق اور کافر جانتے ہیں۔ اُن کی پیروی کو کفر سمجھتے ہیں۔ اُن کی خوبیوں میں شک و شبہہ رکھتے ہیں اور اُن پر ہر طرح کی تہمتیں لگاتے ہیں غرضکہ جو شخص عقل اور ایمان رکھتا ہو اُس کو لازم ہے کہ وہ اول امام کی دعا کے الفاظ پر غور کرے بعدہ سنیوں اور شیعوں کے عقیدوں پر غور کرے تب انصاف کرے کہ امام کے قول کے مطابق سنی حق پر ہیں یا شیعہ۔

تیسری شہادت

شیعوں کی معتبر ترین تفسیر میں جس کو وہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں لکھا ہے (ان اللہ اوحی الی آدم ان اللہ لیفیض علے کل واحد من محبی محمد و آل محمد و اصحاب محمد مالو قسمت علی کل عدد ما خلق اللہ من طول الدہر الی آخرہ و کانوا کفار الاداہم الی عاقبۃ محمودۃ و ایمان باللہ حتی یستحقوا بہ الجنۃ و ان رجلا من یبغض آل محمد و اصحابہ او واحدا منہم لعذبہ اللہ عذابا لو قسم علے مثل خلق اللہ لاہلکہم اجمعین) ترجمہ خدائے عزوجل نے وحی کی آدم پر کہ خدا ان لوگوں پر جو محبت رکھتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اور اُن کی آل سے اور اُن کے اصحاب سے ایسی رحمت نازل کرے گا کہ اگر وہ تقسیم کی جاوے اوپر تمام مخلوقات کے اول سے آخر تک تو وہ کافی ہے۔ اور اگر سب کفار ہوں تو اُن کی عاقبت بھی اچھی ہو جاوے اور وہ مومن ہو جاویں۔ اور اگر کوئی آدمی دشمنی رکھے گا ساتھ آل محمد کے اور اصحاب محمد کے یا ایک سے بھی اُن میں سے تو خدا اُس پر ایسا عذاب نازل کرے گا کہ اگر وہ عذاب نازل ہو تمام مخلوقات پر تو وہ سب کے سب ہلاک ہو جاویں۔

چوتھی شہادت

اُسی تفسیر میں لکھا ہے (لما بعث اللّٰہ موسی بن عمران و اصطفاہ نجیا و فلق لہ البحر و نجی بنی اسرائیل و اعطاہ التوراۃ والالواح رای مکانہ من ربہ عزوجل فقال یارب لقد اکرمتنی بکرامۃ لم تکرم بہا احداً من قبلی فہل فی انبیاءک عندک من ہو اکرم منی فقال اللّٰہ تعالی یاموسی اما علمت ان محمدا افضل عندی من جمیع خلقی فقال موسی فہل فی آل الانبیاءٔ اکرم من آلی فقال عزوجل یاموسی اما علمت ان فضل آل محمد علی آل جمیع النبیین کفضل محمد علےٰ جمیع المرسلین فقال یارب ان کان فضل آل محمد عندک کذلک فہل فی صحابۃ الانبیاءٔ عندک اکرم من اصحابی فقال یاموسی اما علمت ان فضل صحابۃ محمد علےٰ جمیع صحابۃ المرسلین کفضل آل محمد علی آل جمیع النبیین فقال موسی ان کان فضل محمد و آل محمد و اصحاب محمد کما وصفت فہل فی امم الانبیاء افضل عندک من امتی ظللت علیہم الغمام و انزلت علیہم المن والسلوے و فلقت لہم البحر فقال اللّٰہ یاموسی ان فضل امۃ محمد علی امم جمیع الانبیاء کفضل علی خلقی) ترجمہ:۔ جب کہ خداوند تعالےٰ نے حضرت موسی ابن عمران کو مبعوث فرمایا اور اُن کو برگزیدہ کیا اور اُن کے سبب سے دریا کو پل بنا دیا۔ اور بنی اسرائیل کو نجات دی اور توریت اور لوح ان کو عطا کی۔ تب حضرت موسی نے اپنا رتبہ دیکھ کر خدائے عزوجل سے عرض کی کہ یا الٰہی تو نے مجھ کو ایسی بزرگی دی ہے کہ کسی اور نبی کو پہلے نہیں دی تیرے یہاں مجھ سے زیادہ اور کسی کی بھی بزرگی ہے۔ خداوند تعالےٰ نے جواب دیا کہ اے موسی تمہیں معلوم نہیں کہ محمد میرے نزدیک تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔ تب حضرت موسی نے عرض کی کہ کسی نبی کی آل میری آل سے بزرگتر ہے جواب ہوا کہ تم نہیں جانتے کہ فضیلت آل محمد کی سب انبیاء کی آل پر ایسی ہے جیسے کہ اُن کو فضیلت سب پیغمبروں پر ہے۔ تب حضرت موسی نے عرض کی کہ الٰہی میرے اصحاب سے زیادہ تیرے نزدیک اور کسی نبی کے اصحاب کا رتبہ ہے۔ جواب ہوا کہ اے موسی تم نہیں جانتے کہ فضیلت اصحاب محمد کی تمام انبیاء کے اصحاب پر اُس طرح ہے جس طرح کہ فضیلت آل محمد کی سب انبیاء کی آل پر ہے۔ تب حضرت موسی نے عرض کی کہ اگر فضیلت محمد اور آل محمد اور اصحاب محمد کی ایسی ہے جیسی کہ تو نے ارشاد فرمائی۔ پس کسی نبی کی امت میری امت سے زیادہ افضل

ہے جن پر تو نے بادلوں کا سایہ کیا۔ جن پر من وسلویٰ نازل کیا۔ جن کے لئے دریا کو پل کر دیا۔ خداوند تعالےٰ نے فرمایا۔ کہ فضیلت امت محمد کی سب انبیاء کی امت پر اتنی ہے جتنی کہ مجھ کو میری خلقت پر فضیلت ہے۔ ان دونوں روایتوں سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ اول یہ کہ جو شخص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے دشمنی رکھے وہ مستوجب عذاب کا ہے اور عذاب بھی ایسا کہ جس سے تمام دنیا ہلاک ہو جاوے اور جو دوستی رکھے وہ مستحق ثواب کا ہے اور ثواب بھی کیسا کہ جس سے کفار کی عاقبت بن جاوے۔ دوسری یہ کہ اصحاب نبی کی فضیلت اور نبیوں کے اصحاب پر ایسی ہے جیسی کہ فضیلت پیغمبر صاحب کے آل کی اور پیغمبروں کی آل پر۔ اور ان دونوں باتوں کے ثابت ہونے سے مذہب شیعوں کا باطل ہوگیا۔ اس لئے کہ مدار اُن کے مذہب کا صحابہ کی دشمنی اور اُن کے برا جاننے پر ہے۔ جو شخص اصحاب سے دشمنی رکھے وہی پکا مومن ہے اور جو اُن کو سب سے بُرا جانے وہی سچا شیعہ ہے۔ پس ان دونوں روایتوں سے جس کے راوی امام حسن عسکری علیہ السلام ہیں اور جو شیعوں کے اقرار سے صحیح اور مستند روایت ہے۔ حضرات شیعہ کو سوائے دو امروں کے تیسرا چارہ باقی نہیں رہا یا کہ اصحاب کو بہتر جانیں اور اُن کی فضیلت کے قائل ہوں اور اُن سے محبت رکھیں تاکہ وہ مستحق ثواب کے ہوں۔ یا کہ ان کو بُرا جانیں اور اُن سے دشمنی رکھیں تاکہ مستوجب عذاب کے ہوں۔ لیکن حضرات شیعہ جب تک کہ اپنا مذہب ترک نہ کرینگے اور سنیوں کے شریک نہ ہو جاویں گے تب تک وہ فضیلت صحابہ کے قائل نہ ہوں گے۔ کوئی شخص باوجود اقرار فضیلت صحابہ کے شیعہ رہ نہیں سکتا۔ تمام علمائے شیعہ عبد اللہ بن سبا کے وقت سے لے کر جناب قبلہ وکعبہ کے عصر تک اسی فکر میں مر گئے کہ اصحاب کے معائب تلاش کریں اور اُن کی برائیاں ثابت کریں اور اُن کے فضائل سے انکار کریں اگر کسی کو انکار ہو تو وہ ذرا تکلیف گوارا کرے اور شیعوں کی کتابوں کو اُٹھا کر دیکھے کوئی ورق نہ ہو گا۔ جس میں اصحاب کی برائیاں نہ ہوں کوئی صفحہ نہ ملے گا۔ جس میں اُن پر تبرا نہ ہو۔ جناب مجتہد صاحب قبلہ صوارم میں ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ (اما احادیث فضائل صحابہ از طریق امامیہ باوجود کثرت احادیث مختلفہ در ہر امر جزئے از جزئیات اصلیہ و فرعیہ اگر تمام کتب احادیث امامیہ ورقا ورقا بہ نیت تفحص مطالعہ

ذرآرند مظنون آنست کہ زیادہ از سہ چہار حدیث کہ سر و پا درست نداشتہ باشد بدست بہم ندہد اما احادیث مثالب معائب آنہا پس بلا اغراق اینست کہ متجاوز از ہزار حدیث باشد ۔ اے اہل انصاف ذرا آنکھ کھولو اور نیند سے چونکو ۔ اور حضرات شیعہ کے حال کو دیکھو کہ خود ہی اپنے اماموں کی طرف سے روایت کرتے ہیں ۔ کہ پیغمبر صاحب کے اصحاب کا رتبہ سب سے بڑھ کر ہے اور کسی اور نبی کے یار اُن کے درجے کو نہیں پہنچتے اور جو اُن سے محبت رکھے وہ ناجی اور جو دشمنی رکھے وہ ناری ہے ۔ اور پھر خود ہی یہ فرماویں کہ کوئی آیت کوئی حدیث کوئی روایت اُن کی فضیلت میں نہیں ہے اور جو ہے وہ بے سر و پا ہے بلکہ ہزارہا احادیث اُن کی برائیوں میں ہیں اگر ہم ہزار برس تک سوچیں اور اس مشکل عقدے کو حل کرنا چاہیں مگر نہ ہماری سمجھ اس مسئلے تک پہنچ سکتی ہے نہ ہم سے یہ گرہ کھل سکتی ہے اگر حقیقت میں ہمارے پیغمبر کے اصحاب ایسے افضل ہیں کہ کسی پیغمبر کے اصحاب اُن کے درجے تک نہیں پہنچتے اور اُن کی دشمنی باعث عذاب اور اُن کی دوستی ذریعہ ثواب ہے ۔ تو چاہیے کہ قول سنیوں کا درست ہو اور ایسے بزرگوں کی تعریف میں اگر ہزاروں احادیث اور لاکھوں روائتیں منقول ہوں تو بھی تھوڑی ہیں ۔ اور اگر قول شیعوں کا صحیح ہے تو چاہیئے کہ ایسے شخصوں کی دشمنی باعث نجات اور دوستی موجب ہلاکت ہووے لیکن درحقیقت یہ قول مجتہد صاحب کا محض غلط اور بالکل باطل ہے ۔ اس لئے کہ خود شیعوں کی کتابوں سے ہزارہا احادیث اور اقوال فضائل میں صحابہ کے ہم نکال سکتے ہیں ۔ چنانچہ اسی رسالے میں ہم اپنے اس قول کو ثابت کریں گے اور صدہا روائتیں فضیلت صحابہ کی کتب شیعہ سے نکال کر مجتہد صاحب کے مقلدین کی خدمت میں پیش کر کے قبلہ و کعبہ کے قول کی تکذیب کرینگے ۔ اگر کوئی شیعہ تعجب کرے کہ کیونکر ہمارے علما نے اصحاب کی فضیلت بیان کی ہے اور کس طرح اُن کی تعریف کی روایتوں کی تصدیق فرمائی ہے تو اُس کے واسطے ہم ایک قاعدہ مسئلہ مجتہد صاحب کو بیان کرتے ہیں کہ وہ صوارم میں فرماتے ہیں کہ اگرچہ کسی اہل مذہب سے جو کہ کسی کے فضائل کا اعتقاد رکھے اُس کے معائب کی روایات کی توقع رکھنا یا جس کسی کے وہ معائب کا معتقد ہو اُس کے فضائل کے اقرار کی امید رکھنا بے جا ہے ۔ لیکن خدا نے اپنی حجت

تمام کرنے کے واسطے سنیوں کو مجبور کر دیا کہ اُنہوں نے اصحاب کی برائیوں کو خود ہی روائیت کیا۔ چنانچہ الفاظ اُس کے یہ ہیں (ہر چند کہ ازاہل مذہب کہ روایات مطاعن شخصی کنند توقع روایت فضائل آن شخص داشتن بے جاست وہمچنیں بالعکس لیکن جناب حق سبحانہ تعالیٰ اتماما للحجۃ قلوب مخالفین جناب امیرالمومنین علیہ السلام چنان مسخر گردانیدہ کہ باوجود این کہ بنا بر پیش آمد و تقرب سلاطین نبی عدی و تیم و بنی امیہ اخبار فضائل آنہارا بسیار وضع نمودہ اند۔ چون دروغ گو را حافظہ نمی باشد ہمان مخالفین ازغایت ناقباحت فہمی باعجاز جناب امیرالمومنین بازمثالب اصحاب ثلثہ و اتباعِ الیشان راہم مذکور ساختہ اند وعلما ومحدثین الیشان چنیں احادیث و اخبارآرا درکتب ومصنفات خود مندرج فرمودہ اند) ہم اسی قاعدے کو تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدانے اپنی حجت تمام کرنے کے لئے شیعوں کو مجبور کر دیا کہ انہوں نے اصحاب کی بندگیاں اور فضیلتیں اپنی کتابوں میں آئمہ کرام کی زبان سے روایت کیں (ہرچند ازاہل مذہب کہ روایات مطاعن شخصی کنند توقع روایات فضائل آن شخص داشتن بیجاست وہم چنیں بالعکس لیکن جناب حق سبحانہ تعالےٰ اتماما للحجۃ قلوب مخالفین صحابۂ کبار چنان مسخر گردانیدہ کہ باوجود اینکہ بضرورت ترویج عقائد عبداللہ بن سبا و شیعیانش اخبار مثالب صحابہ را بسیار وضع نمودہ اند چون دروغ گو را حافظہ نمی باشد ہمان مخالفین ازغایت نافہمی باعجاز جناب امیرالمومنین باز فضائل اصحاب ثلثہ واتباع الیشان راہم مذکور ساختہ اند وعلمائے محدثین الیشان چنیں احادیث و اخبار را درکتب ومصنفات خود مندرج فرمودہ اند)

پانچویں شہادت

شیخ ابن بابویہ قمی نے کتاب معانی الاخبار میں امام موسیٰ رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے (عن الحسن ابن علیؑ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان ابابکر منی بمنزلۃ السمع وان عمر منی بمنزلۃ البصر وان عثمان منی بمنزلۃ الفواد) ترجمہ

ل صوارم مطبوعۂ کلکتہ ورق ۵۱ سطر ۱۰، ۱۲

امام حسن علیہ السلام روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔کہ ابو بکر بمنزلہ میرے سمع کے ہے اور عمر بمنزلہ بصر کے اور عثمان بمنزلہ دل کے اور جب کہ حضرات خلفاء ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا امام حسن کے قول سے بمنزلہ پیغمبر خدا کے سمع وبصر اور دل کے ہونا ثابت ہوا تو پھر اُن سے محبت نہ رکھنا درحقیقت پیغمبر خدا سے محبت نہ رکھنا ہے۔اور اُن سے عداوت رکھنا دراصل پیغمبر خدا سے دشمنی رکھنا ہے۔سننے والوں کو تعجب ہوگا کہ امام حسنؑ کی روایت سے علمائے شیعہ نے کیونکر ایسی حدیث کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا اور انتظار ہوگا کہ اگر اس کو نقل کیا ہے اور اُس کی صحت کو تسلیم کیا ہے تو اس کا کیا جواب دیا ہے۔اس لئے ہم اُس جواب کو بیان کرتے ہیں۔وہ جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے اُن الفاظ کے بعد جن کو اوپر ہم نے نقل کیا یہ الفاظ اور بڑھائے ہیں اور اُنہی کو جواب اس حدیث کا تصور کیا ہے (فلما کان من الغد الخ) ترجمہ امام حسنؑ فرماتے ہیں کہ جب دوسرا دن ہوا تب میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت امیر المومنین علی علیہ السلام اور ابو بکر اور عمر اور عثمان موجود تھے میں نے حضرت سے عرض کی کہ اے پدر بزرگوار میں نے کل آپ کی زبان سے سنا جو کچھ آپ نے ان اصحاب کی نسبت فرمایا وہ کیا ہے۔حضرت نے فرمایا کہ ہاں میں نے کہا ہے۔بعد اس کے حضرت نے اُن کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ یہی سمع اور بصر اور دل ہیں اور اس وصی یعنی علی کی محبت سے سوال کئے جائیں گے اور یہ کہہ کر آیت پڑھی کہ خدائے عزوجل فرماتا ہے کہ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا۔بعدہٗ فرمایا کہ قسم ہے

لہ عن الحسن بن علی قال قال رسول اللہ ان ابا بکر منی بمنزلۃ السمع وان عمر منی بمنزلۃ البصر وان عثمان منی بمنزلۃ الفواد فلما کان من الغد دخلت علیہ وعندہ امیر المومنین وابوبکر وعمر وعثمان فقلت لہ یا ابت سمعتک تقول فی اصحابک ہولاء قولا فما ہو فقال نعم ثم اشار الیہم فقال ہم السمع والبصر والفواد وسیسألون عن ولایۃ وصیی ہذا واشار الی علی بن ابی طالب، ثم قال ان اللہ عزوجل یقول ان السمع والبصر والفواد وکل اولئک کان عنہ مسئولا ثم قال ان اللہ وعزۃ ربی ان جمیع امتی لموقوفون یوم القیمۃ ومسئولون عن ولایۃ علی وذالک قول اللہ عزوجل وقفوہم انہم مسئولون انتہی ۱۲

مجھ کو اپنے پروردگار کی عزت کی کہ تمام امت میری قیامت کے دن کھڑی کی جاویگی اور
اُن سے سوال علی کی محبت سے ہوگا اور یہی مطلب ہے خدا کے اُس قول کا کہ وقفوہم
انہم مسئولون کہ کھڑا کرو ان کو ابھی ان سے پوچھنا ہے۔ اس حدیث کے ان الفاظ زائد
کو ہم چند دلیلوں سے صحیح نہیں جانتے اور اس کو دوسرے دن کا جمایا ہوا فقرہ سمجھتے ہیں
(پہلی دلیل) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اول روز جب امام حسن نے حضرت سے
سنا کہ ابوبکر بمنزلہ سمع کے اور عمر بمنزلہ بصر کے اور عثمان بمنزلہ دل کے ہیں تو اُس روز
کچھ استفسار نہ کیا دوسرے دن پوچھنے کا کیا سبب ہے اگر امام حسن کو پوچھنا ہوتا تو
اُسی وقت پوچھتے اگر یہ خیال کیا جائے کہ پہلے دن بسبب موجود ہونے خلفائے موصوفین
کے اُن کے خوف سے نہ پوچھا تو دوسرے دن بھی اسی حدیث سے اُن کا موجود ہونا ثابت
ہوتا ہے اگر اُن کا خوف تھا تو گھر میں پوچھتے کہ یا حضرت آج آپ نے اُن کے سامنے ایسا
ایسا فرمایا اس کی حقیقت کیا ہے نہ کہ پھر مجلس میں انہیں کے سامنے استفسار کرتے
اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ فقرہ دوسرے دن کا جمایا ہوا ہے (دوسری دلیل)
اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اول روز پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف
تشبیہ اور تمثیل پر قناعت فرمائی اور حضرات خلفاء ثلثہ کو بمنزلہ سمع اور بصر اور فواد
کے کہہ کر سکوت کیا تو یہ فرمانا یا دل سے تھا یا براہ تقیہ یا بطور استہزاء اگر دل سے تھا
جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں فنعم الوفاق جھگڑا طے ہوا۔ اگر براہ تقیہ تھا تو اول پیغمبر خدا کی نسبت
تقیہ کرنا ثابت ہوا حالانکہ خود حضرات شیعہ اُس کے قائل نہیں دوسرے اگر پہلے دن
حضرت نے براہ تقیہ فرمایا تھا تو دوسرے دن بھی وہی سبب تقیے کا یعنی حاضر ہونا اُن
خلفاء کا جن کے خوف سے یا جن کے خوش کرنے کو حضرت نے ایسا کچھ فرمایا موجود تھا۔
اگر بطور استہزاء تھا۔ تو پیغمبر صاحب کی نسبت مسخرگی اور ٹھٹھے بازی کا اطلاق کرنا ہے
اور یہ سوائے شیعوں کے دوسرے سے نہیں ہوسکتا وہ جو چاہیں پیغمبر صاحب پر تہمت
کریں۔ (تیسری دلیل) پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کچھ فرماتے تھے اور جو کچھ کہتے
تھے وہ صاف صاف کچھ لگی لپٹی نہ رکھتے تھے اور کسی کو دھوکا نہ دیتے تھے اور کسی کو
شبہے میں نہ ڈالتے تھے۔ پس اگر دوسرے دن کے جمائے ہوئے فقرے کو ہم صحیح
مانیں تو گویا پیغمبر صاحب پر تہمت کریں اس لئے کہ اگر دوسرے دن امام حسن استفسار

نہ کرتے اور پیغمبر صاحب اصل مطلب نہ بتاتے تو لوگ شبہے میں رہتے اور حضرت کے کلام کو صدق اور صفائی پر قیاس کر کے حضرات ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اور عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو بمنزلہ سمع اور بصر اور دل کے سمجھتے جیسا کہ اُن لفظوں سے جو حضرت نے فرمائے معلوم ہوتا ہے۔ پس کیا کوئی ایمان رکھنے والا پیغمبر صاحب پر ایسی تہمت کر سکتا ہے اور جس کا کام صاف بیان کر دینے اور لگی لپٹی نہ رکھنے کا ہو۔ اُس کی باتوں کی ایسی تاویل کر سکتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک ؁

حقیقت یہ ہے کہ حضرات شیعہ نے دین کو سخریہ اور ٹھٹھے میں ڈال دیا ہے اور پیغمبر خدا کی احادیث اور کلام کی آیات کو تحریف اور تغییر کر کے بدل دیا ہے نہ خدا کے کلام کو کلام مبین جانتے ہیں نہ پیغمبر صاحب کی حدیث کو صاف سمجھتے ہیں۔ سب میں شک اور شبہہ کرتے ہیں اور سب کو ذوجہتین اور ذومعنیین جانتے ہیں۔ چونکہ بناء مذہب تشیع نفاق اور جھوٹھ پر ہے اس لئے سب کو اپنا ہی سا جان کر ایسی تاویلات کرتے ہیں۔ ورنہ کون شخص ہے کہ پیغمبر صاحب کی نسبت ایسا کہے گا کہ وہ ایک روز کچھ کہتے تھے دوسرے دن اُس کی کچھ تاویل کرتے تھے۔ فرض کرو کہ اگر کسی شخص نے پہلے ہی دن کی باتیں سُنی ہوں اور اُس نے پیغمبر صاحب کو ہادی اور نبی سمجھ کر اُن کے کلام کو حق جانا ہو حالانکہ بقول شیعوں کے وہ حق نہ تھا اور اُس کا مطلب دوسرا ہی تھا۔ جس کو دوسرے دن حضرت نے امام حسن کے پوچھنے پر بتلایا اور وہ شخص دوسرے دن حضور میں حضرت کے حاضر نہ ہوا ہو اور اُس نے پیغمبر خدا کی زبان سے اُس مجمل فقرے کی شرح نہ سُنی ہو تو اُس کے دل میں جو یقین اُس کلام کی صحت پر ہو گیا ہو اور جس کے سبب سے وہ گمراہ ہوا ہو اس کا الزام کس پر ہو گا۔ اُسی سُننے والے بیچارے پر یا معاذ اللہ حضرت پر۔ (چوتھی دلیل) معلوم نہیں کہ امام حسن کو دوسرے دن استفسار کی کیا ضرورت تھی۔ شاید حضرات شیعہ یہ فرماویں کہ امام حسن جانتے تھے کہ وہ اصحاب جن کی نسبت حضرت نے ایسی تمثیل و تشبیہ دی ہے منافق اور کافر تھے و نعوذ باللہ منہ اور انہیں کی نسبت حضرت نے ایسا کچھ فرمایا تو اُن کو تعجب ہوا اس لئے اُس کے رفع کرنے کے لئے یہ پوچھا۔ مگر یہ بات لائق تسلیم کرنے نہیں ہے اس لئے کہ پیغمبر خدا نے اکثر اُن اصحاب کی تعریف کی ہے اور اُن کی ثنا اور صفت

بیان فرمائی ہے کہ جس کو خود آیمہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے اور جس کو جا بجا ہم نے نقل کیا اور نقل کریں گے انشاء اللہ تعالےٰ تو پھر اُن کی تعریف پر امام حسن کو تعجب ہونے کا کوئی موقع نہ تھا۔ ہاں اگر کبھی حضرت نے اُن کی تعریف نہ کی ہوتی۔ اور کبھی اُن کو امام حسن نے پیغمبر صاحب کی صحبت میں نہ دیکھا ہوتا۔ اور پھر اُن کی نسبت ایسا سنتے تو تعجب کرنے کا محل تھا۔ اگر کوئی صاحب یہ فرماویں کہ امام حسن جانتے تھے کہ وہ اصحاب منافق ہیں اور اُن کے سامنے کبھی پیغمبر خدا نے اُن کی تعریف نہیں کی تو اُس کا جواب یہ ہے کہ اسی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ امام حسن کو ایسا شبہہ نہ تھا اور وہ اُن اصحاب کو حضرت کے یاروں میں سے جانتے تھے۔ چنانچہ الفاظ حدیث کے یہ ہیں (یا ابت سمعتک تقول فی اصحابک) کہ اپنے یاروں اور اصحاب کی نسبت آپ سے میں نے ایسا کچھ سنا تو اگر امام حسن اُن کو اصحاب پیغمبر کا نہ جانتے تو اصحابک نہ فرماتے اور جب اُن کو اصحاب میں جانتے تھے تو پھر کوئی تعجب کرنے کا مقام نہ تھا۔ اس لئے کہ قطع نظر حضرات خلفاء ثلثہ کے اور اصحاب کی نسبت بھی بہت کچھ ثنا و صفت حضرت نے کی ہے کہ اس کا خود حضرات شیعہ کو اقرار ہے اور ان کی کتابیں اس سے بھری ہوئی ہیں اور بالفرض اگر امام حسن کو شبہہ تھا تو وہ گھر میں اس کو رفع کرتے اور تنہائی اور خلوت میں پوچھتے پھر انہیں اصحاب کے سامنے پوچھنا اور پیغمبر صاحب کی مجمل بات کو صاف کرانا اور گول گول نہ رہنے دینا موافق اصول شیعوں کے شان امامت کے خلاف تھا۔

(پانچویں دلیل) قطع نظر اور صفات اور تعریف کے جو پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن اصحاب کی اکثر کی ہے۔ اپنے سمع و بصر سے بھی تشبیہ دی ہے۔ یہ تشبیہ فقط اس حدیث پر موقوف نہیں ہے بلکہ اور روایتوں سے بھی اس کا ثبوت ہوتا ہے۔ چنانچہ خود علماء شیعہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ پیغمبر خدا نے ہجرت کی شب میں ابوبکر صدیق سے کہا (جعلک منی بمنزلۃ السمع والبصر والراس من الجسد وبمنزلۃ الروح من البدن) کہ خدا تجھ کو بمنزلہ میرے سمع اور بصر کے اور بجائے سر کے جسم میں اور بمنزلہ روح کے بدن میں گردانے گا۔ پس جب کہ ایک مرتبہ فقط ابوبکر صدیق کی نسبت سمع اور بصر اور سر اور روح کے سب الفاظ پیغمبر

صاحب نے فرما دیے ہوں تو پھر کیا تعجب ہے کہ دوسری مرتبہ اُن کی نسبت صرف لفظ سمع کا فرمایا ہو اور اُن کے ساتھ میں حضرت عمر اور عثمان کی بھی تشبیہ بصر اور فواد سے کی ہو۔ (چھٹی دلیل) علما شیعہ نے ایسی تاویلات سے جیسی کہ اس حدیث میں کی ہیں اکثر احادیث اور اقوال کو مضحکۂ اطفال بنا دیا ہے۔ اور تحریف لفظی و معنوی میں محرفین اہل کتاب کو بھی مات کر دیا ہے۔ چنانچہ بطور نظیر کے اس مقام پر میں ایک روایت لکھتا ہوں وہو ہذہ۔

میرن صاحب قبلہ حدیقۂ سلطانیہ کے باب سوم میں لکھتے ہیں (کہ امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے۔ کہ ایک مرتبہ ایک مخالف سرکش امام جعفر صادق۔

لہ از حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام منقولست کہ بعض مخالفین از سرکشاں شان بہ مجلس حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام در آمد و بمردے از شیعیان آن حضرت گفت کہ ما تقول فی العشرۃ من الصحابۃ۔ چہ می گوئی در حق عشرۂ مبشرہ از صحابۂ پیغمبر شیعہ گفت می گویم در حق شان کلمہ خیرے کہ خداوند عالم بسبب آن گناہان مرا فرد می ریزد و درجات مرا بلند می فرماید۔ پس آن ناصبے گفت حمد و شکر برای خداست کہ مرا از دشمنی تو نجات داد۔ من گمان داشتم کہ تو رفض و بغض بصحابۂ کبار داری آن مرد مومن بار دیگر گفت آگاہ باش کہ ہر کسے کہ از صحابہ یکے را دشمن دارد پس بر او ست لعنت خدا۔ ناصبے گفت شاید تاویلی کردۂ لاکن بگو کسے کہ عشرہ مبشرہ را دشمن دارد و در حق او چہ می گوئی مرد مومن گفت ہر کسے کہ عشرۂ صحابہ را دشمن دارد بر او ست لعنت خدا۔ و ملائکہ و تمام خلق پس آن ناصبے برجست و سرش را بوسہ داد و گفت بحل مرا کہ من ترا بر رفض متہم ساختہ بودم مرد مومن گفت بر تو چیزی نیست من این افترا از تو مواخذہ ندارم تو برادر من آن ناصبے از آنجا برفت پس حضرت صادق علیہ السلام فرمود کہ کلام محکمے گفتی بر خداست جزائے تو ہر آئینہ فرشتگان از حسن توریۂ تو خوشنود شدند کہ دین خود را از اختلال نگہداشتے و خود را از دست او برہانیدے زاد اللہ فی مخالفینا عمی اے خداوند عالم در دشمنان ما بہ نافہمی ایشان نافہمی ہائے دیگر بیفزاید۔ کسانے کہ بہ معاریض کلام اطلاع نداشتند۔ عرض کردند کہ ایں مرد چہ کرد در ظاہر آنچہ ناصبی می گفت۔ این ہم با و موافقت می نمود۔ حضرت فرمودند کہ اگر شما نہ فہمیدید مراد او پس بدرستیکہ ما فہمیدہ ایم و حق تعالےٰ قول اُو را قبول فرمودہ ہر گاہ یکے از دوستان یا در دست دشمنان باجی افتد خداوند عالم او را

علیہ السلام کی مجلس میں آیا اور ایک شیعہ سے پوچھنے لگا کہ تو عشرۂ مبشرہ کے یعنی دسوں
اصحاب کے حق میں کیا کہتا ہے۔ شیعہ نے جواب دیا کہ میں اُن کے حق میں وہ کلمۂ خیر
کہتا ہوں کہ جس کے سبب سے خداوند عالم میرے گناہ بخشتا ہے اور میرے درجات بلند
کرتا ہے پس اُس ناصبی نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ مجھے تیری دشمنی سے نجات دی مجھے
یہ گمان تھا کہ تو رافضی ہے اور صحابۂ کبار سے دشمنی رکھتا ہے۔ تب اُس مرد مومن نے
دوسری بار کہا کہ خبردار ہو کہ جو شخص صحابہ میں سے ایک کو دشمن رکھے اُس پر خدا کی
لعنت ہو۔ ناصبی نے کہا شاید تو نے کچھ تاویل کی۔ اس لئے تبلا کہ جو شخص عشرہ مبشرہ
کو دشمن رکھے اُس کے حق میں تو کیا کہتا ہے۔ تب مرد مومن نے کہا کہ جو شخص عشرۂ مبشرہ
یعنی دسوں کو دشمن رکھے اُس پر خدا کی اور فرشتوں کی اور تمام خلق کی لعنت ہو۔ پس
وہ ناصبی اُٹھا اور اس نے اس مومن کے سر کو بوسہ دیا اور کہا کہ مجھے معاف کر میں تجھ
کو رافضی جانتا تھا۔ اُس مرد مومن نے کہا کہ میں تجھ سے مواخذہ نہیں کرتا تو میرا بھائی
ہے۔ یہ سُن کر وہ ناصبی چلا گیا۔ جب وہ باہر گیا۔ تب امام جعفر صادق علیہ السلام
نے اُس مرد مومن سے کہا کہ تو نے نہایت محکم کلام کیا خدا تجھ کو جزائے خیر دے فرشتے
تیرے حسن توریہ سے خوش ہوئے کہ تو نے اپنے دین کو بھی خلل سے بچایا۔ اور اپنے آپ
کو اُس کے ہاتھ سے چھڑایا۔ خدا ہمارے مخالفوں کی نابینائی کو اور زیادہ بڑھاوے
اور اُن کی نافہمی پر نافہمی زیادہ کرے کہ وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ جب یہ امام نے فرمایا۔
تو جو لوگ ایسی باتوں کو نہیں سمجھتے تھے انہوں نے عرض کی کہ یا حضرت اُس مرد مومن
نے کیا کہا جیسا وہ ناصبی کہتا تھا ویسا ہی یہ بھی اُس کی ہاں میں ہاں ملاتا جاتا تھا۔
تب امام نے فرمایا کہ تم نہیں سمجھتے۔ میں اس کا مطلب سمجھتا ہوں۔ مراد اس مرد مومن
کے اس کہنے سے کہ جو شخص ایک کو دشمن رکھے اصحاب میں سے اُس پر خدا کی لعنت ہو۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۰ :- بجوابی موفق می سازد کہ دین و آبرویش از دست آن بدبختان محفوظ می ماند۔
مراد آن مرد مومن از قول او من ابغض واحدا من الصحابۃ آن بود کہ ہر کہ دشمن دارد یکے از عشرہ را کہ آن
امیر مومنان علی ابن ابی طالب ست بر آن دشمنی کنندہ لعنت خدا بادہ و آنچہ بار دگر گفت من ابغض العشرۃ فعلیہ
لعنت اللہ است گفتہ چرا کہ ہر کس کہ ہمہ دہ کس را عیب می کند پس علی علیہ السلام را ہم عیب کردہ است پس بہ این جہت
بہ لعنت خدا گرفتار می شود۔ ۱۲

حضرت علی ہیں اور مطلب اس کہنے سے کہ جو شخص دشمن رکھے دسوں کو اُس پر خدا کی لعنت ہو یہ ہے کہ حضرت علی بھی اُن میں داخل ہیں۔ پس جو شخص دسوں کو دشمن رکھیگا وہ لامحالہ حضرت علی کو بھی دشمن رکھے گا اس لئے اُس پر لعنت خدا کی) اس روایت کو دیکھ کر گو حضرات شیعہ فخر کرتے ہوں اور اپنے بزرگوں کی حیلہ سازیوں پر ناز فرماتے ہوں لیکن جو کوئی عاقل سنے گا وہ تعجب ہی کرے گا۔ اور ایسے دین و مذہب پر کہ جس کی بنا ہر اسر حیلہ سازی اور مکاری اور دغابازی پر ہے ہزار دل سے نفرت کرے گا نہایت تعجب کا مقام ہے کہ جن اماموں کا کام ہدایت خلق اللہ ہو اور جن کی امامت مثل نبوت کے اصول دین میں داخل ہو اور جن کے اقوال اور افعال اور حرکات و سکنات پر مدار مذہب کا ہو۔ جب وہ ہی ایسے ہوں کہ کبھی صاف بات نہ کہیں۔ اور دھوکا دہی اور حیلہ سازی کو موجب رضا الٰہی کا فرماویں تو پھر اُن کی امت کے لوگ کیسے ہوں گے اور وہ نفاق اور دغابازی کو کیوں اپنا شعار نہ گردانیں گے۔

ہم اس سے بھی زیادہ دل خوش کن ایک اور روایت بیان کرتے ہیں اور حضرات شیعہ کی دقیقہ فہمی اور نکتہ سنجی کو ظاہر کرتے ہیں اور صاف سیدھے لفظوں سے جو عجیب معنی وہ مراد لیتے ہیں اس کا نمونہ دکھلاتے ہیں۔

چھٹی شہادت

امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی نسبت فرمایا ہے (کہ ہماں اماماں عادلاں قاسطان کانا علی الحق وماتا علیہ فعلیھما رحمۃ اللہ یوم القیمۃ) کہ دونوں امام ہیں عادل اور انصاف کرنے والے دونوں حق پر تھے اور مرے حق پر اُن دونوں پر ہو رحمت خدا کی قیامت کے دن۔

اس حدیث سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

اول:۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما کا امام اور خلیفہ برحق ہونا اس لئے کہ اگر اُن کی خلافت حق نہ ہوتی اور وہ غاصب ہوتے تو امام جعفر کیونکر اُن کو امام کہتے۔

دوم:۔ اُن کا عادل اور منصف ہونا اور اس سے تمام مطاعن جو شیعوں نے

اُن کی نسبت بیان کئے ہیں باطل ہوئے۔ اس لئے کہ اگر اُن کے عدل اور انصاف میں کچھ بھی فرق ہوتا تو امام ہرگز اُن کو عادل اور منصف نہ فرماتے۔

سوم :۔ اُن کا حق پر ہونا اور حق پر مرتے دم تک قائم رہنا۔

چہارم :۔ قیامت کے دن مستحق رحمت الٰہی ہونا اور کوئی شخص جو ایمان اور پرہیزگاری میں کامل نہ ہو۔ مستحق رحمت الٰہی نہیں ہو سکتا۔

اہل انصاف ذرا انصاف کو دخل دیں اور غور کریں کہ اس سے زیادہ اور فضیلت حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی کیا ہوگی۔ جو زبان سے امام جعفر صادق علیہ السلام کی ثابت ہوئی۔ اور جس سے امامت اور خلافت اور معدلت اور استحقاق رحمت الٰہی اُن کی نسبت بخوبی ظاہر ہوا۔ حضرات شیعہ جب ہمارے محدثین کی بیان کی ہوئی کسی حدیث کو شان میں صحابۂ کبار کے سنتے ہیں تو اس کو غلط اور موضوع اور جھوٹھ کہہ دیتے ہیں اور اس سے انکار کر جاتے ہیں۔ لیکن اب ایسی روایتوں کو کیا کریں گے جس کو انہیں کے علمانے نقل کیا ہے اور جو انہیں کی کتابوں میں مذکور ہیں بجز اس کے کہ اُن میں تحریف کریں اور کسی قصہ کہانی کو ملا کر اُس کے معنی بدلیں۔ چنانچہ اس حدیث میں بھی ایسا ہی کیا ہے۔ اور چند فقرے بڑھا کر اس حدیث کی تحریف کی ہے کہ اُس کو ہم بیان کرتے ہیں۔

رسالہ ادلۂ تقیہ در ثبوت تقیہ میں جو کہ مزین بدستخط حضرت سلطان العلما یعنی سید محمد صاحب مجتہد کے ۱۲۸۲ھ ہجری میں لدھیانہ میں چھپا ہے۔ اس حدیث کی نسبت یہ لکھا ہوا ہے کہ (علماء اہل سنت نے نقل حدیث میں خیانت کی ہے اور اُن الفاظ کو منتخب کر لیا ہے کہ جو بنظر سرسری موہم مدح شیخین کے ہیں حالانکہ باطناً وہ الفاظ بھی سراپا طعن و تشنیع سے مملو اور مشحون ہیں۔ چنانچہ خود امام جعفر صادق علیہ السلام نے اُسی حدیث میں اُن الفاظ کے معنی بہ تفصیل و توضیح ارشاد فرمائے ہیں) اور بعد ایک تقریر پوچ لچر کے اُس رسالے میں اصل خیانت کے الفاظ اس طرح پر منقول ہیں (واضح ہو کہ اصل حدیث یہ ہے کہ بعض مخالفین نے حضرت سے دربارۂ شیخین سوال کیا۔ حضرت نے جواب میں از راہِ توریہ یہ ارشاد فرمایا کہ ہما اما ان الخ فلما انصرف الناس قال لہ رجل من خاصتہ یا ابن رسول اللہ لقد تعجبت مما قلت فی حق ابی بکر و عمر فقال نعم ہما اما ما

اہل النار کما قال اللہ تعالیٰ وجعلنا منہم ائمتہ یدعون الی النار واما العادلان فلعدولہم عن الحق کقولہ تعالی والذین کفروا بربہم یعدلون واما القاسطان فقد قال اللہ تعالی و اما القاسطون فکانوا لجہنم حطبا والمراد من الحق الذی کانا مستولیین علیہ امیرالمومنین حیث اذیا وغصبا حقہ والمراد من موتہما علی الحق انہما ماتا علی عداوتہ من غیر ندامتہ عن ذلک والمراد من رحمتہ اللہ رسول اللہ فانہ کان رحمتہ للعالمین وسیکون خصماً لہما ساخطاً علیہما منتقماً عنہما یوم الدین انتہی خلاصہ ان کلمات کا یہ ہے۔ کہ جب مجلس مخالفین سے خالی ہوئی تو ایک شخص نے خواص اصحاب سے امام معصوم کی خدمت میں عرض کی کہ میں ان کلمات سے جو آپ نے حق شیخین میں ارشاد فرمائے۔ بہت متعجب ہوا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ان دونوں کو امام اس سبب سے کہا۔ کہ وہ امام اہل نار تھے۔ چنانچہ حق تعالیٰ قرآن میں کافروں کو امام اہل نار فرماتا ہے۔ وجعلنا منہم الآیتہ یعنی کافروں کو ہم نے امام اہل نار گردانا ہے۔ اور عادل اس وجہ سے کہا کہ ان دونوں نے عدول کیا تھا حق سے جیسا کہ خداوند عالم کافروں کو انہی معنوں سے عادل فرماتا ہے والذین کفروا بربہم یعدلون۔ مترجم کہتا ہے کہ کتب احادیث اہل سنت میں وارد ہے کہ پیغمبر برحق نے نوشیرواں کو عادل فرمایا۔ حتی کہ سعدی شیرازی نے اُس کو گلستان میں نظم کیا اور کہا ہے۔ شعر

درآوان عدلش بنازم چناں | کہ سیار بدوران نوشیروان

پس جب کہ مدح عدل نوشیروان کافر کو مفید نہیں تو شیخین کو بھی مفید نہ ہوگی۔ اور یہ وجہ بھی انہی ستر وجہوں سے ہے اور قاسط اس وجہ سے کہا کہ قاسط کے معنی ظالم کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں وارد ہے واما القاسطون فکانوا لجہنم حطبا یعنی ظالمین جہنم کی لکڑیاں ہیں۔ پھر امام معصوم فرماتے ہیں یہ جو میں نے کہا کانا علی الحق تو اس سے مراد یہ کہ وہ دونوں غالب تھے حق پر اور حق مغلوب تھا اور مراد اس حق سے کہ جن پر غالب تھے امیرالمومنین ہیں کہ اُن کو اذیت دی اور اُن کے حق کو چھین لیا۔ مترجم کہتا ہے۔ کہ اس جملہ میں امام معصوم نے جار و مجرور کو متعلق گردانا ہے۔ بلفظ مستولیین کہ وہ خبر خاص ہے اور محذوف ہے بقرینہ مقام اور مذہب جمہور نحاۃ کا مانند سیبویہ وغیرہ کے یہ ہے کہ جب خبر خاص پر کوئی قرینہ دلالت کرے تو حذف اس کا جائز ہے۔ اور چونکہ امام جعفر

صادق علیہ السلام باتفاق جمہور اہل اسلام افصح الفصحا اور از جملۂ عرب عربا ہیں پس کلام
اُن حضرت کا بجائے خود مستند ہوگا۔ خواہ موافق نحاۃ کے ہو خواہ مخالف چہ جائے آنکہ
بسبب پائے جانے قرینے کے کلام اُن حضرت کا مطابق جمہور نحاۃ کے بھی ہے۔ پس اب
جائے اعتراض بھی باقی نہ رہی اور وہ قرینہ یہ ہے کہ علی کے معنی کلام میں استعلا کے ہیں
اور استعلا اُن کے محاورے میں بمعنی غلبہ اور استیلا بھی آیا ہے۔ چنانچہ ملاحظۂ کتب
لغت سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کہتے ہیں علوت الرجل ای غلبتہ۔ پس معنی کانا علی الحق
کے یہ ہونگے کہ کانا غالبین علی الحق والحق مغلوبا عنہما اور یہ جو معصوم نے فرمایا ہے
کہ مراد حق سے امام بحق جناب امیر ہیں۔ امر حق ہے اور کچھ بعید نہیں۔ اس واسطے کہ لفظ
حق کا اطلاق خدا و رسول اور امام بلکہ موت اور قیامت اور قرآن اور کلمہ اور کلام
پر ہوتا ہے۔ کمالا یخفی پس اگر مراد حق سے مولائے برحق ہوں۔ خلاف حق لازم نہیں آتا
اور مخفی نہ رہے کہ اس مقام میں دو وجہیں اور بھی ہیں کہ حمل کلام معصوم کا اُن پر
صحیح ہے۔

وجہ اول یہ ہے کہ علی بمعنی استعلاء ہووے۔ پس معنی کانا علی الحق کے یہ ہوں گے
کہ وہ دونوں کہ عین باطل تھے۔ حق پر فوقیت لے گئے اور اُنہوں نے حق کو پست کر دیا جیسا
کہ معصوم دعائے صنمی قریش میں ارشاد فرماتے ہیں۔ پس بنا بر طریقۂ جمع بین الحدیثین کے
ارادہ اس معنی کا کلام معصوم سے صحیح ہوگا اور یہ نوع استعلاء مستلزم استیلا بھی ہے پس
اس وجہ سے بھی مقدر ہونا لفظ مستولیین کا صحیح ہوگا کما فعلہ المعصوم فتامل۔

وجہ دوم یہ ہے کہ کلام عرب میں علی کو مقام مخالفت اور مضرت اور عداوت میں بھی
اطلاق کرتے ہیں۔ چنانچہ شائع و ذائع ہے کہ بیچ محاورے عرب کے مقام جواب یا اعتراض
میں کہتے ہیں کہ ہذا لنا لا علینا یعنی یہ امر نافع ہے واسطے ہمارے۔ نہ مخالف اور مضر
ہمارے اور مشہور ہے کہ جب اثنائے راہ میں لشکر حر جناب سید الشہدا سے ملاقی
ہوا تو حضرت نے حر سے فرمایا اعلینا ام لنا یعنی تو ہماری کمک کو آیا ہے یا ہماری عداوت
پر کمر باندھی ہے و ایضا قال اللہ تعالے لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا لہا ما کسبت وعلیہا
ما اکتسبت قال صاحب الکشاف ینفعہا ما کسبت من الخیر و یضیرہا ما اکتسبت من الشر لیس
بنا بر اس وجہ کے معنی کانا علی الحق کے یہ ہونگے کہ وہ دونوں مخالف حق کے اور دشمن

حق تھے اور یہی معنی قول آئندہ میں بھی معصوم نے فرمائے ہیں۔ پس ارادہ اس معنی کا کلام امام سے اس مقام میں بھی صحیح ہوگا۔ فافہم۔ پھر معصوم علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ جو میں نے کہا ماتا علی الحق مراد اُس سے یہ ہے کہ عداوت حق پر مرے یعنی جناب امیر کی عداوت تادم مرگ اُن کے دلوں میں رہی اور تادم مرگ نادم نہ ہوئے۔ اس مقام میں علی کو بہ معنی عداوت معصوم نے اطلاق فرمایا ہے جیسا کہ ہم نے وجہ ثانی میں بیان کیا۔ پھر معصوم فرماتے ہیں کہ یہ جو میں نے کہا۔ فعلیھما رحمۃ اللہ یوم القیمۃ پس مراد رحمۃ اللہ سے رسول خدا ہیں کہ وہ اُن دونوں کے دشمن ہونگے۔ بروز قیامت اور اُن پر غضب ناک ہوں گے اور اُن سے روز قیامت کو انتقام لیویں گے۔ مترجم کہتا ہے کہ اس مقام میں بھی علیؑ کو معصوم نے مقام عداوت میں ارشاد فرمایا ہے اور رحمت خدا ہونا حضرت رسالت مآب کا مقام شک وار تیاب نہیں۔ حق تعالےٰ خود فرماتا ہے۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ بہر صورت اہل انصاف پر معانی ان الفاظ کے ظاہر و باہر ہوئے کہ ہرگز یہ الفاظ مقام مدح شیخین میں وارد نہیں ہیں۔ بلکہ سراپا یہ حدیث رد و قدح شیخین پر دلالت کرتی ہے انتہی بلفظہ) اس تاویل کی غلطی ہم چند دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔

(پہلی دلیل) اس رسالے کے مؤلف نے بتقلید اپنے علما کے جو کچھ واہیات بیان کیا ہے اُس کی نقل کرنے سے مجھے شرم آتی ہے۔ اگر احادیث کی ایسی ہی تاویلیں کی جاویں۔ تو کوئی حدیث کسی کی مدح وثنا میں باقی نہ رہے۔ بلکہ ہر ملحد اور زندیق آیات قرآنی کو ایسی تاویل سے موافق اپنے مطلب کے بنالے۔ کسی ہندو کی نقل ہے کہ اُس نے ایک مسلمان سے کہا کہ ہمارے رام لچھمن کا ذکر تمہارے قرآن میں بھی ہے۔ وہ مسلمان حیران ہو کر پوچھنے لگا کہ کس جگہ قرآن میں اُن کا ذکر ہے۔ اُس نے کہا کہ سورۂ یوسف کے اول میں جو (الٓر) حروف مقطعات ہیں اُن میں (الف) سے مراد اللہ ہے اور (لام) سے مراد لچھمن۔ اور (رے) سے مراد رام ہیں۔ وہ مسلمان یہ سُن کر ہنسنے لگا۔ لیکن ہمارے نزدیک۔ جو تاویل امام جعفر صادق علیہ السلام کے قول کی حضرات شیعہ نے کی ہے۔ وہ اس ہندو کی تاویل سے بھی بدتر ہے۔ اس لئے کہ اُس نے تو حروف کے لحاظ سے کچھ جوڑ ملا دیا۔ لیکن شیعوں کے علما نے جو کچھ فرمایا وہ تو سراسر بے جوڑ ہے۔ اور ہر ایک خارجی اور ناصبی اہل

بیت علیہ السلام کی شان میں جو احادیث ہیں اُن میں بھی ایسی ہی تاویلات بیجا کرسکتا ہے (فما ہو جوابہم فہو جوابنا)۔

(دوسری دلیل) یہ قول جو شان میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے کہا گیا وہ امام جعفر صادق کا ہے۔ اور امام موصوف تقیے سے ممنوع تھے اُن کو حکم تھا کہ وہ کسی سے خوف نہ کریں۔ اور بلا خوف و خطر علوم اہل بیت کو منتشر کریں تو اُنھوں نے کس لئے تقیہ کیا اور کیوں ایک دو ناصبی کے ڈر سے ایسی بڑی تعریف کی اور پھر جب وہ چلے گئے تو اس کی تاویل کرکے اپنے خواص کو اصل مطلب سمجھایا۔ اور وہ قول جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام موصوف تقیے سے ممنوع تھے یہ ہے بحار الانوار میں ملا باقر مجلسی نے اور کافی میں ملا یعقوب کلینی نے لکھا ہے کہ جو صحیفہ امام جعفر صادق کا تھا۔ اس میں ان کے لئے یہ حکم تھا (حدث الناس وافتہم ولا تخافن الا اللہ وانشر علوم اہل بیتک وصدق آباءک الصالحین فانک فی حرز و امان) کہ تمام مخلوق کو فتویٰ دو اور ان سے باتیں کرو اور کسی سے سوائے خدا کے نہ ڈرو اور اپنے اہل بیت سے علوم کو منتشر کرو۔ اور اپنے آبا صالحین کی تصدیق کرو۔ اس لئے کہ تم حرز اور امان میں ہو۔ پس باوجود اس کے کہ جب ایسے اطمینان کا حکم الٰہی ان کو ہو چکا تھا۔ اور تقیہ کرنے سے وہ منع کر دیے گئے تھے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کا خوف تھا جس کے سبب سے ایسی تعریف صحابہ کی کرتے تھے۔ اور لوگوں کو دھوکا دیتے تھے۔ افسوس ہے کہ شیعیان علی نے اپنے اماموں کی محبت کے پیرایے میں کیسی ہجو کی ہے اور اُن پر کیا کیا تہمتیں لگائی ہیں۔

(تیسری دلیل) اگر کوئی شیعہ کہے کہ جب یہ عبارت زائد بھی اصل حدیث میں داخل ہے تو کیا وجہ ہے کہ ایک ٹکڑا اُس کا تسلیم کیا جاوے اور دوسرا ٹکڑا زائد اور غلط ٹھہرایا جاوے۔ اس لئے ضرور ہے کہ کل عبارت حدیث کی تسلیم کی جاوے۔ اور جو تاویل اس حدیث کی امام نے بیان کی۔ وہ بھی امام ہی کی طرف سے سمجھی جاوے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ (اقرار العقلاء حجۃ علے انفسہم دون الادعاء لہم) کہ اقرار آدمی کا اُس پر حجت ہوتا ہے۔ پس اسی قاعدے سے جس قدر اقرار فضیلت شیخین کا ہے۔ وہ اُن پر حجت ہے۔ اور جو تاویل کی گئی ہے وہ ہم پر حجت نہیں۔ اور قطع نظر اس کے عادت بھی محدثین شیعہ کی یہ ہے کہ وہ عبارت کو حدیث کی کم و بیش کر دیا کرتے ہیں۔

اور اپنے مذہب کے موافق بنا لیتے ہیں۔ جیسا کہ ملا باقر مجلسی نے حدیث مسئلہ قضا و قدر میں شیخ صدوق کی نسبت بیان کیا ہے (انما فعل ذلک لیوافق اہل العدل) پس جب اُن پر اعتماد اس امر کا نہ رہا کہ وہ حدیث میں تحریف نہیں کرتے اور کچھ تغیر و تبدل کو راہ نہیں دیتے۔ تو پھر کیونکر وہ تاویل جو سراسر لچر اور خرافات ہو صحیح مانی جاوے۔ اور ایسی واہیات کی آیمہ کی طرف کیونکر نسبت دی جاوے۔ حالانکہ ایمہ خود اس امر کی شکایت کرتے رہے ہیں۔ اور اپنے شیعوں پر لعنت ملامت کرتے آئے ہیں کہ وہ تاویلات غلط اُن کی احادیث میں کر دیتے ہیں۔ اور حدیث کے مضمون کو اور کا اور بنا دیتے ہیں چنانچہ ابو عمرو کشی نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث کو اسی بارہ میں نقل کیا ہے وہو ہذہ (ان الناس اولعوا بالکذب علینا ان اللہ افترض علیہم لا یرید منہم غیرہ وانی احدث احدہم بالحدیث فلا یخرج من عندی حتی یتاولہ علے غیر تاویلہ ذلک انہم لا یطلبون بحدیثنا و بحبنا ما عند اللہ وانما یطلبون الدنیا) کہ آدمیوں نے بہت زیادتی کی ہم پر جھوٹ لگانے کی۔ میں جو حدیث اُن سے کہتا ہوں۔ وہ میرے پاس سے نکلنے نہیں پاتے کہ وہیں اُس کی دوسری تاویل خلاف کرنے لگتے ہیں۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ میری احادیث سے اُس چیز کے طالب نہیں۔ جو خدا کے پاس ہے بلکہ صرف دنیا کے طلبگار ہیں۔ پس جب کہ خود امام کی تصدیق سے ثابت ہُوا کہ اُن کے پاس بیٹھنے والوں کی یہ عادت تھی کہ وہیں بیٹھے بیٹھے اُن کی احادیث کی تاویل غلط کر دیا کرتے تھے۔ تو پھر ایسے لوگوں سے کیا بعید ہے کہ اُنہوں نے ایسی تاویل اس حدیث کی بھی کی ہو۔

(چوتھی دلیل) اُس تاویل پر جو اس حدیث کے الفاظ کی کی ہے اگر غور بحث کریں تو ہم کو معلوم ہو جاوے کہ وہ کس قدر مہمل اور غلط اور خلاف محاورہ ہے۔ اول:۔ تاویل لفظ اماماں کی یہ کی ہے کہ اماما اہل النار۔ تو مضاف الیہ کو محذوف کر دیا ہے۔ لیکن موافق قاعدہ نحو کے حذف مضاف الیہ کا سوائے حالت تنوین یا بناء مضاف یا اضافت ثانیہ کے جائز نہیں۔ اگر شک ہو تو رضی اُٹھا کر دیکھ لو۔ دوسرے لفظ امام جب مطلق چھوڑا گیا تو اُس سے وہی معنی جو اصلی ہیں یعنی مدح اور صفت کے مراد لئے جاوینگے۔ اس لئے کہ لفظ مطلق سے فرد کامل مراد ہوتا ہے تو کیونکر اُس سے امام

اہل النار مراد ہو سکتے ہیں۔ بخلاف آیہ آئمۃ یدعون الی النار کے کہ وہاں یہ تقید ہے نہ مطلق۔

دوسری۔ تاویل قاسطون کی بھی غلط ہے اس لئے کہ قرآن شریف میں بمقابلہ مسلمون کے قاسطون وارد ہے پس تعین معنی کے واسطے قرینے کا ہونا ضرور ہے کہ وہ آیہ میں موجود ہے اور حدیث میں مفقود بلکہ اشارہ طرف آیہ کریمہ واقسطوا انّ اللّٰہ یحب المقسطین کے ہے ؎

تیسرے حق سے مراد نام علے مرتضٰے کا لینا خلاف عرف عام اور تبادر اذہان اور معنی ظاہری کے ہے بغیر پہلے ہونے ذکر مرتضوی کے حق سے اُن کا نام مراد لینا حدیث کو چیستان ٹھہرانا ہے۔ علاوہ اس کے حرف علی کو بمعنے استیلاء بلا دلیل قرار دینا اور استیلاء کو مرادا ستعلاء ٹھہرانا زبردستی معنی بنانا اور خرافات بکنا ہے اور لغت میں قیاس کو دخل دینا حالانکہ قیاس فی اللغۃ جائز نہیں غور کرنا چاہیئے کہ زید علی الحق جب بولا جاتا ہے تو اُس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ حق پر ہے یا یہ مراد ہوتی ہے کہ وہ باطل پر ؎

چوتھی تاویل علیہما رحمۃ اللّٰہ یوم القیمۃ کے جو کی گئی ہے۔ اُس کی نسبت کسی نے خوب لطیفہ کہا ہے کہ حضرات امامیہ جب اپنے پیشواؤں کے حق میں رحمۃ اللّٰہ علیہ کہتے ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ علیہ سے وہی مخالفت مراد ہے اور رحمۃ اللّٰہ سے رسول اللّٰہ مراد ہیں یعنی مخالف ہے رسول کا استغفر اللّٰہ کہ حضرات شیعہ احادیث کو ایسی تاویلات بیجا سے مضحکۂ اطفال بناتے ہیں اور ائمہ پر ایسی بے جا تاویلات کی تہمت کرکے اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔

ساتویں شہادت

نہج البلاغۃ میں حضرت امیر المومنین علی مرتضٰے کی طرف سے شان میں حضرت ابوبکر صدیق کے یہ عبارت منقول ہے للّٰہ بلاد فلان لقد قوم الاود وداوی العمد واقام السنۃ وخلف البدعۃ وذہب نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیرہا وسبق شرہا ادی الی اللّٰہ طاعتہ واتقاہ بحقہ رحل وترکہم فی طرق متشبتۃ لا یہدی فیہا اتصال

ولا یستیقن المہتدی) ترجمہ :- خدا انعام کرے فلان یعنی ابوبکر پر جس نے کجی کو سیدھا کیا جس نے امراض نفسانیہ کی دوا کی جس نے سنت کو پیغمبر کی قائم کیا۔ اور بدعت کو دور کیا گیا اس دنیا سے پاک دامن کم عیب خلافت کی خوبی پائی اور اُس کے فساد سے پہلے رحلت کی۔ خدا کی اطاعت کو اچھی طرح ادا کیا۔ اور موافق حق کے پرہیزگاری کو پورا کیا۔ کوچ کیا اس دنیا سے اور چھوڑ گیا آدمیوں کو شاخ در شاخ راہوں میں کہ نہ گمراہ ہدایت پاتا ہے اور نہ راہ پانے والا یقین حاصل کر سکتا ہے۔

میں حضرت علی کے اس قول کی نسبت تمام اقوال کو اہل سنت اور شیعہ کے نقل کرتا ہوں۔ اور جو کچھ دونوں نے اب تک اس قول کی نسبت لکھا ہے اُس کو بیان کرتا ہوں اور حضرات شیعہ کی خدمت میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ اس بحث کو ذرا دل سے سنیں اور غور سے دیکھیں اور تعصب اور عناد کو چھوڑ کر انصاف کریں کہ اُن کے علما حق پر ہیں یا کہ اہل سنت کے۔ پس اس قول کی نسبت اول تحفۂ اثناء عشریہ کے مضمون کو لکھتا ہوں۔ بعدہ جو علامۂ کنتوری نے اُس کا جواب دیا ہے کہ اُس کو لکھ کر جو تردید اُس کے جناب خاتم المتکلمین مولانا مولوی حیدر علی صاحب نے کی ہے لکھوں گا۔

خاتم المحدثین تحفۂ اثناعشریہ میں بعد نقل کرنے اس عبارت کے لکھتے ہیں کہ جناب امیر کی اس عبارت میں جامع نہج البلاغۃ نے کہ شریف رضی ہیں اپنے حفظ مذہب کے واسطے عجیب تصرف کیا ہے یعنی لفظ ابوبکر کو حذف کر کے بجائے اُس کے لفظ فلاں لکھ دیا تاکہ اہل سنت کو موقع اس پر سند پکڑنے کا نہ ہووے۔ لیکن حضرت امیر کی کرامت ہے کہ اوصاف مذکورہ صریح اس پر دلالت کرتے ہیں کہ مراد اُس سے کون ہیں۔ اسی واسطے نہج البلاغت کے شارحین نے فلاں کے لفظ کی تعین میں اختلاف کیا ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ عمر ہیں۔ لیکن اکثر شراح نے اول ہی کو ترجیح دی ہے۔ اب اُن جوابات کو سننا چاہیئے۔ جو کہ علمای شیعہ نے اس قول کی نسبت دیے ہیں ؛ احدہما لا نسلم التنافی المذکور فانہ جاز ان یکون ذلک المدح منہ علیہ السلام علی وجہ استصلاح من یعتقد صحۃ خلافۃ الشیخین واستجلاب قلوبہم بمثل ہذا الکلام الثانی انہ جاز ان یکون مدحہ ذلک لاحدہما فی معرض توبیخ عثمان لوقوع الفتنۃ فی خلافتہ واضطراب الامر علیہ واسارۃ سب مال المسلمین ہو وبنو امیہ حتی کان ذلک سبباً لثوران المسلمین من الامصار وقتلہم لہ وینبہ علی ذلک قولہ

وخلف الفتنة و ذہب نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیرہا و سبق شرہا و قولہ و ترکہم فی طرق متشعبة الی آخرہ فان مفہوم ذلک یستلزم ان الوالی بعد ہذا الموصوف قد اتصف باضداد ہذہ الصفات واللہ اعلم) انتہی بلفظہ یعنی شیعون نے اس قول کی نسبت یہ بحث کی ہے کہ یہ تعریف حضرت امیر کی بہ نسبت ابوبکرؓ یا عمرؓ کے مخالف ہمارے اجماع کے ہے جو بہ نسبت خاطی ہونے اُن کے ہے ۔ کہ انہوں نے منصب خلافت کو غصب کیا ۔ اور جور و ظلم کیا ۔ پس دو حال سے خالی نہیں ۔ یا تو یہ کلام حضرت امیر علیہ السلام کا نہیں ہے یا اجماع ہم شیعون کا بہ نسبت خطاء شیخین کی خطا ہے ۔ اور اس کا شیعون نے دو طرح سے جواب دیا ہے ۔ اول ۔ یہ کہ ہم مخالفت کو اس طرح سے دفع کرتے ہیں کہ جائز ہے کہ یہ تعریفیں حضرت علی کی بہ نسبت ابوبکرؓ یا عمرؓ کے بنظر استمالۂ قلوب اُن آدمیوں کے تھیں جو کہ حسن سیرت اور صحت خلافت شیخین کے معتقد تھے ۔ دوسرے یہ کہ یہ تعریفیں بہ نظر توبیخ عثمان کے تھیں کہ امر خلافت بہ سبب ظہور فتنوں کے اُن کے زمانے میں ابتر ہو گیا اور مسلمانوں نے بلوہ کر کے اُن کو قتل کیا ۔ اور یہ جواب قرین قیاس ہے ۔ اس لئے کہ عبارت سے اس خطبے کی معلوم ہوتا ہے کہ جو خلیفہ بعد اُس کے جس کی تعریف حضرت علی کرتے ہیں ایسا تھا کہ جس میں صفت متذکرہ کے اضداد جمع تھے ؎

اس تحریر سے علامۂ بحرانی کی چند فائدے حاصل ہوئے ۔ اول ۔ یہ کہ جو انکار علامۂ کنتوری نے کیا تھا کہ (ہیچیک از امامیہ این توجیہ نہ کردہ) اس کا بطلان ثابت ہو گیا ۔ اور انہی کے مجتہد اور پیشوا کے اقرار سے اُن کا جھوٹا ہونا ظاہر ہوا دوسرے ۔ یہ معلوم ہوا کہ اولاً بجائے فلان کے اصل خطبہ میں لفظ ابوبکر یا عمر کا تھا ۔ اور پیچھے اصل لفظ کو بدل کر لفظ فلان لکھ دیا ۔ اس لئے کہ کیوں کر عقل سلیم قبول کر سکتی ہے کہ حضرت امیر سا فصیح و بلیغ ایسے خطبے میں لفظ مبہم بیان فرماوے اور بجائے نام کے حرف فلان ارشاد کرے ۔ تیسرے ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت تک جب کہ علامۂ بحرانی نے شرح نہج البلاغة لکھی ۔ تمام شیعہ لفظ فلان سے یا حضرت ابوبکرؓ سمجھتے تھے ۔ یا حضرت عمرؓ مراد لیتے تھے ۔ اس لئے کہ شارح موصوف شیعوں کے قول کو نقل کر کے کہتا ہے (فقالوا ان ہذا الممادح التی ذکرہا علیہ السلام

فی احد ہذین الرجلین) کہ شیعہ کہتے ہیں کہ یہ ممدوح دو میں سے ایک ہے یا ابو بکر یا عمر رضی اللہ عنہما۔ چوتھے۔ اس تحریر سے تقریر قطب الاقطاب راوندی کی مہمل ہو گئی۔ یعنی اُنھوں نے اپنے بچانے کے لئے یہ توجیہ کی کہ مراد فلان سے وہ شخص ہے جو کہ سامنے پیغمبر خدا کے مر چکا تھا۔ اس لئے کہ اگر اس تقریر کو اور علماء شیعہ قبول کر لیتے اور اُس کو مہمل جان کر مطروح نہ کر دیتے تو ایسی تاویلات کی حاجت نہ ہوتی جو علامۂ بحرانی نے شیعوں کی طرف سے بیان کی ہیں۔

اگرچہ اس تحریر سے جو ہم کر چکے سب مطلب حاصل ہو گیا اور علماء شیعہ کی توجیہات کا پوچ اور بیہودہ ہونا ثابت ہو گیا۔ لیکن ہم ذرا اس امر کی اور تصریح کرتے ہیں کہ لفظ فلان سے علماء شیعہ کے نزدیک دو ہی شخص مراد ہیں یا حضرت ابو بکر صدیق رض یا حضرت عمر رض چنانچہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب قدس اللہ سرہ تحفہ میں فرماتے ہیں (ولہذا شارحین نہج البلاغۃ از امامیہ در تعیین فلان اختلاف کردہ اند۔ بعضے گفتہ اند کہ مراد ابو بکر رض ست وبعضے گفتہ اند عمر رض ست) لیکن علامۂ کنتوری نے موافق اپنی عادت کے اس سے بھی انکار فرمایا اور اس کو بھی شاہ صاحب کا جھوٹھ تصور کیا۔ چنانچہ جو جواب تحفہ کا اُنھوں نے لکھا ہے اس تحریر کا شاہ صاحب کے اُن لفظوں سے جواب دیا ہے (قولنا ان ہذا لا افک مبین ازین ناصبی باید پرسید کہ کدام شارح امامیہ گفتہ کہ مراد ابو بکر یا عمر ست) خاتم المتکلمین حضرت مولانا مولوی حیدر علی صاحب قبلہ کے نام سے شیعوں کے بدن میں رعشہ اور لرزہ پیدا ہوتا ہے اس کے جواب میں فرماتے ہیں (سبحانک ہذا بہتان عظیم زیرا کہ مراد ازین شراح امامیہ مثل بحرانی ہستند ولیکن چون این بے نصیب کتب مذکورہ را ندیدہ می گوید کہ کدام شارح امامیہ گفتہ کہ مراد ابو بکر رض یا عمر رض ست اینک عبارت رئیس الحکماء والمتبحرین کمال الدین مذکور بگوش خود بشنود خاک مذلت بر سر خود بریزد۔ از مسند تکلم و تصنیف برخیز حیث قال وعن قطب الدین الراوندی انہ انما اراد الخ) یعنی ملا کمال الدین جو ایک نامی عالم شیعہ کے ہیں۔ وہ شرح

ل بعض اصحابہ فی زمن الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ممن مات قبل وقوع الفتن وانتشارہا وقال ابن ابی الحدید ان ظاہر الاوصاف المذکورۃ فی الکلام علی انہ اراد رجلا ولی امر الخلافۃ قبلہ کقولہ قوم

نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں کہ فلان کے لفظ سے مراد لینے میں اختلاف ہے۔ قطب الدین راوندی جو ایک بڑے عالم شیعوں کے ہیں کہتے ہیں کہ حضرت امیرؓ کی مراد اس فلان سے کوئی دوسرا آدمی ہے۔ جو کہ پیغمبر صاحب کے سامنے دنیا سے رحلت کر گیا تھا۔ اور ابن ابی الحدید کا قول ہے کہ مراد اس سے عمرؓ ہیں۔ لیکن میرے نزدیک مراد فلان سے ابوبکرؓ ہیں فقط اس کو دیکھ کر حضرات شیعہ کو چاہیئے کہ اپنے محدثین اور علما کے جوابات پر خیال کریں۔ کہ باوجود ہونے ایسی روایات کے اُس سے انکار کرتے ہیں۔ اور حضرت مؤلف تحفہ قدس سرہ کو جھٹلاتے ہیں اور عوام کو دھوکا دیتے ہیں۔ اگرچہ عبارت جناب امیرؓ کی اظہار فضائل ابوبکر صدیقؓ میں ایسی صریح اور صاف ہے کہ بعد اُس کے سننے کے کسی قسم کا کوئی طعن اُن پر شیعوں کی زبان سے نکل نہیں سکتا۔ لیکن جو فضیلتیں اُن لفظوں سے ثابت ہوتی ہیں۔ اُن کو ذرا تفصیل کے ساتھ ہم بیان کرتے ہیں۔ پس واضح ہو کہ اس خطبے میں جناب امیرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دس وصفوں کو بیان کیا۔ اول یہ کہ خلق کو جو کجی میں گرفتار تھی۔ نکال کر خدا کی راہ پر لائے اور اُن کو راہ راست دکھلائی۔ دوسرے امراض نفسانیہ کا اپنے وعظ و نصیحت سے معالجہ کیا۔ تیسرے پیغمبر خدا کی سنت کو قائم کیا۔ چوتھے ایسا انتظام کیا کہ کچھ فتنہ و فساد اُن کے زمانے میں نہ ہوا۔ پانچویں خاشاک ملامت سے پاک دامن گئے۔ چھٹے خلافت کی خوبی پائی۔ اور اُس کے شر سے محفوظ رہے۔ ساتویں خدا کی طاعت جیسی کہ چاہیئے بجالائے۔ آٹھویں خوف اور تقوے کا حق بخوبی ادا کیا۔ نویں خلق خدا بعد اُن کے تشویش اور حیرت میں پڑ گئی۔ دسویں بعد اُن کے لوگ مختلف ہوگئے۔

چنانچہ انہی اوصاف کی تصریح میں مولانا صاحب تحفہ میں فرماتے ہیں (ایں دریں عبارت سراسر بشارت ابوبکر را بدہ وصف عالی موصوف نمودہ) لیکن علامہ کنتوری اس کے جواب میں لکھتے ہیں (ثبت العرش ثم انقش اول این معنی باثبات باید رسانید کہ مراد از لفظ فلاں دریں کلام ابوبکر ست۔ بعد ازاں باین اوصاف اثبات فضل ابوبکر باید نمود)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۲: الاود و داوے العمد ولم یرد عثمان لوقوعہ فی الفتنۃ وسعیہا بسببہٗ لا ابابکر لقصر مدۃ خلافۃ ولبعد عہدہ عن الفتن وکان الاظہر انہ اراد عمر و اقول ان ارادتہ لابی بکر اشبہ من ارادتہ لعمر ۱۲

اس کی تردید میں مولانا حیدر علی صاحب ازالۃ الغین میں فرماتے ہیں (بحمد اللہ کہ ہم بناء
دیوار محکم شد و ہم نقش و نگار صورت بست و خود شراح نہج البلاغۃ آن اوصاف را کہ
تلک عشرۃ کاملۃ عبارت از انست بہمیں عادیاد کردہ اند عبارت بحرانی بعد از ترجیح
صدیق باید شنید وصفہ باموراحدہا تقویمۃ للاود وہو کنایۃ عن تقویمۃ[ل] الخ) اے مسلمانو
حضرات شیعہ کو دیکھو کہ کس طرح پر صحابہ کی ہر فضیلت سے انکار کر جاتے ہیں اور باوجود
اقرار اپنے بزرگوں کے صاف منکر ہو جاتے ہیں اور فضیحت اور رسوائی سے بالکل بے خوف
ہو جاتے ہیں اس علامۂ کنتوری نے باین فضیلت جب دیکھا کہ کچھ جواب ایسی روائتوں
کا نہیں ہے پس بمجبوری انکار کرنا شروع کیا اور لانسلم اور لیس بصحیح کہہ کر اپنے جواب کو
ختم کیا۔ لیکن قطع نظر اس کے کہ خود علماء شیعہ نے اقرار کیا ہے کہ مراد فلان سے حضرت
ابوبکر رض ہیں یا حضرت عمر رض۔ بالفرض اگر وہ اقرار بھی نہ کرتے تو بھی لفظ فلان سے کوئی
شخص مراد ہوگا یا ماسوائے حضرات شیخین کے دوسرا کوئی ہو یا انہی میں سے کوئی
ایک ہو۔ اگر کوئی تیسرا شخص مراد لیا جاوے تو وہی شخص ہوگا۔ جو کہ پیغمبر صاحب کے
سامنے مر چکا تھا۔ جیسا کہ قطب الدین راوندی نے دعویٰ کیا ہے۔ اور جب کہ یہ صفتیں
ایسے شخص کی نسبت جو پیغمبر صاحب کے سامنے مر گیا ہو ثابت نہیں ہو سکتیں۔ تو لامحالہ
مراد فلان سے یا ابوبکر صدیق رض ہونگے یا حضرت عمر فاروق رض۔ تو پھر اس سے انکار کرنا اور
بجواب تحفہ کے اپنے نامۂ اعمال کی طرح چند ورق سیاہ کرنا بالکل عبث اور لغو تھا۔ اس سے
تو یہی بہتر تھا کہ اس روایت ہی سے انکار کر جاتے اور حضرت علی کی طرف منسوب کرتے

[ل] لاعوجاج الخلق عن سبیل اللہ الی الاستقامۃ فیہا الثانی مداواتہ للعمد واستعار لفظ العمد للامراض النفسانیہ
باعتبار استلزامہ للاذی کالعمد ووصف المداواۃ لمعالجۃ تلک الامراض بالمواعظ البالغۃ والزواجر
القولیۃ والفعلیۃ النافعۃ الثالث اقامتہ للسنۃ ولزومہا الرابع تخلیفہ للفتنۃ اے موتہ قبلہا ووجہ کون
ذلک مدحا لہ ہو اعتبار عدم وقوعہا بسببہ وفی زمانہ لحسن تدبیر الخامس ذہابہ نقی الثوب واستعار لفظ الثوب
لعرضہ وقیامہ بہ سلامتہ عن دنس المذام السادس فاصیبوبہ السابع اصابتہ خیرہا وسبق شرہا والضمیر فی
الموضعین لشبہ ان یرجع الی المعہود لہ مما ہو فیہ من الخلافۃ اے اصاب ما فیہما من الخیر المطلوب
وہو العدل واقامتہ دین اللہ الذی بہ یکون الثواب الجزیل فی الآخرۃ والشرف الجلیل فی الدنیا و

سے منکر ہو جاتے یا اُس کو تقیے پر محمول کر کے اپنے جواب میں صرف تقیے کا عذر پیش کرتے لیکن ان دو راہوں کو چھوڑ کر علامۂ کنتوری کا تیسری راہ پر چلنا سراسر نادانی تھی - آخر اُس کا لطف اُٹھایا کہ جس امر سے انکار کیا اور جس روایت سے منکر ہوئے اُسی کو ہم نے اُن کی کتابوں اور اُن کے علما کے قول سے ثابت کر کے اُن کو بدنام کیا (اے معاشر مسلمین رحمکم اللہ اکنوں کجا ماند دعاوے لاطائلۂ روافض کہ در مطاعن تقریر کردہ ہزاران رسائل و کتب را مثل ناماہای اعمال خود در سیاہی و تباہی گرفتند و انصاف باید داد کہ حالیا از عمدہ طعنہای رفضہ کہ در اسفار کلامیہ ایشان مبسوطست چیزے باقیست کہ بعد شہادت جناب مرتضوی حاجت بہ رد آن افتد - پس بر سوء عاقبت این قوم بنالہای جانکاہ باید گریست و ریگ بیابان ذلت بر سرہای ایشان باید ریخت) اگر حضرات شیعہ کو اب بھی سیری نہ ہوئی ہو - اور باوجود ایسی روائتوں کے اُن کی خاطر جمع نہ ہوئی ہو تو ہم اُن کی تسکین کے لئے ابھی بہت سی سندیں اور روایتیں صحابہ کرام کی فضیلت میں موجود رکھتے ہیں اور خود ائمہ کرام کی زبان سے اس کے ثابت کرنے پر مستعد ہیں جس کو سننا ہو وہ سنے ؛

آٹھویں شہادت

علی بن عیسی اردبیلی امامی اثنا عشری نے اپنی کتاب کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ میں لکھا ہے (انہ سئل الامام ابو جعفر علیہ السلام عن حلیۃ السیف ہل یجوز فقال نعم قد حلی ابو بکر الصدیق سیفہ بالفضۃ فقال الراوی اتقول ہکذا فوثب الامام عن مکانہ فقال نعم الصدیق نعم الصدیق نعم الصدیق فمن لم یقل لہ الصدیق فلا صدق اللہ قولہ فی الدنیا والآخرۃ ترجمہ - کسی شخص نے امام باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ تلوار کے قبضے کو حلیہ کرنا درست

بقیہ حاشیہ صہ ۱۶۴ :-
ببتی مشرہا ای مات قبل وقوع الفتنۃ فیہا وسفک الدماء الاجلہا والثامن اداوہ الی اللہ طاعۃ التاسع القاہ لہ بحقہ اے ادے حقہ خوفا من عقوبتہ العاشر رحیلہ الی الآخرۃ تارکا للناس بعدہ فی طرق متشعبۃ من الخیالات لایہتدی فیہا من ضل عن سبیل اللہ ولا یستیقن المہتدی فی سبیل اللہ انہ علی سبیلہ لاختلاف طرق الضلال وکثرۃ المخالف لہ ایہا والوسفے قولہ وترکہم للمحال انتہے بلفظہ ۱۲

ہے یا نہیں۔ تب امام نے جواب دیا۔ کہ ہاں اس لئے کہ ابوبکر صدیق کی تلوار کے قبضے پر بھی حلیہ چاندی کا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ اُس نے امام سے عرض کی کہ یا حضرت آپ بھی ابوبکر کو صدیق کہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی امام اپنی جگہ سے اُچھل پڑے اور کہنے لگے کہ ہاں وہ صدیق ہے ہاں وہ صدیق ہے ہاں وہ صدیق ہے۔ جو کوئی اُس کو صدیق نہ کہے خدا اس کی دنیا و آخرت میں تصدیق نہ کرے۔ اس روایت سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ زبان سے امام علیہ السلام کی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا صدیق ہونا اور صدیق ہونے سے اُن کا تمام امت سے افضل ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ قواعد مقررۂ منصوصۂ قرآن سے یہ امر ظاہر ہے کہ بعد پیغمبروں کے مرتبہ صدیق کا ہے اور تمام امت سے صدیقین کا درجہ افضل ہے۔ جیسا کہ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے۔ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا۔ دوسرا فائدہ امام سے جب سائل نے سوال کیا تو اُس نے صرف ایک مسئلے کا استفسار کا کیا۔ اُس کے جواب میں ہاں یا نہیں کہنا کافی تھا۔ مگر امام نے اس پر قناعت نہ کی۔ بلکہ ابوبکر صدیق کے فعل کو سند لے کر جواب دیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسائل دینی میں افعال صحابہ پر تمسک کرنا چاہیئے اور یہ حصہ صرف اہل سنت کو نصیب ہوا ہے۔ حضرات شیعہ اس سے محروم ہیں وہ کبھی کسی مسئلے میں قول یا فعل صحابہ کو سند نہیں جانتے۔ پس درحقیقت اماموں کے تابع اہل سنت ہیں نہ شیعہ۔ تیسرا فائدہ امام سے جب سائل نے مسئلہ پوچھا اور اُنہوں نے ابوبکر صدیق کا ذکر بھی کیا تو اُن کو صدیق کہنا ضرور نہ تھا۔ یہی کافی تھا۔ کہ وہ نام ابوبکر صدیق کا لیتے۔ مگر امام کو ایسی محبت اُن سے تھی۔ کہ بغیر صدیق کے احدہما لا نسلم التنافی المذکور فانہ جاز ان یکون ذلک المدح منہ علیہ السلام علی وجہ استصلاح من یعتقد صحۃ خلافۃ الشیخین واستجلاب قلوبہم بمثل ہذا الکلام الثانی انہ جاز ان یکون مدحہ ذلک لاحدہما فی معرض توبیخ عثمان لوقوع الفتنۃ فی خلافتہ و اضطراب الامر علیہ واسارۃ سب مال المسلمین ہو وبنو ابیہ حتی کان ذلک سببا لثوران المسلمین من الامصار وقتلہم لہ وینبہ علی ذلک قولہ وخلف الفتنۃ وذہب نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیرہا وشرہا وقولہ وترکہم فی طرق متشعبۃ الی آخرہ فان

مفہوم ذلک یستلزم ان الوالی بعد ہذا الموصوف قد اتصف باضداد ہذہ الصفات واللہ اعلم)، انتہی بلفظہ یعنی شیعوں نے اس قول کی نسبت یہ بحث کی ہے کہ یہ تعریف حضرت امیر کی بہ نسبت ابوبکرؓ یا عمرؓ کے مخالف ہمارے اجماع کے ہے۔ جو بہ نسبت خاطی ہونے اُن کے ہے کہ اُنہوں نے منصب خلافت کو غصب کیا۔ اور جور و ظلم کیا۔ پس دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ کلام حضرت امیر علیہ السلام کا نہیں ہے! یا اجماع ہم شیعوں کا بہ نسبت خطاء شیخین کی خطا ہے اور اس کا شیعوں نے دو طرح سے جواب دیا ہے۔ اول یہ کہ ہم مخالفت کو اس طرح سے دفع کرتے ہیں کہ جائز ہے کہ یہ تعریفیں حضرت علی کی بہ نسبت ابوبکرؓ یا عمرؓ کے بنظر استمالۂ قلوب اُن آدمیوں کے تھیں جو کہ حسن سیرت اور صحت خلافت شیخین کے معتقد تھے۔ دو یہ کہ یہ تعریفیں بہ نظر توبیخ عثمان کے تھیں کہ امر خلافت بہ سبب ظہور فتنیوں کے اُن کے زمانے میں ابتر ہو گیا اور مسلمانوں نے بلوہ کر کے ان کو قتل کیا۔ اور یہ جواب قرین قیاس ہے اس لئے کہ عبارت سے اس خطبے کی معلوم ہوتا ہے کہ جو خلیفہ بعد اُس کے جس کی تعریف حضرت علی کرتے ہیں ایسا تھا کہ جس میں صفت متذکرہ کے اضداد جمع تھے۔

اس تحریر سے علامۂ بحرانی کی چند فائدے حاصل ہوئے۔ اول یہ کہ جو انکار علامۂ کنتوری نے کیا تھا کہ (ہیچک از امامیہ این توجیہ نکردہ) اُس کا بطلان فی ثابت ہو گیا اور اُنہی کے مجتہد اور پیشوا کے اقرار سے اُن کا جھوٹا ہونا ظاہر ہوا۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اولاً بجائے فلاں کے اصل خطبہ میں لفظ ابوبکر یا عمر کا تھا اور پیچھے اصل لفظ کو بدل کر لفظ فلاں لکھ دیا۔ اس لئے کہ کیونکر عقل سلیم قبول کر سکتی ہے کہ حضرت امیر سا فصیح و بلیغ ایسے خطبے میں لفظ مبہم بیان فرماوے اور بجائے نام کے حرف فلان ارشاد کرے۔ تیسرے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اُس وقت تک جب کہ علامۂ بحرانی نے شرح نہج البلاغۃ لکھی۔ تمام شیعہ لفظ فلان سے یا حضرت ابوبکرؓ سمجھتے تھے یا حضرت عمرؓ مراد لیتے تھے۔ اس لئے کہ شارح موصوف شیعوں کے قول کو نقل کر کے کہتا ہے (فقالوا ان ہذا الممادح التی ذکرہا علیہ السلام فی احد ہذین الرجلین) کہ شیعہ کہتے ہیں کہ یہ ممدوح دو میں سے ایک ہے یا ابوبکر یا عمر رضی اللہ عنہما۔ چوتھے اس

تحریر سے تقریر قطب الاقطاب راوندی کی مہمل ہوگئی۔ یعنی اُنہوں نے اپنے بچانے کے لئے یہ توجیہ کی۔ کہ مراد فلان سے وہ شخص ہے جو کہ سامنے پیغمبر خدا کے مرچکا تھا۔ اس لئے کہ اگر اُس تقریر کو اور علماء شیعہ قبول کر لیتے اور اُس کو مہمل جان کر مطروح نہ کر دیتے تو ایسی تاویلات کی حاجت نہ ہوتی۔ جو علامۂ بحرانی نے شیعوں کی طرف سے بیان کی ہیں۔

اگرچہ اس تحریر سے جو ہم کر چکے سب مطلب حاصل ہوگیا۔ اور علماء شیعہ کی توجیہات کا لوچ اور بیہودہ ہونا ثابت ہوگیا۔ لیکن ہم ذرا اس امر کی اور تصریح کرتے ہیں۔ کہ لفظ فلان سے علماء شیعہ کے نزدیک دو ہی شخص مراد ہیں یا حضرت ابوبکر صدیقؓ یا حضرت عمرؓ۔ چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ تحفہ میں فرماتے ہیں (ولہذا شارحین نہج البلاغۃ از امامیہ در تعیین فلاں اختلاف کردہ اند۔ بعضے گفتہ اند کہ مراد ابوبکر ست و بعضے گفتہ اند عمر ست) لیکن علامۂ کنتوری نے موافق اپنی عادت کے اس سے بھی انکار فرمایا اور اس کو بھی شاہ صاحب کا جھوٹھ تصور کیا۔ چنانچہ جو جواب تحفہ کا اُنہوں نے لکھا ہے۔ اُس میں اس تحریر کا شاہ صاحب کے اُن لفظوں سے جواب دیا ہے (قولنا ان ہذا الافک مبین ازیں ناصبی باید پرسید کہ کدام شارح امامیہ گفتہ کہ مراد ابوبکر یا عمر ست) خاتم المتکلمین حضرت مولانا مولوی حیدر علی صاحب قبلہ جن کے نام سے شیعوں کے بدن میں رعشہ اور لرزہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔ (سبحانک ہذا بہتان عظیم زیرا کہ مراد ازین شراح امامیہ مثل بحرانی ہستند ولیکن چون این بے نصیب کتب مذکورہ را ندیدہ می گوید کہ کدام شارح امامیہ گفتہ کہ مراد ابوبکر یا عمر ست اینک عبارت رئیس الحکماء والمتبحرین کمال الدین مذکور بگوش خود بشنود خاک مذلت بر سر خود بریزد از مسند تکلم وتصنیف برخیز حیث قال و عن قطب الدین الراوندی انہ انما اراد الخ) یعنی ملا کمال الدین جو ایک نامی عالم شیعہ کے ہیں

لہ بعض اصحابہ فی زمن الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ممن مات قبل وقوع الفتن وانتشارہا وقال ابن ابی الحدید ان ظاہر الاوصاف المذکورۃ فے الکلام یدل علے انہ ارادہ جلا ولی امر الخلافۃ قبلہ کقولہ قوم الاود وداوے العمد ولم یروعثمان لوقوعہ فی الفتنۃ وسعہا السببہ ولا ابابکر لقصر مدۃ خلافتہ ولبعد عہدہ عن الفتن وکان الاظہر انما اراد عمر واقول ان ارادتہ لابی بکر اشبہ من ارادتہ لعمر ۱۲

وہ شرح نہج البلاغۃ میں لکھتے ہیں کہ فلاں کے لفظ سے مراد لینے میں اختلاف ہے۔ قطب الدین راوندی جو ایک بڑے عالم شیعوں کے ہیں کہتے ہیں کہ حضرت امیر کی مراد اس فلاں سے کوئی دوسرا آدمی ہے جو کہ پیغمبر صاحب کے سامنے دنیا سے رحلت کر گیا تھا اور ابن ابی الحدید کا قول ہے کہ مراد اُس سے عمر رضہ ہیں۔ لیکن میرے نزدیک مراد فلاں سے ابوبکر ہیں۔ فقط اس کو دیکھ کر حضرات شیعہ کو چاہیئے کہ اپنے محدثین اور علما کے جوابات پر خیال کریں کہ باوجود موجود ہونے ایسی روایات کے اُس سے انکار کرتے ہیں اور حضرت مؤلف تحفہ قدس سرہ کو جھٹلاتے ہیں اور عوام کو دھوکا دیتے ہیں۔ اگرچہ عبارت جناب امیر کی اظہار فضائل ابوبکر صدیق رضہ میں ایسی صریح اور صاف ہے کہ بعد اُس کے سننے کے کسی قسم کا کوئی طعن اُن پر شیعوں کی زبان سے نکل نہیں سکتا۔ لیکن جو فضیلتیں اُن لفظوں سے ثابت ہوتی ہیں اُن کو ذرا تفصیل کے ساتھ ہم بیان کرتے ہیں۔ پس واضح ہو کہ اس خطبے میں جناب امیر نے حضرت ابوبکر صدیق رضہ کے دس وصفوں کا بیان کیا۔ اول۔ یہ کہ خلق کو جو کجی میں گرفتار تھی نکال کر خدا کی راہ پر لائے اور اُن کو راہ راست دکھلائی۔ دوسرے۔ امراض نفسانیہ کا اپنے وعظ و نصیحت سے معالجہ کیا۔ تیسرے پیغمبر خدا کی سنت کو قائم کیا۔ چوتھے۔ ایسا انتظام کیا کہ کچھ فتنہ و فساد اُن کے زمانے میں نہ ہوا۔ پانچویں خاشاک ملامت سے پاک دامن گئے۔ چھٹے خلافت کی خوبی پائی اور اُس کے شر سے محفوظ رہے ساتویں خدا کی طاعت جیسی کہ چاہیئے بجالائے۔ آٹھویں۔ خوف اور تقوے کا حق بخوبی ادا کیا۔ نویں۔ خلق خدا بعد اُن کے تشویش اور حیرت میں پڑ گئی۔ دسویں۔ بعد اُن کے لوگ مختلف ہو گئے۔

چنانچہ انہی اوصاف کی تصریح میں مولانا صاحب تحفہ میں فرماتے ہیں (پس درین عبارت سراسر بشارت ابوبکر را بدہ وصف عالی موصوف نمودہ) لیکن علامہ کنتوری اس کے جواب میں لکھتے ہیں (ثبت الجدار ثم النقش اول این معنی باثبات باید رسانید کہ مراد از لفظ فلان درین کلام ابوبکر ست بعد ازان باین اوصاف اثبات فضل ابوبکر نمود) اس کی تردید میں مولانا حیدر علی صاحب ازالۃ الغین میں فرماتے ہیں (الحمد للہ کہ ہم بناء دیوار محکم شد وہم نقش ونگار صورت بست و خود

شارح نہج البلاغۃ آن اوصاف راکہ تلک عشرۃ کاملۃ عبارت از انست بہ ہمیں عدد یاد کردہ اند عبارت بحرانی بعد از ترجیح صدیق باید شنید وصفہ باموراحدہا تقویمۃ للاود وہو کنایۃ عن تقویمۃ الخ) اے مسلمانو حضرات شیعہ کو دیکھو کہ کس طرح صحابہ کی ہر فضیلت سے انکار کر جاتے ہیں اور باوجود اقرار اپنے بزرگوں کے صاف منکر ہو جاتے ہیں اور فضیحت اور رسوائی سے بالکل بے خوف ہو جاتے ہیں۔ اس علامہ کنتوری نے باین فضیلت جب دیکھا کہ کچھ جواب ایسی روائیتوں کا نہیں ہے۔ پس بمجبوری انکار کرنا شروع کیا اور لانسلم اور لیس بصحیح کہہ کر اپنے جواب کو ختم کیا۔ لیکن قطع نظر اس کے کہ خود علماء شیعہ نے اقرار کیا ہے کہ مراد فلان سے حضرت ابوبکرہ ہیں یا حضرت عمرؓ۔ بالفرض اگر وہ اقرار بھی نہ کرتے تو بھی لفظ فلاں سے کوئی شخص مراد ہوگا۔ یا ماسوائے حضرات شیخین کے دوسرا کوئی ہو یا انہی میں سے کوئی ایک ہو۔ اگر کوئی تیسرا شخص مراد لیا جاوے تو وہی شخص ہوگا۔ جو کہ پیغمبر صاحب کے سامنے مر چکا تھا۔ جیسا کہ قطب الدین راوندی نے دعوی کیا ہے اور جب کہ یہ صفتیں ایسے شخص کی نسبت جو پیغمبر صاحب کے سامنے مر گیا ہو ثابت نہیں ہو سکتیں۔ تو لامحالہ مراد فلان سے یا ابوبکر صدیق ہوں گے یا حضرت عمر فاروقؓ۔ تو پھر

لے لاعوجاج الخلق عن سبیل اللہ الی الاستقامۃ فیہا الثانی مداواتہ للعمد واستعار لفظ العمد للامراض النفسانیۃ باعتبار استلزامہ للاذی کالعمد ووصف المداواۃ لمعالجۃ تلک الامراض بالمواعظ البالغۃ والزواجر القولیۃ والفعلیۃ النافعۃ الثالث اقامۃ للسنۃ ولزومہا الرابع تخلیفہ للفتنۃ ای موتہ قبلہا ووجہ کون ذلک مدحالہ ہو اعتبار عدم وقوعہا بسببہ وفی زمانہ لحسن تدبیر الخامس ذہابہ نقی الثوب واستعار لفظ الثوب لعرضہ وقیامہ بہ سلامۃ عن دنس المذام السادس فاعلیہ بہ السابع اصابتہ خیرہا وسبق شرہا والضمیر فی الموضعین یشبہ ان یرجع الی العہود لہما ہو فیہ من الخلافۃ ای اصاب ما فیہا من الخیر المطلوب وہو العدل واقامۃ دین اللہ الذی بہ یکون الثواب الجزیل فی الآخرۃ والشرف الجلیل فی الدنیا وسبق شرہا ای مات قبل وقوع الفتنۃ فیہا وسفک الدماء لاجلہا الثامن اداوۃ الی اللہ طاعۃ التاسع القاہ لہ بحقہ ای ادی حقہ خوفا من عقوبتہ العاشر رحیلہ الی الآخرۃ تارکا للناس بعدہ فی طرق متشعبۃ من الخیالات لا یہتدی فیہا من ضل عن سبیل اللہ ولا یستیقن المہتدی فی سبیل اللہ انہ علی سبیلہ لاختلاف طرق الضلال وکثرۃ المخالف لہ ایہ۔ الوفی قولہ وترکہم للحال انتہی بلفظہ۔

اس سے انکار کرنا اور بجواب تحفہ کے اپنے نامۂ اعمال کی طرح چند ورق سیاہ کرنا بالکل عبث اور لغو تھا۔ اس سے تو یہی بہتر تھا کہ اس روایت ہی سے انکار کر جاتے اور حضرت علی کی طرف منسوب کرنے سے منکر ہو جاتے۔ یا اُس کو تقیے پر محمول کر کے اپنے جواب میں صرف تقیے کا عذر پیش کرتے۔ لیکن ان دو راہوں کو چھوڑ کر علامۂ کنتوری کا تیسری راہ پر چلنا سراسر نادانی تھی۔ آخر اس کا لطف اُٹھایا۔ کہ جس امر سے انکار کیا۔ اور جس روایت سے منکر ہوئے۔ اُسی کو ہم نے اُن کی کتابوں اور اُن کے علما کے قول سے ثابت کر کے اُن کو بدنام کیا (اے معاشر مسلمین رحمکم اللہ اکنوں کجا ماندد عاوے لاطائلۂ روافض کہ در مطاعن تقریر کردہ ہزاراں رسائل وکتب رامثل نامہای اعمال خود در سیاہی وتباہی گرفتند وانصاف باید داد کہ حالیا از عمدہ طعنہای رفضہ کہ در اسفار کلامیہ الیشان مبسوط ست چیزے باقیست کہ بعد شہادت جناب مرتضوی حاجت بہ رد آن افتد پس بر سوء عاقبت این قوم بنالہای جانکاہ باید گریست و ریگ بیابان مذلت بر سرہای الیشان باید ریخت) اگر حضرات شیعہ کو اب بھی سیری نہ ہوئی ہو اور باوجود ایسی روائتوں کے اُن کی خاطر جمع نہ ہوئی ہو تو ہم اُن کی تسکین کے لئے ابھی بہت سی سندیں اور روایتیں صحابۂ کرام کی فضیلت میں موجود رکھتے ہیں اور خود ائمۂ کرام کی زبان سے اُس کے ثابت کرنے پر مستعد ہیں۔ جس کو سننا ہو وہ سنے:

آٹھویں شہادت

علی بن عیسیٰ اردبیلی امامی اثنا عشری نے اپنی کتاب کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ میں لکھا ہے (انہ سئل الامام ابو جعفر علیہ السلام عن حلیۃ السیف ہل یجوز فقال نعم قد حلی ابو بکر الصدیق سیفہ بالفضۃ فقال الراوی اتقول ہکذا فوثب الامام عن مکانہ فقال نعم الصدیق نعم الصدیق نعم الصدیق فمن لم یقل لہ الصدیق فلا صدق اللہ قولہ فی الدنیا والآخرۃ) ترجمہ کسی شخص نے امام باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ تلوار کے قبضے کو حلیہ کرنا درست ہے یا نہیں۔ تب امام نے جواب دیا کہ ہاں اس لئے کہ ابوبکر صدیق کی تلوار کے قبضے پر بھی حلیہ چاندی کا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ اس نے امام سے عرض کی کہ یا حضرت آپ بھی ابوبکر کو صدیق کہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی امام اپنی جگہ سے اچھل پڑے اور کہنے لگے

کہ ہاں وہ صدیق ہے ہاں وہ صدیق ہے ہاں وہ صدیق ہے۔ جو کوئی اُس کو صدیق نہ کہے خدا اس کی دنیا و آخرۃ میں تصدیق نہ کرے۔ اس روایت سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ زبان سے امام علیہ السلام کی حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صدیق ہونا اور صدیق ہونے سے اُن کا تمام امت سے افضل ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ قواعد مقررۂ منصوصۂ قرآن سے یہ امر ظاہر ہے کہ بعد پیغمبروں کے مرتبہ صدیق کا ہے اور تمام امت سے صدیقین کا درجہ افضل ہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاُولٰئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰئِکَ رَفِیْقًا۔ دوسرا فائدہ امام نے جب سائل نے سوال کیا تو اُس نے صرف ایک مسئلے کا استفسار کیا۔ اُس کے جواب میں ہاں یا نہیں کہنا کافی تھا۔ مگر امام نے اس پر قناعت نہ کی بلکہ ابو بکر صدیق کے فعل کو سند لے کر جواب دیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسائل دینی میں افعال صحابہ پر تمسک کرنا چاہیئے اور یہ حصہ صرف اہل سنت کو نصیب ہوا ہے۔ حضرات شیعہ اس سے محروم ہیں۔ وہ کبھی کسی مسئلے میں قول یا فعل صحابہ کو سند نہیں جانتے۔ پس درحقیقت اماموں کے تابع اہل سنت ہیں نہ شیعہ۔ تیسرا فائدہ امام سے جب سائل نے مسئلہ پوچھا۔ اور انہوں نے ابو بکر صدیق کا ذکر بھی کیا تو اُن کو صدیق کہنا ضرور نہ تھا۔ یہی کافی تھا کہ وہ نام ابو بکر صدیق کا لیتے۔ مگر امام کو ایسی محبت اُن سے تھی کہ بغیر صدیق کے اُن کا نام لینا اُن کے دل کو گوارا نہیں ہوا اس لئے اس لقب سے اُن کو یاد کیا۔ پس یہ بڑی عمدہ دلیل محبت ائمہ کی ساتھ صحابہ کے ہے۔ افسوس حضرات شیعہ کی سمجھ پر کہ وہ ائمہ کو دشمن صحابہ کا جانتے ہیں۔ چوتھا فائدہ۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کو سائل کے تعجب پر نہایت غصہ آیا۔ اور جب اُس نے پوچھا کہ آپ بھی ابو بکر کو صدیق کہتے ہیں تو آپ کو اس قدر غیظ ہوا کہ اپنی جگہ سے اچھل پڑے اور تین مرتبہ فرمایا۔ نعم الصدیق نعم الصدیق نعم الصدیق۔ اور اسی پر قناعت نہ کی۔ بلکہ یہ فرمایا۔ کہ جو کوئی اُن کو صدیق نہ کہے۔ خدا اس کی دنیا و آخرت میں تصدیق نہ کرے۔ پس حضرات شیعہ کو چاہیئے کہ وہ ذرا انصاف سے اس روایت کو دیکھیں۔ اور امام کی شہادت سے اپنے آپ کو خدا کے نزدیک دنیا و آخرت میں بسبب نہ تصدیق کرنے صدیقیت حضرت ابو بکر

صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے جھوٹھا جانیں - پانچواں فائدہ - اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پوچھنے والا شیعہ تھا اور صحابہ کا دشمن - اسی واسطے امام کے صدیق کہنے پر اس کو تعجب ہوا - اگر کوئی سنی ہوتا تو وہ تعجب نہ کرتا - اور جب کہ سائل کا شیعہ ہونا ثابت ہؤا تو پھر موقع تقیے کا بھی نہ رہا - ہاں اگر سائل سنی یا ناصبی یا خارجی ہوتا تو تقیے کی گنجائش تھی -

اب ہم حضرات شیعہ کے اقوال کو جو اس روایت کی نسبت ہیں بیان کر کے اُن کا رد کرتے ہیں -

پہلا قول - قاضی نور اللہ شوستری نے احقاق الحق میں اس روایت سے انکار کیا ہے اور بہت کچھ زبان درازی فرمائی ہے اور صاف لکھا ہے کہ اس روایت کا کچھ پتہ نشان کشف الغمہ میں نہیں ہے - بلکہ ایسی روایت کا کشف الغمہ میں موجود ہونا خلاف قیاس ہے - اس لئے کہ اُس کتاب میں پیغمبر خدا اور نہ ائمہ اثنا عشر کا حال لکھا ہے نہ ابوبکر کا - تو کیا وجہ تھی کہ مؤلف اُس کتاب کا ایسی روایت کو لکھتا چنانچہ قاضی صاحب کی عبارت کے الفاظ یہ ہیں (وکذا الحال فیما نقلہ عن راس التعصب والحیف من حدیث حلیۃ السیف لیس ذلک فی الکتاب عنہ خبر ولا عین ولا اثر والیضا لامناسبۃ لذکر ذلک فی ہذا الکتاب المقصور علی ذکر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والائمۃ الاثنا عشرۃ وذکر اسمائہم وکناہم واسماء آبائہم وامہاتہم وموالیدہم ووفیاتہم ومعجزاتہم کما لایخفی علی من طالع ہذا الکتاب) بس اس قول کو دیکھ کر کونسا شیعہ ہوگا جس کو اس روایت کے نہ موجود ہونے پر یقین نہ آوے گا - اور سنیوں کے قول کو کیونکر غلط نہ جانے گا - لیکن الحمد للہ کہ کتاب کشف الغمہ اس ہندوستان میں صدہا جگہ موجود ہے جس کسی کو شک ہو وہ اُس کو لے کر دیکھے کہ یہ روایت موجود ہے کہ نہیں اور قاضی صاحب کی صداقت کی داد دے - لیکن اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ شاید پیچھے کر کے کسی سنی نے یہ عبارت ملا دی ہے اور کتاب کشف الغمہ میں اس روایت کے موجود ہونے سے اُس کو اطمینان نہ ہو - تو اُس کے اطمینان کے لئے ہم مجتہد صاحب کی کتاب پیش کرتے ہیں کہ اُنہوں نے بفضلہ تعالےٰ اس روایت کے موجود ہونے سے کتاب مذکور میں اقرار کیا اور یہ توجیہ فرمائی - کہ یہ روایت مؤلف کتاب نے ابن جوزی

سے جو کہ عالم سنیوں کے ہیں نقل کی ہے خیر جو کچھ ہو۔ اس کی بحث ہم پیچھے کریں گے بالفعل ہم کو قاضی نور اللہ شوستری صاحب کی تکذیب منظور ہے کہ اُنہوں نے اس روایت کے موجود ہونے ہی سے انکار کیا ہے۔ اور اُس کے واسطے ہم مجتہد صاحب کی کتاب طعن الرماح کی عبارت نقل کرتے ہیں جس میں اُنہوں نے اس روایت کے موجود ہونے سے اقرار کیا ہے وہو ہذہ (قال المجتہد القمقام فی طعن الرماح روایت نعم الصدیق را اسناد بکتب شیعیان نمودہ از کتاب کشف الغمہ نقل کردہ چون اتفاق مراجعت بآن کتاب شد مصنف آن کہ مولانا الوزیر علی بن عیسی اردبیلی ست از ابن جوزی کہ از مشاہیر علماء اہل سنت ست روایت مذکورہ را نقل کردہ) اس تحریر سے مثل آفتاب نیمروز کے قاضی نور اللہ شوستری کا جھوٹھا ہونا ثابت ہو گیا۔ اور خود مجتہد صاحب کی تحریر سے اُن کے قاضی کا جس کو مولانا اور سیدنا لکھ کر اپنی کتاب میں یاد کیا ہے افترا ظاہر ہو گیا ہے۔ عجب حال ہے علماء شیعہ کا۔ جب کوئی روایت اُن کی کتاب سے سند لا کر پیش کی جاتی ہے تو اول صاف انکار کر جاتے ہیں۔ اور ناقل کو جھوٹھا اور کاذب بتاتے ہیں۔ اور جب اُس کی صحت اور سند پہنچا دی جاتی ہے۔ تب توجیہات لاطائل کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ اس روایت کو قاضی نور اللہ شوستری نے خلاف اپنے مذہب کے پایا۔ اُس سے انکار کیا۔ لیکن جب وہ روایت اُس کتاب سے ثابت کر دی گئی۔ تب بمجبوری مجتہد صاحب نے اُس کی موجودگی کا اقرار کیا۔ اور ایک دوسری توجیہ لاطائل سے اُس کو باطل کرنا چاہا۔ چنانچہ اب ہم اُس توجیہ کو بھی باطل کرتے ہیں۔ مجتہد صاحب کی توجیہ کا سارا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت نعم الصدیق کی اگرچہ کتاب کشف الغمہ میں مذکور ہے۔ لیکن اُس مؤلف موصوف نے علامہ ابن جوزی سے جو کہ مشاہیر علماء اہل سنت سے ہے نقل کیا ہے۔ اس لئے گویا یہ روایت اہل سنت کی ہے نہ شیعوں کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شاید مجتہد صاحب نے کتاب کشف الغمہ کو از اول تا آخر ملاحظہ نہیں فرمایا ورنہ ایسا ارشاد نہ فرماتے اس لئے کہ مؤلف کتاب موصوف نے جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے اور نقل کیا ہے وہ متفق علیہ فریقین ہے۔ اور علماء شیعہ نے یکے بعد دیگرے اُس کو قبول کیا ہے اور وہ شیعوں کے نزدیک مسلم ہے۔ چنانچہ علامہ معز الدین صدر کتاب امامت میں لکھتے

ہیں (کہ کتاب کشف الغمہ از تصنیفات وزیر سعید اردبیلی ست و آنچہ در کتاب مستطاب مذکورست مقبول طبائع موافق و مخالف ست انتہی) پس گو کہ صاحب کشف الغمہ نے یہ روایت ابن جوزی ہی سے نقل کی ہو۔ لیکن جب کہ وہ التزام اس امر کا کر چکا ہے کہ جو روایت لکھی جاوے گی۔ وہ مقبول فریقین ہوگی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ روایت بھی مقبول فریقین ہے اور جب مقبول فریقین ہونا ثابت ہوا۔ تو اس روایت سے الزام شیعوں پر دینا درست ٹھہرا اور اس کا جواب شیعوں سے لینا واجب ہوا۔ صاحب استقصاء الافحام نے جن کی کتاب پر آج کل شیعوں کو بڑا فخر ہے۔ نہایت جودت طبع کو دخل دیا ہے۔ اور اپنی دقیقہ فہمی اور نکتہ سنجی سے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس کلام سے زردستانی کے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو کشف الغمہ میں مذکور ہے۔ اُس کو اہل حق بھی قبول کرتے ہیں۔ اور اُس کا انکار نہیں کرتے۔ اور یہ امر آخر ہے۔ اور ہونا روایات کشف الغمہ کا اجماعیات اہل حق اور اہل خلاف سے دوسرا امر ہے۔ اس لئے کہ قبول کرنا کبھی اس لئے ہوتا ہے کہ اپنے واسطے حجت پکڑیں نہ کہ اس لئے کہ مخالف اُس سے ہم پر حجت کرے۔ علاوہ اس کے کلام زردستانی محمول اصول اور مقاصد کتاب کشف الغمہ پر ہے کہ جو مقصود بالذات ہے۔ وہ مقبول اہل حق ہے نہ کہ وہ جو مقصود بالذات نہیں ہے۔ وہ بھی مقبول ہے۔ فقط چنانچہ اصل عبارت استقصاء کی یہ ہے (اول آں کہ ازین کلام زردستانی نہایت انچہ مستفاد می شود این ست کہ انچہ در کشف الغمہ مذکورست آں را اہل حق ہم قبول می سازند و برد وانکار آن نمی پردازند و این امر آخرست و بودن روایات کشف الغمہ از اجماعیات و اتفاقیات اہل حق و اہل خلاف کہ مخاطب مدعی آنست امر آخر زیرا کہ مفہوم ثانی آن ست کہ اہل حق در روایت این روایات شریک اند و از قبول کردن آن روایات این معنی مستفاد نمی شود۔ چہ قبول روایت باین وجہ ہم متصورست کہ اہل خلاف روایت آن کردہ باشند و اہل حق قبول آن نمودہ باشند و قبول گاہی باین معنی ست کہ این روایت را صحیح می دانم۔ وانچہ دران مذکور است۔ آن را حجت می گیریم و گاہی باین معنی کہ چون بآن بر بعض مطالب خود احتجاج می کنیم۔ پس برای این امر قبولش کردہ ایم نہ باین معنی کہ خصم بآن بر ما احتجاج نماید۔ دوم۔ آن کہ کلام زردستانی محمول بر اصول و مقاصد آن کتاب ست یعنی انچہ

ودرآن کتاب برائے احتجاج واستدلال از اہل خلاف نقل فرمودہ ومقصود بالذات ست مقبول اہل حق ہم ست نہ این کہ انچہ مقصود بالذات نیست ومحض استطراداً وتبعاً نقل شدہ آن ہم مقبول ست ولیاقت حجیت نزد اہل حق دارد حاشا وکلا) لیکن صاحب استقصاء کی اس تحریر کا مطلب معلوم نہیں ہوتا - اور اس سے یہ مشکل مسئلہ حل نہیں ہوتا - یعنی ہمارا یہ قول ہے کہ مؤلف کشف الغمہ نے جو روایت لکھی ہے - خواہ وہ اپنے یہاں سے لی ہو - خواہ سنیوں سے - وہ روایت وہی ہے - جس کو علماء شیعہ نے بھی قبول کیا ہے - اور اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ روایت نعم الصدیق بھی مقبول علماء شیعہ خواہ مولف موصوف نے اپنے کسی عالم کی کتاب سے نقل کی ہو - خواہ ابن جوزی کے کسی نسخے سے لی ہو - اور اس سے مجتہد صاحب کی وہ توجیہ کہ یہ روایت ابن جوزی سے نقل کی ہے باطل ہوتی ہے - اور صاحب استقصاء کی تحریر سے کچھ مطلب حاصل نہیں ہوتا - حقیقت میں وہ بیچارہ کیا کرے - ایسی بردمات میں پڑ گیا ہے کہ نہ کچھ کہہ سکتا ہے - نہ کچھ جواب دے سکتا ہے - اپنے مجتہدین اور علماء کے اضطراب پر حیرت کر کے جہاں تک اُس سے ہوتا ہے اُن کی بات بناتا ہے - اور چونکہ جھوٹی بات کو کوئی سوائے ایسی ابلہ فریب تقریروں کے سچ کر کے دکھلا نہیں سکتا - اسی واسطے وہ بھی ایسی ہی پوچ باتوں سے اپنا دل خوش کرتا ہے - ورنہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ ایسی توجیہ لاطائل جو صاحب استقصائے کی ہے کسی لڑکے کی زبان سے بھی نہ نکلے گی - یعنی اس کا تو اقرار ہی کئے جاتے ہیں کہ جو کچھ کشف الغمہ میں لکھا ہے وہ مقبول فریقین ہے اور جب اس کو بعض روایت میں اپنے مذہب کے حق میں مضر جانتے ہیں تو اس کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں کہ مقبولیت سے صرف انہیں روایات کی مقبولیت مراد ہے جو کہ مقصود بالذات ہیں نہ وہ روایات جو مقصود بالذات نہیں ہیں اور یہ خیال نہیں فرماتے کہ ایسی توجیہات پوچ و لچر کو مخالف کب سنے گا اور وہ ایسی باتوں کو کب مانے گا - چنانچہ ہم بوجوہات قوی اس تحریر کو رد کرتے ہیں ؛

اول یہ بات خود صاحب استقصا نے قبول کی ہے (کہ انچہ در کشف الغمہ مذکور است آنرا اہل حق ہم قبول می سازند و بردو انکار آن نمی پردازند) پس ہم ایسے امر مقبول کردہ صاحب استقصار کو نقل کر کے کہتے ہیں کہ (روایت نعم الصدیق در کشف الغمہ مذکور است و آنچہ در کشف الغمہ مذکور است آن را اہل حق ہم قبول میسازند و بردو انکار آن نمی پردازند و قاضی نور اللہ شوستری آن را قبول نمی سازند

و جناب مجتہد صاحب قبلہ بردو انکار آں می پردازند، پس ہر دو قاضی و مجتہد از اہل حق ہستند و ہر کہ از اہل حق باشد آنرا لازم است کہ ایں روایت را قبول سازد و بردو انکار آں نہ پردازد)

دوسرے صاحب استقصاء نے قبول کے دو معنی فرض کئے ہیں کہ (قبول گاہے بایں معنی ست کہ ایں روایت را صحیح میدانیم و آنچہ دراں مذکور است آنرا حجت میگیریم و گاہی بایں معنی کہ چوں بآں بر بعض مطالب خود احتجاج می کنیم پس برای ایں امر قبول کردہ ایم نہ بایں معنی کہ خصم براں بر ما احتجاج نماید) لیکن انہیں معنی فرضی پر مقولہ مضمون الشعرانی فبطن الشاعر صادق ہے۔ اس لئے کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اس لٹنا کی روائتوں کی نسبت معز الدین اثنا عشری نے لکھا ہے (آنچہ در کتاب مستطاب مذکور است مقبول طبایع موافق و مخالف است) اور جب مقبول فریقین ہونا اس کا ثابت ہوا تو پھر یہ کہنا کہ ہم نے اس لئے قبول کیا ہے کہ ہم حجت پکڑیں نہ کہ اس لئے کہ مخالف ہم پر حجت پکڑے محض نادانی ہے اس کی مثال بعینہ ایسی ہے کہ ایک شخص کسی قبالہ اور دستاویز کی صحت کا اقرار کرے اور اس امر کو قبول کرے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے خواہ وہ میرا لکھا ہو یا دوسرے فریق کا وہ سب مجھے مقبول اور منظور ہے۔ اور پھر جب کسی عبارت پر اس دستاویز کی دوسرا فریق گرفت کرے تب وہ قبول کرنے والا دستاویز کا کہے کہ یہ عبارت لکھائی ہوئی دوسرے فریق کی ہے۔ میں نے تو اس لئے اس کو قبول کیا تھا کہ اس پر حجت پکڑوں گا نہ کہ اس لئے کہ وہ مجھ پر حجت پکڑے۔ پس منصف کیا فیصلہ کرے گا۔ یعنی کیا فتویٰ دے گا اور چونکہ صاحب استقصاء بھی منصف ہیں اور ان کے والد ماجد مفتی تھے۔ اس لئے وہ خود ہی برائے خدا اس کا انصاف کریں اور اس امر کو فیصل فرماویں۔

تیسرے۔ اگر یہ امر تسلیم کر لیا جاوے کہ روایت کا قبول کرنا اپنے واسطے حجت لانے کے لئے ہے نہ کہ دوسرے کی حجت کرنے کے واسطے تو سب جھگڑا ہی طے ہو جاوے۔ کوئی فریق کسی دوسرے پر کسی روایت کی سند نہیں لا سکتا۔ اور یہی جواب دے سکتا ہے جیسا کہ صاحب استقصاء نے دیا ہے کہ (چون بہ آن بر بعض مطالب خود احتجاج می کنیم۔ پس برای این امر قبولش کردہ ایم نہ بایں معنی کہ خصم بآن بر ما احتجاج کند)۔

چوتھے۔ عام قاعدہ ہے کہ جب کسی فریق کی روایت یا خبر کی صحت تسلیم کی جاوے تو اس کی جواب دہی صحت کے تسلیم کرنے والے پر ایسی ہی ہوتی ہے۔ جیسی کہ اصل روایت کرنے والے پر۔ چنانچہ قطع نظر معاملات دنیاوی کے ہم دینی سند بیان کرتے ہیں۔ کہ

باتیں توریت و انجیل کی ہماری کتابوں میں مذکور ہیں اور ہم اُن کو قبول و منظور کرتے ہیں۔ پس جب اُن روائتوں کی صحت ہم نے تسلیم کر لی۔ تو اس کی جواب دہی ہمارے ذمے بھی ویسی ہی ہے جیسے کہ یہود اور عیسائیوں کے ذمے۔ پس اگر کسی روایت یا خبر کی نسبت جس کو ہم نے تسلیم کر لیا ہے۔ کوئی اعتراض کرے تو اُس کا ہم یہ جواب دے سکتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب استقصاء نے دیا ہے کہ (چون بآن بر بعض مطالب خود احتجاج می کنیم۔ پس برائے این امر قبولش کردہ ایم نہ باین معنی کہ خصم بآن بر ما احتجاج کنند) حقیقت میں ہم ایسا جواب نہیں دے سکتے۔ اور اگر دیں تو کوئی مخالف اس کو تسلیم نہیں کر سکتا۔

پانچویں۔ اگر کسی فریق مخالف کی کوئی روایت ہم نقل کریں اور اُس کو قبول کرنے سے کوئی غرض خاص ہووے۔ اور اُس میں کوئی امر ایسا ہو۔ جس کو ہم قبول نہ کرتے ہوں۔ ہم کو لازم ہوگا۔ کہ ہم اُس کے مطلب کو جو کہ ہمارے مفید ہووے کر باقی عبارت کو چھوڑ دیں۔ یا اُس کی نسبت صاف لکھ دیں کہ اس روایت کا اس قدر مضمون ہم کو تسلیم ہے اور باقی سے انکار ہے۔ اگر ہم ایسا نہ کریں اور اُس روایت کو بلا انکار اس کے کسی جزو کے قبول کر لیں تو پھر ہم اُس کی قبولیت سے انکار نہیں کر سکتے۔ اسی طرح پر اگر مؤلف کتاب کشف الغمہ کا اس روایت کو کسی خاص مطلب کے واسطے قبول کرنا۔ تو اس کو اس کا مطلب ہی کہ دینا کافی تھا یا اصل روایت لکھ کر اس کے جزو مقبول پر اشارہ کر دینا لازم تھا۔ جب اُس نے ایسا نہیں کیا۔ تو اب بعد چندیں سال توجیہ صاحب استقصاء کی کچھ بکار آمد نہیں ہوتی۔

چھٹے۔ یہ قول صاحب استقصاء کا کہ (کلام زردستانی محمول بر اصول و مقاصد آن کتاب ست۔ نہ این کہ انچہ مقصود بالذات نیست آن ہم مقبول ست) یہ فقط قول ہی قول ہے نہ اس کی کچھ سند نہ اس پر کچھ حجت ہے۔ ایسا دعوے بلا دلیل لائق سماعت کے نہیں ہے۔ اگر مؤلف موصوف یہ لکھ دیتا۔ کہ جو اصول اور مقاصد اس کتاب کے ہیں وہ مقبول ہیں نہ وہ جو کہ مقصود بالذات نہیں ہیں۔ وہ بھی مقبول ہیں تو بیشک ہم تسلیم کرتے لیکن جب کہ اُس نے یہ قید نہیں کی اور اپنے کلام کو بہ نسبت کتاب کے مطلق چھوڑ دیا۔ تو ہم بھی اُس سے فرد کامل مراد لیں گے یعنی جو کچھ اس کتاب میں ہے خواہ مقصود بالذات ہو یا نہ ہو۔ وہ سب مقبول ہے۔

اے حضرات شیعہ تم کو خدا کی قسم ہے کہ ذرا غور کرو اور انصاف کو دخل دو کہ اس

بحث میں تمہارے علماکس گرداب بلا میں پڑ گئے ہیں اور کیسے بے دست و پا ہو رہے ہیں۔ اور ہر چند ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ مگر مقصود کے کنارے تک پہنچنے نہیں پاتے کوئی تو اس روایت کے موجود ہونے ہی سے انکار کرتا ہے۔ کوئی موجود ہونے کا تو اقرار کرتا ہے۔ لیکن اُس کو سنیوں کے علما سے نقل کرنا بیان کرتا ہے کوئی اس کو قبول ہی نہیں کرتا۔ کوئی قبولیت کے معنی گڑھ گڑھ کر بیان کرتا ہے اور حقیقت میں کوئی اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتا اور مثل الغریق[1] یتشبث بکل حشیش پر عمل کر رکھا ہے۔

دوسرا قول۔ بعضوں نے اس روایت سے یہ جواب دیا ہے کہ اگر صحت اس کی تسلیم کی جاوے تو امام کا ابوبکر کی نسبت صدیق کہنا بنظر تخصیص اور تمیز مخاطب کے ہوگا بغیر تصدیق اُس کے مضمون کے جیسا کہ احقاق الحق میں قاضی نور اللہ شوستری نے لکھا ہے (اقول ذکر الصدیق لاجل التخصیص و التمییز للمخاطب من غیر تصدیق لمضمونہ) لیکن یہ قول باطل ہے۔ اس لئے کہ اگر امام حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰے عنہ کے نام کے بعد ان کا لقب صدیق کہ کر سکوت فرما جاتے تو حضرات شیعہ کو اس تاویل کی گنجائش تھی۔ لیکن یہ تخصیص مخاطب کی بغیر تصدیق اُس کے مضمون کے آئندہ کے فقرے سے باطل ہوتی ہے اس لئے کہ جب سائل نے متعجبانہ سوال کیا کہ یا حضرت آپ بھی اُن کو صدیق کہتے ہیں تو امام اپنی جگہ سے اُچھل پڑے اور کہا کہ نعم الصدیق نعم الصدیق نعم الصدیق کہ ہاں وہ صدیق ہیں ہاں وہ صدیق ہیں اور پھر اس پر بھی قناعت نہ کی۔ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ (من لم یصدقہ فلا صدق اللہ قولہ فی الدنیا و الآخرہ)۔ جو اُن کو صدیق نہ کہے اُس کی خدا دنیا و آخرت میں تصدیق نہ کرے۔ اگر ایسے کلمات پر بھی حضرات شیعہ یہ فرماویں کہ امام نے صرف مخاطب کے سمجھنے کے لئے صدیق کہا تھا اور اُس کے مضمون کو تصدیق نہ کیا تھا تو یہ انہیں کو زیبا ہے۔

تیسرا قول۔ جب حضرات شیعہ نے یہ خیال کیا کہ یہ تاویل بھی باوجود موجود ہونے جملہ من لم یصدق فلا صدق اللہ قولہ فی الدنیا و الآخرۃ کے نہیں بنتی۔ تب تیسری تاویل شروع کی کہ شاید حضرت امام علیہ السلام نے ابوبکر صدیق کی نسبت جو کچھ فرمایا ہے وہ

---

[1] ڈوبتا ہوا آدمی تنکے کو پکڑتا ہے۔

بنظر استہزا کے فرمایا ہوگا - جیسا کہ احقاق الحق میں لکھا ہے (والاستہزاء کما فی قولہ ذق انک انت العزیز الکریم) یعنی امام نے ابوبکر کو صدیق بہ نظر استہزا اور ٹھٹھے کے فرمایا - جیسا کہ خدا نے دوزخیوں کی نسبت بھی عزیز اور کریم فرمایا ہے - اور بہ نظر استہزا کے اُن کی شان میں قرآن میں کہا ہے کہ چکھو تم بڑے عزیز اور کریم ہو - مگر یہ قول بھی باطل ہے اس لئے کہ الفاظ کو معنی حقیقی سے پھیرنے کے لئے کوئی قرینہ چاہیئے - ورنہ بغیر قرینے کے بلاقیاس الفاظ سے معنی حقیقی مراد نہ لینا جائز نہیں ہے پس آیہ کریمہ میں وہ قرینہ موجود ہے کہ اُوپر سے ذکر زقوم اور عذاب دوزخ کا ہے اور خطاب بھی دوزخیوں سے ہے - اور چونکہ دوزخی اول آپ کو بڑا عزیز اور کریم جانتے تھے اس لئے اُن سے خطاب کیا گیا - کما قال اللہ تبارک و تعالیٰ اِنَّ شَجَرَۃَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِیْمِ کَالْمُھْلِ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ کَغَلْیِ الْحَمِیْمِ خُذُوْہُ فَاعْتِلُوْہُ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِہٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ذُقْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ -
اور اس روایت کے کسی مقام سے کوئی ایسا قرینہ پایا نہیں جاتا - جس سے معلوم ہو کہ امام نے بنظر استہزاء اور ٹھٹھے کے یہ فرمایا ہو - اس لئے کہ اول تو سائل شیعہ تھا - اس کے سامنے استہزا کرنے کا کیا موقع تھا - دوسرے اُس نے اپنی طرف سے کچھ استفسار بہ نسبت حضرت صدیق کے نہ کیا تھا - بلکہ اُس نے ایک مسئلہ فقہی پوچھا تھا - کہ آیا حلیہ سیف کا جائز ہے یا نہیں - امام نے اُس کو جائز فرمایا - اور اس کی سند میں حضرت ابوبکر صدیق کا ذکر کیا - جب اُس سائل کو تعجب ہوُا تو اُس کا تعجب دور کرنے کے لئے حضرت نے کلمہ نعم الصدیق مکرر سہ کرر زبان مبارک سے ارشاد فرمایا - تو یہ محل اور موقع کسی طرح پر استہزا کرنے کا نہ تھا اور لو فرضنا کہ کلمہ نعم الصدیق بھی بنظر استہزا کے ہو - لیکن بعد اس کے جو حضرت نے فرمایا کہ من لم یصدقہ - الخ - یہ کلمہ استہزا اور ٹھٹھے پر کس قرینے سے محمول کیا جاوے گا - اور اگر بغیر قرینہ بلاقیاس کے ایسے کلمات طیبات استہزا اور سخریہ پر محمول کئے جاویں تو ہر ملحد و زندیق ہر آیت اور حدیث کی نسبت ایسا کہہ سکتا ہے فما ہو جوابکم فہو جوابنا -

چوتھا قول :- جب حضرت نے دیکھا کہ یہ تاویل بھی نہیں بنتی - اور امام کی نسبت استہزا اور سخریہ کے منسوب کرنے سے کام نہیں نکلتا - تب اپنے اُس معمولی تاویل سے پناہ لی

جو سُنیوں کے ہر حملہ کے لئے سپر بنائی گئی ہے۔ اور جو ناصبیوں کے ہر حربے کے واسطے ڈھال مقرر کی گئی ہے۔ یعنی تقیہ جیسا کہ احقاق الحق میں برسبیل تنزل لکھا ہے۔ او للتقیہ من السائل۔ اور مجتہد صاحب نے بھی اخیر پر طعن الرماح میں فرمایا ہے (و لو نزلنا عن ذلک پس محمول بر تقیہ خواہد بود) لیکن اس تاویل کی بھی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ الفاظ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل مومنین اور محبین سے تھا ورنہ جب امام نے حضرت ابوبکر کو صدیق کہا تو اُسے کچھ تعجب نہ ہوتا۔ اور وہ یہ استفسار نہ کرتا کہ آپ بھی ایسا کہتے ہیں۔ سائل کا تعجب کرنا اور امام کا غصہ ہو کر جواب دینا صاف اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سائل سنی نہ تھا۔ جس سے ضرورت تقیہ کرنے کی ہوتی اور اگر سائل سنی بھی ہوتا تب بھی امام کا تقیہ کرنا اور سنی سے ڈر کر خلفاء جور کی تعریف کرنا خلاف شان امامت کے تھا۔ اس لئے کہ امام باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام تقیے سے ممنوع تھے اور اُن کو تقیہ کرنا جائز ہی نہ تھا۔ اور جو صحیفہ خدا نے اُن پر بھیجا تھا۔ اُس میں اُن کو علوم کے منتشر کرنے اور مسائل شرعی کو بلا خوف و خطر ظاہر کرنے کی تاکید تھی اُن کو خدا نے مطمئن کر دیا تھا۔ اور اُن کے حق میں (فانک فی حرز و امان) فرما دیا تھا۔ پس ایسی حالت میں امام کا ایک سنی سے ڈر جانا اور اُس کے خوف سے ایک غاصب بلکہ کافر کو صدیق کہنا اور باوجود اطمینان خدا کے جان و عزت کا اندیشہ کرنا تعجب کا مقام ہے۔ علاوہ بریں امام کے حالات پر بھی نظر کرنا اور اُن کے طور اور طریقے کو بھی دیکھنا چاہئے کہ آیا وہ ہمیشہ سنیوں سے ڈر جاتے تھے اور ناصبیوں کے خوف سے جھوٹی تعریف صحابہ کی کیا کرتے تھے۔ یا کبھی اپنی امامت کے جلال پر بھی آجاتے تھے اور اپنی شان صدق گوئی کو بھی ظاہر فرماتے تھے۔ اگر یہ ثابت ہو کہ کبھی کسی سنی کے مقابلے میں حضرت نے اپنے عقیدے کو ظاہر نہیں کیا۔ اور ہمیشہ ہر ایک سنی کے روبرو تقیے کو کام فرمایا تو خیر اس حدیث کی نسبت بھی ہم عذر تقیہ کو تسلیم کر سکتے ہیں۔ اور اگر یہ امر معلوم ہو کہ امام نے بڑے بڑے سنیوں کے سامنے اظہار حق فرمایا ہے اور بلا خوف اُن کے جو کچھ دل میں تھا۔ اُس کو ظاہر کر دیا ہے۔ تو پھر کیونکہ ہم اس حدیث کی نسبت عذر تقیے کو قبول کریں۔ اب ہم امر دوم کو کتب شیعہ سے ثابت کرتے ہیں ملا باقر مجلسی کتاب حق الیقین میں لکھتے ہیں کہ (در زمان حضرت امام محمد باقر و امام جعفر صادق

علیہما السلام کہ در آخر زمان بنی امیہ و اوائل دولت بنی عباس بود۔ ازان دو بزرگوار آن قدر از مسائل حلال و حرام و علم تفسیر و کلام و قصص انبیا و سیر و تواریخ ملوک عرب و عجم و غیر آنہا از غرائب علوم منتشر گردید کہ عالم را فرا گرفت و محدثان شیعہ در اطراف عالم منتشر گردیدہ و پیوستہ در مناظرات و مباحثات علما بر جمیع فرق غالب بودند و چہار ہزار کس از علماء مشہور از حضرت صادق روایت کردہ اند۔ و چہار صد اصل در میان شیعہ بہم رسید کہ اصحاب باقر و صادق و کاظم علیہم السّلام روایت کردہ بودند الی قولہ) و بہ طریق معتبرہ منقولست کہ قتادہ بصری کہ از مفسرین مشہورہ عامہ است۔ بخدمت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام آمد حضرت فرمود۔ توئی فقیہ اہل بصرہ گفت بلی حضرت فرمود وای بر تو ای قتادہ حق تعالےٰ خلق آفریدہ است کہ ایشان را حجتہای خود گردانیدہ است بر خلق خود پس ایشان میخہای زمین اند و خازنان علم آلہی اند پس قتادہ مدتے ساکت شد کہ یارای سخن گفتن نداشت پس گفت بخدا سوگند کہ در پیش فقہا و خلفا و پادشاہان و ابن عباس نشستہ ام و دل من نزد ایشان مضطرب نہ شدہ۔ چنانچہ نزد تو مضطرب شدہ است۔ حضرت فرمود می دانی کہ کجائی در پیش خانۂ نشستۂ کہ حق تعالیٰ در شان ایشان فرمودہ است کہ (فی بیوت اذن اللّٰہ ان ترفع و یذکر فیہا اسمہ) قتادہ گفت راست گفتی) پس جب کہ بڑے بڑے مفسرین اور مشہور فقہا اور نامی علما کے مقابلے میں امام تقیہ نہ کریں اور اُن کو بُرا بھلا کہیں اور وائے بر تو اور مثل اُس کے اور کلمات عتاب کے فرمانے میں کچھ تامل نہ فرماویں اور اُن کے شاگرد اور حاضر باش بڑی بڑی مجلسوں میں سنیوں سے مباحثہ کریں اور اُن کو ہراویں۔ اور ہزاروں عالم اور سینکڑوں فقیہ اُن سے تعلیم پاویں۔ تو کیونکر ہم اس امر کو مانیں کہ ایسے زبردست امام جن کے مجلس میں آنے سے بڑے بڑے عالموں کے بدن میں لرزہ پڑ جاوے اور صورت دیکھنے سے ان کا دل کانپنے لگے۔ ایک سنی کے سامنے آنے سے ڈر جاویں اور خلفاء جور کی ویسی بڑی تعریف کرنے لگیں۔ کیا وہ سائل جس نے حلیہ سیف کا سوال کیا تھا۔ قتادہ بصری سے بھی بڑھ کر تھا یا کوئی لشکر اور فوج لے کر امام سے مسئلہ پوچھنے آیا تھا کہ امام قتادہ سے تو نہ ڈرے اور اُس پر تو عتاب کیا اور سائل سے ڈر کر ابو بکر کو صدیق صدیق کہنے لگے۔ ہمارے

نزدیک تو اگر کوئی بادشاہ اور امیر بھی آتا۔ تب بھی امام کلمۂ حق کہنے سے درگذر نہ فرماتے اور جو کچھ اُن کے دل میں ہوتا اُس کے خلاف ہرگز کچھ بھی زبان سے نہ نکالتے۔ اور یہ صرف ہمارا خیال ہی خیال نہیں ہے۔ بلکہ اس کا ثبوت شیعوں کی کتابوں سے ہوتا ہے چنانچہ ملا باقر مجلسی حق الیقین میں لکھتے ہیں کہ (در روایت دیگر معتبر وارد شدہ است کہ در سالیکہ ہشام بن عبد الملک بحج رفتہ بود۔ در مسجد الحرام دید کہ مردم نزد حضرت امام محمد باقرؑ ہجوم آوردہ اند و از امور دین خود سوال کنند عکرمہ شاگرد ابن عباس از ہشام پرسید کہ کیست اینکہ نور علم از جبین او ساطع ست میروم کہ او را خجل کنم چون نزدیک حضرت آمد و ایستاد و لرزہ بر اندام او افتاد و مضطرب شد و گفت یا ابن رسول اللہ من در مجالس بسیار نزد ابن عباس و دیگران نشستہ ام این حالت مرا عارض نشدہ حضرت ہمان جوابؑ را فرمودہ۔ پس معلوم شد کہ از معجزات امام و شواہد امامت آنست کہ حق تعالےٰ محبت ایشان را در دل دوستان و مہابت ایشان را در دلہای دشمنان می افگند) پس جب کہ ہشام ابن عبد الملک سے ظالم بادشاہ کے موجود ہونے پر امام کا رعب دشمن پر ہو جاوے۔ اور امام کے خوف سے اُن کے بدن پر لرزہ آجاوے تو تعجب ہے کہ پھر امام ایک سنی کے رعب میں آجاویں۔ اور ایک ادنیٰ آدمی سے ڈر جاویں۔ میں ہر چند غور کرتا ہوں اور بہت سوچتا ہوں لیکن حضرات شیعہ رحمہم اللہ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اور امامت کی حقیقت تو فرشتے اور انبیا بھی نہیں سمجھے وہ تو میں کیا سمجھ سکتا ہوں۔ لیکن اُس کے ظاہری شواہد بھی میرے ذہن میں نہیں آتے۔ کہ کبھی تو حضرات شیعہ اماموں کو ایسا شجاع اور ذی رعب بنا دیتے ہیں۔ کہ بادشاہوں اور ظالموں کو بھی مجال گفتگو کی اُن کے سامنے نہ تھی۔ اور عالموں اور فقیہوں کو بھی جرأت بات کرنے کی اُن سے نہ ہوتی تھی۔ سب کو بُرا بھلا کہتے تھے اور لوگ چپ سنا کرتے تھے اور سوائے درست اور بجا کے امام کے سامنے کسی کی زبان سے کوئی لفظ نہ نکلتا تھا۔ اور کبھی حضرات شیعہ اماموں کو ایسا خوف زدہ اور جبان ونعوذ باللہ منہ بنا دیتے ہیں کہ وہ ایک ادنیٰ آدمی سے ڈر جاتے تھے۔ اور اگر اُن

لہ یعنی جو جواب قتادہ کو دیا تھا۔ ۱۲

کی مجلس میں ایک سنی بھی آجاتا تھا تو وہ چپ ہو جاتے تھے اور اُس کا ایسا رعب اُن پر چھا جاتا تھا کہ ایک بات بھی ایسی کہ جو اُس سنی کے عقیدے کے خلاف ہوتی تھی نہ فرماتے تھے۔ حقیقت میں یہ سب تہمتیں شیعوں کی اماموں پر ہیں۔ وہ تو نبی زادے اور رسول کے جان و جگر تھے۔ اُن کی رگ رگ میں اُن کے جد کی عادات اور اخلاق کا اثر تھا۔ اُن کی بات بات میں اُن کے نانا کے کلام کا جلوہ ظاہر ہوتا تھا۔ جس طرح اُن کا ظاہری جمال نمونہ پیغمبر صاحب کے حسن کا تھا۔ اسی طرح اُن کے باطنی کمال سے کمالات نبوی کا ظہور ہوتا تھا۔ اُن کا دل اُن کی زبان حضرت پیغمبر خدا علیہ التحیتہ والثنا کے مانند یکساں تھی۔ نفاق اور جوٹھ اور حیلہ اور تقیہ اُن کے کمالات کے حق میں ایک سخت عیب تھا کیونکہ خدا ایسے لوگوں کو جو سراسر نور کے پتلے تھے ایسی کثافتوں سے پاک نہ رکھتا اور کس لئے اُن پاک اماموں کو جو سراپا طہارت کی صورت تھے ایسی نجاستوں سے دور نہ رکھتا۔ اے حضرات شیعہ جن کی شان میں آیۂ تطہیر نازل ہوئی ہو جن کی پاکی پر پاکی نے قسم کھائی ہو۔ جن کی صداقت پر صدق کو ناز ہو۔ جن کی صورت اور سیرت پیغمبر کیسی ہو۔ جن کی گہوارہ جنبانی جبرئیل امین کے تعلق ہو۔ جن کی زیارت کو ملائکہ عرش بریں آتے ہوں۔ جن کے قول و فعل پر دین و مذہب کا مدار ہو۔ اُنہیں پر تم ایسی تہمتیں کرو اور خوف اور جھوٹھ اور حیلے کو اُن پاک اماموں کی طرف نسبت کرو۔ اے بھائیو کیا محبت کے یہی معنی ہیں جو تم رکھتے ہو۔ اگر امامت کی یہی شان ہے تو مسلمانوں کا کیا ذکر ہے۔ گبر و ترسا بھی نفرت کریں گے اور ایسی باتوں کو سن کر الامان الامان پکاریں گے۔ اگر تم کو یہ شبہ ہو کہ ہمارے علما اور محدثین نے ایسی روایتوں کو لکھا ہے۔ اور ایک گروہ نے فقہا کے اُس کو نقل کیا ہے۔ تو یہ شبہہ ذرا سی غور سے رفع ہو سکتا ہے۔ یعنی تم اُن لوگوں کے حالات پر غور کرو۔ جو راوی تمہارے یہاں کی روایتوں کے ہیں۔ اور مدار تمہارے مذہب کے احادیث کا ہے کہ وہ سب کے سب جھوٹے تھے۔ اور امام اُن پر لعنت کیا کرتے تھے۔ کہ اس کو ہم تمہاری ہی کتابوں سے اپنے موقع پر آئندہ ثابت کرینگے تب تم کو معلوم ہوگا کہ امام کا ظاہر باطن ایک تھا۔ جو اُن کے دل میں ہوتا تھا وہی زبان سے ارشاد فرماتے تھے۔ اگر تم ہمارے کہنے کو غلط سمجھو۔ تو اپنے ہی علما کے اقوال پر نظر کرو کہ اُنہوں نے بھی ائمہ کرام کی طرف سے ایسا ہی لکھا ہے۔ اور خود ائمہ کی حدیث کو

لکھ کر اس بات کو صاف کر دیا ہے۔ چنانچہ محدثین شیعہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث میں لکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے فرمایا ہے (لا تذکروا سرنا بخلاف علانیتنا ولا علانیتنا بخلاف سرنا حسبکم ان تقولوا ما نقول وتصمتوا عما نصمت الخ) کہ ہمارا ظاہر و باطن ایک ہے۔ ہمارے باطن کو برخلاف ہمارے ظاہر کے ہرگز نہ کہو اور نہ ہمارے ظاہر کو مخالف باطن کے کہو۔ یہی تمہارے واسطے کافی ہے کہ جو ہم کہتے ہیں وہی تم بھی کہو اور جس سے ہم چپ رہتے ہیں اُس سے تم بھی خاموش رہو۔ پس اے حضرات شیعہ اگر حقیقت میں تم امام کے حکم پر عمل کرتے ہو اور اُن کے کہنے پر چلتے ہو تو اُن کے قول کو سنو اور اُس پر عمل کرو۔ جیسا اُنہوں نے حضرت ابوبکر کو صدیق کہا۔ ویسا ہی تم بھی چپ چاپ صدیق صدیق کہو اور سوائے اس کے وہ بات جس سے امام نے سکوت فرمایا تم بھی اس سے خاموش رہو۔

پانچواں قول۔ بعض حضرات شیعہ یہ فرماتے ہیں کہ امام علیہ السلام ابوبکر کو کس طرح صدیق کہتے۔ اس لئے کہ یہ لقب خاص جناب امیر علیہ السلام کا ہے کہ خود حضرت امیر نے فرمایا ہے (انا الصدیق الاکبر لا یقول بعدی الا کذاب) کہ میں صدیق اکبر ہوں۔ جو کوئی بعد میرے اس لقب کو اپنی نسبت کہے گا وہ جھوٹا ہے۔ لیکن یہ فرمانا بھی حضرات کا ان کے لئے چند دلیلوں سے مفید نہیں۔

(پہلی دلیل) حضرت امیر کے اُس قول سے خود اُن کا جواب ظاہر ہے۔ اس لئے کہ حضرت نے یہ فرمایا کہ بعد میرے کوئی شخص صدیق نہ ہوگا۔ اور جو کوئی اس کا دعوے کرے وہ جھوٹا ہے۔ اور یہ فرمانا دلالت اس پر کرتا ہے کہ حضرت امیر کے پہلے کوئی صدیق گذرا ہے اور وہ کون ہے حضرت ابوبکر صدیق ہیں رضی اللہ تعالٰے عنہ۔

(دوسری دلیل) اگر کوئی شیعہ یہ کہے کہ سوائے حضرت علی کے اُن سے پہلے بھی کوئی صدیق نہیں ہوا۔ تو اس کا جواب ہم اُنہی کی کتابوں سے دے سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ عیون اخبار الرضا وغیرہ کتب حدیث میں اُن کے موجود ہے کہ (ابوذر صدیق ہذہ الامۃ) پس جب ابوذر کی نسبت لفظ صدیق کا مذکور ہے تو تخصیص مرتضوی باقی نہ رہی۔

(تیسری دلیل) یہ امر قابل دیکھنے کے ہے کہ آیا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت علی سے پہلے بہ لقب صدیق کے بین الصحابہ مشہور رہتے یا نہیں اور لوگ حضرت

امیر کے سامنے بلکہ پیغمبر خدا کے روبرو اُن کو صدیق کہتے تھے یا نہیں چنانچہ بلفظہ اس کا ثبوت خود شیعوں کی کتابوں سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک عالم شیعی منہج المقال میں فضیل سے روایت کرتا ہے کہ (قال سمعت اباداؤد یقول حدثنی بریدۃ الاسلمی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یقول ان الجنۃ مشتاق الی ثلثۃ فجاء ابوبکر فقیل لہ یا ابابکر انت الصدیق وانت ثانی اثنین اذھما فی الغار فلو سألت رسول اللہ من ھؤلاء الثلثۃ) کہ بریدۂ اسلمی روایت کرتے ہیں کہ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سُنا کہ حضرت نے فرمایا کہ جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے کہ اس میں ابوبکر آئے لوگوں نے اُن سے کہا کہ اے ابوبکر تم صدیق ہو اور تم ثانی اثنین اذھما فی الغار ہو۔ تم پوچھو حضرت سے۔ کہ وہ تین کون ہیں فقط پس یہ روایت اس امر کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا کے زمانے میں سب اصحاب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو صدیق جانتے تھے۔ اور اسی خطاب سے اُن کو یاد کیا کرتے تھے۔ گویا صدیق اور ثانی اثنین اذھما فی الغار اُن کا خطاب اور لقب ہو گیا تھا۔ اگر کسی شیعہ کو ان روایات سے بھی سیری نہ ہووے۔ اور وہ اس روایت کی تائید امام کے دوسرے قول سے چاہیں اور یہ پوچھیں کہ سوائے اس روایت نعم الصدیق کے اور بھی کبھی کسی امام نے ابوبکر کو صدیق کہا ہے۔ تو اس کا بھی ہم ثبوت دے سکتے ہیں۔ اور جب تک کہ اچھی طرح پر حضرات شیعہ کو اطمینان نہ ہو جائے ہم ان کی تسکین اور تسلی کے واسطے روایت انہی کی کتابوں سے لانے سے باز نہیں رہتے۔ چنانچہ ہم اس کا ثبوت دیتے ہیں کہ اسی کتاب کشف الغمہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک دوسری حدیث موجود ہے۔ جس میں حضرت ابوبکر صدیق کے نام کے ساتھ امام نے صدیق کا لفظ فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ امام فرماتے ہیں (ولدنی ابوبکر الصدیق مرتین) اور طرفہ یہ ہے کہ قاضی نوراللہ شوستری نے اگرچہ پہلی حدیث کے موجود ہونے سے کشف الغمہ میں انکار کیا تھا۔ لیکن اس حدیث کے موجود ہونے پر سکوت ہی فرمایا اور کچھ زبان مبارک سے نہ نکالا اور حقیقت میں کہاں تک تکذیب کرتے اور آفتاب پر کہاں تک خاک ڈالتے۔ آخر انکار کرتے کرتے تھک گئے اور سکوت اختیار کیا۔

اگر اس روایت کے بعد بھی کچھ تنگی باقی رہے تو حضرات شیعہ کو لازم ہے کہ خود جناب امیر علیہ السلام کے اقوال پر نظر کریں اور اُن کی زبان سے حضرت ابوبکر کی نسبت خطاب صدیق

کافی میں احتجاج طبرسی میں علامہ طبرسی سے جو کہ معتمدین علماء شیعہ سے ہیں لکھتے ہیں کہ حضرت امیر فرماتے ہیں کہ (کنا معہ اے مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علے جبل حراء اذ تحرک الجبل فقال لہ قر فانہ لیس علیک الا نبی وصدیق وشہید) کہ ہم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جبل حراء پر تھے کہ یکایک پہاڑ نے حرکت کی۔ تب پیغمبر خدا نے فرمایا کہ قرار پکڑ کوئی نہیں ہے تجھ پر سوائے نبی اور صدیق اور شہید کے اور دیکھنے کتب شیعہ سے ظاہر ہے کہ اس وقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ابوبکر صدیق اور علی مرتضیٰ تھے۔ پس حضرت نے اپنی ذات کے لئے نبی اور حضرت ابوبکر کی نسبت صدیق اور حضرت علی کے حق میں شہید فرمایا۔ اگر کوئی متعصب شیعہ کہے کہ امام کے اقوال سے اگرچہ حضرت ابوبکر کی نسبت لفظ صدیق کا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس میں خیالات استہزاء اور تقیہ وغیرہ کے ہیں۔ اس لئے ان سے خاطر خواہ اطمینان نہیں ہوتا۔ اگر خدا کی کتاب سے ان کی نسبت اس خطاب کا ہونا ثابت کر دیا جائے۔ تو پھر کچھ شبہ نہ رہے چنانچہ ہم ایسے متعصب سخت کی بھی خاطر شکنی گوارا نہیں کرتے اور اس کے (لیطمئن قلبی) کے کہنے پر اس کا ثبوت خدائی کتاب سے بہ تصدیق مفسرین کے پیش کرتے ہیں۔ واضح ہو۔ کہ تفسیر مجمع البیان طبرسی میں جو نہایت معتبرین تفسیر شیعہ سے ہے لکھا ہے کہ (قال اللہ تبارک وتعالے وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ) کہ جو شخص آیا ساتھ صدق کے اور جس نے تصدیق کی اس کی وہی متقی ہیں۔ اس کی تفسیر میں علامہ موصوف لکھتا ہے کہ (قیل الذی جاء بالصدق رسول اللہ وصدق ابو بکر عن ابی العامیۃ والکلینی) کہ جو شخص آیا ساتھ صدق کے اس سے مراد رسول خدا ہیں۔ اور جس نے تصدیق کی ان کی اس سے مراد ابوبکر ہیں فقط اور جس نے پیغمبر خدا کی سچے دل سے سب سے زیادہ تصدیق کی ہو اسی کا لقب صدیق ہے پس بفضلہ تعالے خدا کی کتاب سے بھی ابوبکر صدیق کا صدیق ہونا ثابت ہو گیا (والحمد للہ علی ذلک) اب بھی اگر حضرات شیعہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ کو صدیق نہ جانیں اور باوجود موجود ہونے ثبوت ان کی صدیقیت کے خدا کی کتاب اور رسول کے کلام اور امام کے اقوال سے ان کی صدیقیت کی تصدیق نہ کریں۔ اور خدا کی کتاب اور رسول اور ائمہ کے اقوال سے روگردانی کریں تو اب سوائے اس کے کہ ہم بھی ان کی نسبت وہی کہیں جو امام نے فرمایا ہے کیا چارہ ہے۔ اس لئے ہم اول تو نہایت منت اور

عاجزی سے حضرات شیعہ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں۔ کہ اے بھائیو ابوبکر صدیق کو صدیق سمجھو۔ اُن کو پیغمبر صاحب کا دوست اور ثانی اثنین اذ ہما فی الغار جانو۔ اور جس لقب سے اُن کو ائمہ کرام علیہم السلام نے یاد کیا ہے۔ اُسی لقب سے تم بھی یاد کرو۔ اگر اس پر بھی وہ کچھ نہ سنیں اور اُن کو صدیق نہ کہیں تو ہم پھر امام کی وعید کو انہیں سُنائے دیتے ہیں اور اُن کو رسوائی دنیا و آخرت سے ڈرائے دیتے ہیں کہ ہزار برس پہلے سے امام فرما چکے ہیں۔ (من لم یصدقہ فلا صدق اللّٰہ قولہ فی الدنیا والآخرہ)۔

نویں شہادت بیان حضرت عمرؓ کے نکاح کا ساتھ جناب ام کلثوم کے

یہ بات ازروئے کتب معتبرۂ شیعہ اور اہل سنت کے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ کا نکاح ساتھ حضرت ام کلثوم کے ہوا۔ جو کہ خاص بیٹی حضرت فاطمہ علیہا السلام کی تھیں۔ اس امر کے ثبوت سے چند فائدے ظاہر ہوتے ہیں ؛

اول :۔ اس نکاح سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے۔ کہ باہم حضرت علی اور حضرت عمرؓ فاروق کے کچھ عداوت نہ تھی۔ بلکہ نہایت ہی دوستی تھی۔ اگر دوستی نہ ہوتی تو حضرت علی اپنی بیٹی کا وہ بھی وہ بیٹی جو کہ خاص حضرت فاطمہ کے بطن سے تھیں۔ نکاح حضرت عمرؓ کے ساتھ نہ کرتے اور دشمن کو اپنے خاندان میں نہ لیتے۔

دوسرے :۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کافر یا منافق یا مرتد نہ تھے ورنہ حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا غالب علی کل غالب مطلوب کل طالب مظہر العجائب والغرائب اپنی ایسی پیاری بیٹی کا نکاح اُن کے ساتھ نہ کرتے۔ اور اگر ان کے ایمان اور عبادت اور زہد اور پرہیزگاری پر اطمینان کامل حضرت امیر کو نہ ہوتا۔ تو وہ کبھی ان کو اپنا داماد نہ بناتے ؛

تیسرے :۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کبھی کسی قسم کا رنج اور صدمہ جناب امیر کو یا حضرت فاطمہ علیہا السلام کو نہیں دیا اور کبھی کسی قسم کی دشمنی یا عداوت اُن کے ساتھ نہیں رکھی۔ ورنہ ممکن نہ تھا کہ حضرت امیر ایسے شخص کے ساتھ جس نے ان کو یا حضرت فاطمہ کو رنج دیا ہوتا۔ اس نکاح کا ہونا جائز رکھتے۔

بہرحال یہ امر اخلاص اور اتحاد اور محبت پر باہم جناب امیر اور حضرت عمرؓ کے ایسا

شاہد عادل ہے کہ کسی طرح پر بعد ثبوت اس امر کے شیعوں کی زبان پر عداوت کا نام نہیں آسکتا۔ اور باوجود ہزار سعی باطل کے کوئی عذر و حیلہ اُن کا اس معاملے میں پیش نہیں جاتا۔ کسی معاملے میں ایسے دق اور زچ نہیں ہوئے۔ جیسے کہ اس معاملے میں ہوئے ہیں حقیقت میں یہ بحث لائق غور سے دیکھنے کے ہے کہ حضرات شیعہ نے عبداللہ بن سبا کے زمانے سے لے کر جناب قبلہ و کعبہ کے وقت تک اس معاملے میں کیا کیا رنگ بدلے ہیں اور کیسی کیسی توجیہات لاطائل کی ہیں۔ کسی نے اس نکاح کے ہونے ہی سے انکار کیا ہے۔ کوئی ام کلثوم کے بنت مرتضوی ہونے ہی کا منکر ہوا ہے۔ کسی نے نکاح پر غصب کا اطلاق فرمایا ہے۔ کوئی بعد نکاح کے ہم بستر ہونے سے ساتھ حضرت عمرؓ کے منکر ہوا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ جلیہ بشکل حضرت ام کلثوم کے حضرت عمرؓ کے پاس آتی تھی اور وہ ہمخواب ہوتی تھی۔ کسی نے اس کو جناب امیر کے اعلیٰ درجے کے صبر کا نتیجہ کہا ہے۔ کسی نے اس کو تقیے پر ٹالا ہے۔ بہرحال ہر شخص کا جدا ترانہ اور متنفس کا نیا فسانہ ہے جس کے سننے سے فقط ایک ہمیں محو حیرت نہیں بلکہ اُن کی نغمہ سرائی اور ترانہ سنجی کو سن کر ایک عالم اپنے قابو سے نکلا جاتا ہے اور وجد میں آ کر مرحبا اور احسنت پڑھتا ہے۔ شعر

اک ہم ہی تیری چال سے پستے نہیں صنم　　　پامال کبک بھی تو ہوئے کوہسار میں

اب میں علماء شیعہ کے اقوال مختلفہ کو بیان کرتا ہوں۔

(پہلا قول) بعض متعصب شیعوں نے اس نکاح کے ہونے ہی سے انکار کیا ہے اور اس روایت کو بے اصل محض کہہ کر اپنا دامن چھوڑا یا ہے۔ جیسا کہ مجتہد صاحب قبلہ و کعبہ اپنے ایک رسالے میں لکھتے ہیں (وانتساب تزوج حضرت ام کلثوم با بن الخطاب بہ ثبوت نہ رسیدہ و مثل سید مرتضی کہ قریب العہد از زمان ائمہ معصومین بود و غیر ایشاں انکار بلیغ ازاں نمودہ اند) لیکن یہ دعوئے مجتہد صاحب کا چند دلائل سے غلط معلوم ہوتا ہے۔

(پہلی دلیل) جناب قبلہ و کعبہ کا یہ ارشاد فرمانا کہ جناب سید مرتضیٰ نے جو کہ ائمہ کے زمانے سے قریب تھے۔ نکاح کے ہونے سے انکار کیا ہے صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ سید مرتضی دو ہیں۔ ایک ابو القاسم ثمانینی برادر رضی۔ دوسرا سید مرتضیٰ رازی صاحب تبصرۃ العوام پہلے سید صاحب تو قدمائے متکلمین اور فقہاء شیعہ سے ہیں اور موافق

تحریر شہید ثالث کے جو مجالس المومنین میں کی ہے ۳۵۵ھ سنہ ہجری میں پیدا ہوئے - اور دوسرے میر صاحب اُن سے بہت پیچھے ہوئے ہیں - پس وہ سید مرتضیٰ جن کی نسبت مجتہد صاحب فرماتے ہیں کہ (قریب العہد از زمان ائمہ معصومین بود) منکر روایت نکاح نہیں ہیں - اور اُن کی تالیفات مثل شافی اور تنزیہ الانبیاء والائمہ اس پر شاہد ہیں - معلوم نہیں کہ اُن کی طرف انکار روایت نکاح کو مجتہد صاحب نے کیونکر منسوب فرمایا - اور اگر دوسرے سید مرتضیٰ مراد ہیں اور شاید انہوں نے انکار کیا ہو تو اُن کی نسبت مضمون اس فقرے کا کہ (قریب العہد از زمان معصومین بود) صحیح نہیں ہوتا -

اب ہم اُن سید مرتضیٰ کی تالیفات کو جو کہ زمانہ معصومین کے قریب تھے - مجتہد صاحب کے قول کی تکذیب کے لئے پیش کرتے ہیں - واضح ہو کہ سید صاحب موصوف نے دو کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے - ایک کتاب شافی میں مفصلاً دوسرے تنزیہ الانبیاء والائمہ میں مجملاً چنانچہ ہم ترجمہ اثنا عشریہ سے جو جواب تحفہ کا ہے - ان کے قول کو نقل کرتے ہیں (سید مرتضیٰ علم الہدیٰ در کتاب تنزیہ الانبیاء می فرماید فاما نکاحہ فقد ذکرنا فی کتاب الشافی الجواب عن ہذا الباب مشروحاً و بینا انہ علیہ السلام ما اجاب عمر الی نکاح ابنتہ الا بعد توعد و تہدد و مراجعۃ و منازعۃ و کلام طویل ماثور اشفق معہ من سوء الحال وظہور مالا یزال یخفیہ الخ) یعنی نکاح عمرؓ کا ساتھ ام کلثوم کے جس کو اہل سنت عمرؓ کی فضیلت میں شمار کرتے ہیں جواب ہم نے اپنی کتاب شافی میں بہ تفصیل دیا ہے - اور وہاں ہم نے بیان کیا ہے کہ حضرت امیر نے عقد اپنی بیٹی کا عمر کے ساتھ بہ طیب خاطر قبول نہیں فرمایا - بلکہ یہ عقد بعد اس کے ہوا ہے کہ عمرؓ نے بار بار حضرت امیر سے درخواست کی اور نوبت منازعت اور تخویف و تہدید کی پہنچی - جب حضرت امیر نے دیکھا کہ کار دین و ملت فاش ہوتا ہے - اور دامن تقیہ ہاتھ سے نکلا جاتا ہے اور حضرت عباس نے بھی بخیال فتنہ و فساد کے سمجھایا - تب بلا رضاء اور بغیر اختیار کے جناب امیر نے یہ نکاح کر دیا - فقط اس تحریر کو سید مرتضیٰ کی کوئی شخص جناب قبلہ و کعبہ کی تحریر سے ملاوے اور اس فقرے کو کہ مثل جناب سید مرتضیٰ کہ قریب العہد از زمان ائمہ معصومین بود انکار بلیغ ازان نمودہ تنزیہ الانبیا کی عبارت مذکورہ سے مقابل کر کے جناب اجتہاد مآب کے صداقت کی داد دے - اگر کوئی شخص اس تحریر پر بھی مجتہد صاحب

کی صداقت میں شبہہ نہ کرے تو خود اُن کے والد ماجد کی زبان سے اُن کی تکذیب ہم ثابت کرتے ہیں۔ جناب مولوی سید دلدار علی صاحب قبلہ مواعظ حسنیہ میں فرماتے ہیں کہ سید مرتضیٰ نے فرمایا ہے کہ تزویج ام کلثوم حضرت امیر کے اختیار سے نہیں ہوئی۔ اور بہت سی احادیث اُنہوں نے اس قول کے ثبوت میں بیان کی ہیں۔ اور جبکہ باختیار حضرت امیر کے نکاح کا ہونا ثابت نہیں ہوا۔ تو پھر محل اشکال باقی نہ رہا۔ چنانچہ محصل کلام مواعظ حسنیہ کا کما نقل فی ازالۃ الغین یہ ہے (سید مرتضیٰ گفتہ است کہ تزویج ام کلثوم باختیار حضرت امیر واقع نہ شدہ و احادیث بسیار مؤید قول خود ذکر کردہ وہر گاہ باختیار حضرت امیر واقع نہ شدہ محل اشکال نیست) پس ان تحریرات سے صاف ظاہر ہے کہ بیچارہ سید مرتضیٰ حضرت عمر رض کے نکاح کا منکر نہیں ہے۔ بلکہ اُس کا ہونا قطعی اور یقینی جانتا ہے۔ ہاں اُس کا ہونا بخوشی خاطر جناب امیر کے اور برضامندی اُن کے بیان نہیں کرتا اور یہ امر آخر ہے۔ اور انکار وقوع اصل واقعہ سے دوسرا امر ہے مگر قربان صداقت پر جناب قبلہ وکعبہ کی کہ ایسے دعوے کے کرنے میں جس کا غلط ہونا محتاج بہ بیان نہیں ہے باایں تقدس و اجتہاد کچھ لحاظ و خیال نہ فرمایا۔

غرضیکہ یہ قول مجتہد صاحب کا کہ سید مرتضیٰ نے وقوع نکاح سے انکار کیا ہے۔ خود سید مرتضیٰ کی تحریر سے اور خود اُن کے والد ماجد کی تقریر سے غلط ٹھہرا لیکن یہ قول اُن کا کہ سوائے اُن کے اوروں نے بھی انکار کیا ہے۔ کسی قدر صحیح ہے۔ چنانچہ منجملہ منکرین اس قصہ کے اگلے علماء شیعہ میں سے ایک قطب الاقطاب راوندی مؤلف خرائج وجرائح ہیں کہ اُنہوں نے دعوے کیا ہے کہ اس نکاح کا ہونا پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا چنانچہ اُن کے قول کو جناب مجتہد صاحب قبلہ نے کتاب مواعظ حسنیہ میں نقل کیا ہے۔ اور ترجمہ اُس کا یہ ہے جس کو ہم ازالۃ الغین سے نقل کرتے ہیں (گفت عرض نمودم بجناب حضرت صادق علیہ السلام کہ مخالفین بر ما حجت می آرند و می گویند کہ چرا علی دختر خود را بخلیفۂ ثانی داد۔ پس حضرت صلوات اللہ علیہ کہ تکیہ کردہ نشستہ بودند درست نشستہ فرمودند کہ آیا چنیں حرفہا می گویند۔ بدرستیکہ قومے چنیں زعم می کنند لایہتدون سواء السبیل) لیکن یہ دعوی قطب الاقطاب صاحب کا سراسر باطل ہے۔ اور بروایات ائمۂ کرام نکاح کا ہونا ثابت ہے۔ چنانچہ ہم اُس کو اُن کے کتب احادیث اور فقہ اور

کلام سے ثابت کرتے ہیں۔

ثبوت نکاح حضرت ام کلثوم کا ساتھ حضرت عمر فاروق کے

(پہلا ثبوت) قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں اس نکاح کا اقرار کیا ہے۔ اور ان لفظوں سے اُس کی صحت کو اظہار فرمایا ہے (اگر نبی دختر بہ عثمان داد ولی دختر بہ عمر فرستاد)۔

(دوسرا ثبوت) شرائع جو مشہور کتب فقہیۂ شیعہ سے ہے۔ اس کا شارح ابوالقاسم قمی شرح شرائع میں جس کا نام مسالک ہے۔ صاحب شرائع کے اس قول کے نیچے کہ (یجوز نکاح العربیۃ بالعجمی والہاشمیۃ غیر الہاشمی و بالعکس) فرماتا ہے کہ (زوج علی بنتہ ام کلثوم من عمرؓ) کہ نکاح کیا علی نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا ساتھ عمر کے۔

(تیسرا ثبوت) ابوالحسن علی بن اسماعیل شیعی اثنا عشری جس کی نسبت امام اعظم امامیہ کے خلاصۃ الاقوال میں فرماتے ہیں کہ وہی پہلا شخص ہے۔ جس نے موافق قاعدۂ علماء کلام کے مذہب اہل بیت کے اثبات میں گفتگو کی ہے۔ وہ بھی اس نکاح کے ہونے کا مقر ہے۔ چنانچہ اس کے اس قول کو قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں نقل کیا ہے اور ہم ازالۃ الغین سے اُس کو نقل کرتے ہیں (او را از چند امر پرسیدند کہ ازاں جملہ مقدمۂ نکاح خلیفۂ ثانی ست جواب داد کہ دادن دختر بہ عمر کہ جناب امیر المومنین را اتفاق افتاد باین جہت بود کہ اظہار شہادتین می نمود و زبان اقرار بہ فضیلت رسول می کشود و دراں باب غلظت و فظاظت او نیز مسطور بود)۔

(چوتھا ثبوت) مجالس المومنین میں لکھا ہے کہ بعد وفات حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ کے ام کلثوم کا دوسرا نکاح ساتھ محمد بن جعفر طیار کے ہوا و ہذہ عبارتہ (محمد بن جعفر الطیار بعد از فوت عمر بن خطاب بشرف مصاہرت حضرت امیر المومنین مشرف گشتہ ام۔ کلثوم را کہ از روی اکراہ در حبالۂ عمر بود تزویج نمود)

(پانچواں ثبوت) تہذیب میں جو نہایت معتبر کتاب حدیث کی مذہب امامیہ میں ہے لکھا ہے کہ حضرت عمر کی اولاد ام کلثوم کے بطن سے ہوئی اور ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام زید بن عمر تھا۔ اور یہ روایت بہ سند ائمۂ کرام کے اُس محدث نے بیان کی ہے۔ کما قال

(عن محمد بن احمد بن یحیٰی عن جعفر بن محمد القمی عن القداح جعفر عن ابیہ علیہم السلام قال مات ام کلثوم بنت علی علیہ السلام وابنہا زید بن عمر الخطاب فی ساعۃ واحدۃ ولا یدری ایہما ہلک قبل فلم تورث احدہما من الآخر وصلی علیہما جمیعا)۔

(چھٹا ثبوت) قول سید مرتضیٰ کا جو شافی اور تنزیہ الانبیاء میں لکھا ہے اور جس کو کشمیری نے اپنی کتاب نزہہ میں بجواب تحفہ کے اور مجتہد صاحب نے مواعظ حسنیہ میں نقل کیا ہے اور جس کو ہم اُوپر بیان کر چکے (انہ علیہ السلام ما اجاب عمر الی نکاح ابنتہ الا بعد توعد و تہدد الخ)

(ساتواں ثبوت) کتاب کافی میں ملا یعقوب کلینی لکھتے ہیں کہ کسی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس نکاح کا حال پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ (ہو اوّل فرج غصبتہ منا) کہ یہ پہلی شرمگاہ ہے جو ہم اہل بیت میں سے غصب کی گئی ہے۔

(آٹھواں ثبوت) مصائب النواصب میں لکھا ہے کہ محدثین کا اقرار ہے۔ کہ یہ نکاح جبر اور اکراہ سے ہوا۔ غرضکہ روایت نکاح حضرت ام کلثوم شیعہ کی کتب احادیث اور اخبار اور فقہ اور کلام میں اس کثرت سے مذکور ہیں کہ کسی طرح پر اُس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اور ایسی متواتر خبر کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ اہل انصاف اس فرقے کے تعصب و عناد کو دیکھیں اور اُن کی کج مج بیانی کو ملاحظہ فرماویں کہ باوجودیکہ خود ہی ائمہ کرام علیہم السلام سے اس روایت کی صحت کا اقرار کریں اور اپنی احادیث کی کتابوں میں مسنداً اس کو روایت کریں۔ اور اپنے فقہی مسائل کا اس سے استخراج فرماویں اور نہ ایک شخص بلکہ خلفاً عن سلف و اباً عن جد بطور میراث کے اس روایت کی صحت بہ سند صحیح نقل کرتے آویں۔ اور اُس کی توجیہات سے سینکڑوں ورق سیاہ کریں اور پھر بھی بعض حضرات غیرت اور انصاف کو چھوڑ کر بے ساختہ اس روایت کے غلط ہونے کا دعوٰی کریں اور اصل واقعہ کے منکر ہو جاویں اور یہ نہ خیال کریں کہ اگر ایک دن یا ایک ہفتہ یا ایک مہینہ حضرت ام کلثوم نکاح میں حضرت عمر کے رہتیں اور کسی کو خبر نہ ہوتی اور اُس کی شہرت بدرجۂ تواتر نہ پہنچتی۔ تو شاید کوئی موقع انکار یا تکذیب کا ہوتا۔ لیکن سالہا سال حضرت ام کلثوم زینت افزای خانۂ فاروق ہوئی ہوں۔ اور تا حیات اُن کے نکاح میں رہی ہوں۔ اور اُن سے اولاد بھی ہوئی ہو۔ اور اُن کے نام بھی

زید بن عمر خطاب رکھا گیا ہو۔ اور بعد حضرت عمر کے مرنے کے اُن کا نکاح جعفر طیار سے ہوا ہو۔ تو ایسے متواتر اخبار کو کون چھپا سکتا ہے۔ اور آفتاب روشن کو کفِ دست سے کون پوشیدہ کرسکتا ہے۔ ہم نے یہ جو کچھ بیان کیا۔ اس میں نہ اپنے عالموں کے اقوال کو نقل کیا ہے نہ اپنی کتابوں سے سند لائے ہیں۔ جو کچھ حضرات شیعہ نے فرمایا اور جو کچھ اُن کے محدثین اور علماء نے تحریر کیا وہی ہم نے نقل کیا۔ اور اسی سے ثبوت نکاح کا دیا۔ پس اگر باوجود اس ثبوت کے بھی کوئی اس نکاح سے انکار کرے تو وہ تواتر کا منکر ہے۔ (دوسرا قول) جب کہ علماء اعلام شیعہ نے دیکھا۔ کہ انکار کرنا اس روایت سے آفتاب پر خاک ڈالنا ہے۔ اور اس کو غلط اور جھوٹھ کہنا مقولۂ (دروغ گویم بروئ تو) پر عمل کرنا ہے۔ اس لئے اُس کی توجیہ پر توجہ فرمائی۔ اور دوسرے طور سے اس فضیلت کے ابطال پر کمرِ ہمت باندھی۔ اگرچہ اُن بزرگوں نے نہایت ہی سعی و کوشش کی اور ہر طرح کی توجیہ اور تاویل فرمائی۔ لیکن اُس سے بجائے فائدے کے نقصان ہی ہوتا گیا۔ اور بعوض قائم رہنے اصول مذہب تشیع کے اُس میں خلل ہی بڑھتا گیا۔ کاش وہ انکار ہی کرتے جاتے۔ اور گو اُن کے محدثین و علماء جھوٹھے ہوتے بلا سے۔ مگر کبھی اُس کی صحت کا اقرار نہ فرماتے تو بہتر ہوتا۔ اس لئے کہ جو توجیہات اس نکاح کے معاملے میں کی گئی ہیں۔ اُن کے دیکھنے سے ہر شخص مذہب تشیع سے نفرت کرتا ہے۔ اور اُن کے سننے سے ہر مسلمان کے دل میں ایک جوش غیرت کا پیدا ہوتا ہے۔ اور طرفہ یہ ہے کہ جتنی زیادہ توجیہات کرتے ہیں۔ اور جس قدر زیادہ تاویلات بیان فرماتے ہیں اُن سے اُنہی کے اصول و عقائد کی برائی کا اور ثبوت ہوتا جاتا ہے۔ شعر

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی	مریضِ عشق پر رحمت خدا کی

اور زیادہ تر تعجب اس پر ہے کہ باوجود اس کے کہ خود اُن کے دلوں میں یقین اس کا ہے کہ یہ توجیہات باطل اور تاویلات لاطائل اُن کے دین کی برائی ثابت کرنے والے اور لوگوں کو اُن کے مذہب سے نفرت دلانے والے ہیں۔ مگر بایں ہمہ علم و فضل اُس سے باز نہیں رہتے۔ اور بایں تقدس و اجتہاد ہل من مزید ہل من مزید کہہ کر اور بڑھاتے جاتے ہیں اور اپنے معائب کو ظاہر کرتے جاتے ہیں۔ ہم کو اُن کے علماء اور فضلاء کی تقریروں اور تحریروں کو دیکھ کر نہایت ہی حیرت ہوتی ہے۔ کہ بار خدایا اُن کی عقل پر

کیسا پردہ پڑ گیا۔ اُن کے حیا و غیرت کو کون لے گیا۔ کہ ایسے بے غیرتی کے کلمات زبان پر لانے سے شرم نہیں کرتے۔ اور ایسی عار و ننگ کی باتوں کو ائمہ کی طرف منسوب کرنے سے لحاظ نہیں فرماتے۔ دین محمدی کو تو خراب ہی کر چکے۔ مذہب اسلام کو بھی بگاڑ چکے۔ اصحاب نبوی کو بھی کافر اور منافق کہہ چکے ایک اہل بیت رہ گئے تھے۔ جن کی مزید محبت کا دعوےٰ کرتے تھے۔ جن کے فضائل کا اقرار فرماتے تھے۔ اس کو بھی در پردہ کھو دیا اُن کے فضائل کو بھی ایسی بے غیرتی کے کلمات کو اُن کی طرف منسوب کر کے معائب سے بدل دیا۔ اور یہ سب کچھ تو کر چکے اور ہنوز ایمان کے دعوے میں ثابت قدم ہیں۔ معلوم نہیں کہ ان کا ایمان اور محبت کیا کیا نتیجے دکھلائے گی۔ **شعر**

دل بردی و دین و جان شیرین	دین طرفہ کہ باز در کمینے

اب ہم اس قول کو بیان کرتے ہیں۔ جو حضرات شیعہ نے بعد قبول کرنے صحت نکاح کے ارشاد فرمایا ہے۔ اور اُس کو ائمہ کرام کی طرف (وحاشاجنابہم عن ذلک) منسوب کیا ہے۔ وہ قول یہ ہے کہ حضرات فرماتے ہیں کہ نکاح ام کلثوم کا ساتھ حضرت عمر رض کے جناب امیر کی رضا اور خوشی سے نہیں ہوا۔ بلکہ عمر فاروق نے جناب امیر کو تنگ کیا اور اُن کو ڈرایا۔ اور ہر قسم کا خوف دیا۔ اور اُن پر نہایت درجہ تشدد کیا۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ نوبت خونریزی کی پہنچے۔ تب حضرت عباس پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا کے چچا نے حضرت امیر علیہ السلام کو دبا کر بخیال نہ ہونے فتنہ و فساد کے یہ نکاح کر دیا۔ پس اس نکاح سے برائی عمر کی ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس قول کے ثبوت میں ہم چند سندیں علماء شیعہ کی بیان کرتے ہیں۔

(پہلی سند) سید مرتضی علم الہدیٰ کتاب تنزیہ الانبیاء میں فرماتے ہیں (فاما انکاحہ فقد ذکرنا فی کتاب الشافی الجواب عن ہذا الباب الخ) یعنی حضرت امیر علیہ السلام نے اپنی بیٹی کا نکاح ساتھ عمر کے منظور نہیں کیا۔ مگر بعد اس کے کہ عمر نے ان کو دق کیا اور ڈرایا اور جھگڑا مچایا۔ جب حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے دیکھا کہ فتنہ و فساد ہوا چاہتا ہے۔ تب حضرت امیر سے اس کام کو اپنے اختیار میں لے لیا۔ اور ام کلثوم کا نکاح ساتھ عمر کے کر دیا اور یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ شرع میں ہرگز ممنوع نہیں ہے کہ بجبر و اکراہ لڑکی کا نکاح اُس شخص کے ساتھ کر دیا جاوے۔ جس کے ساتھ حالت اختیار میں جائز نہ ہوتا۔

خصوصاً عمر جیسے آدمی کے ساتھ کہ وہ اسلام بھی ظاہر کرتا تھا اور تمام شریعت کا پابند تھا۔

(دوسری سند) مواعظ حسنیہ میں مجتہد صاحب فرماتے ہیں کما نقل فی ازالۃ الغین (کہ تزویج ام کلثوم باختیار حضرت امیر واقع نہ شد الی قولہ بالفرض اگر باختیار ہم باشد عقل این راقبیح نمی داند۔ کہ نکاح با مخالفین جائز باشد بلکہ عقل تجویز می کند۔ کہ حضرت حق تعالٰے مباح سازد برای ما نکاح کردن را با کفار چہ قباحت۔ نکاح با کفار عقلے نیست مثل قباحت ظلم و قتل و امثال آن وچہ گونہ عقلے باشد و حالانکہ معلوم ست۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دختر خود را با کفار تزویج کردہ ہر گاہ حقیقت حال چنیں باشد پس چہ قباحت ست درینکہ جناب امیر علیہ السلام تزویج نمایند دختر خود را با کسے کہ بظاہر مسلمان باشد)

(تیسری سند) قاضی نور اللہ شوستری مصائب النواصب میں لکھتے ہیں کہ صاحب استغاثہ فرماتے ہیں کہ ایک مخالف نے پوچھا کہ کیا سبب ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنی بیٹی کا نکاح عمر بن خطاب سے کر دیا۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم کو خبر دی ہے۔ ایک جماعت نے ہمارے مشائخ ثقات سے جن میں سے جعفر بن محمد بن ملک کوفی ہیں۔ انہوں نے اد بن فضل سے انہوں نے محمد بن ابی عمیر سے انہوں نے عبد اللہ بن سنان سے کہ میں نے سوال کیا امام جعفر سے بابت نکاح ام کلثوم انہوں نے جواب دیا کہ (ہو اول فرج غصبت منا) کہ یہ پہلی فرج ہے جو ہم سے غصب کی گئی ہے۔ اور یہ خبر مطابق اس خبر کے ہے۔ جس کو ہمارے مشائخ نے بابت نکاح ام کلثوم کے ساتھ عمر کے روایت کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ عمر نے عباس کو حضرت علی علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ اور درخواست کی۔ کہ نکاح ام کلثوم کا اُن کے ساتھ کر دیا جاوے۔ حضرت امیر نے انکار کیا۔ جب حضرت عباس یہ خبر عمر کے پاس لائے۔ تب عمر نے کہا۔ کہ اگر علی میرے ساتھ نکاح اپنی بیٹی کا نہ کر دیں گے تو اُن کو قتل کروں گا۔ تب پھر حضرت عباس حضرت علی کے پاس آئے۔ اُنہوں نے تب بھی انکار کیا۔ یہاں تک کہ آخر حضرت عباس نے حضرت علی سے کہا کہ اگر تم نکاح نہیں کرتے ہو۔ میں کئے دیتا ہوں اور تم کو قسم دیتا ہوں کہ میرے قول و فعل کے خلاف نہ کرنا۔ اور یہ کہ کر حضرت عباس عمر رض کے پاس گئے۔ اور کہا کہ نکاح

تمہارا ام کلثوم کے ساتھ ہوا جاتا ہے۔ پس عمر رض نے آدمیوں کو جمع کیا اور کہا کہ یہ عباس چچا علی کے ہیں اور علی نے اپنی بیٹی ام کلثوم پر ان کو اختیار دیا ہے اور ان کے نکاح کر دینے کو ساتھ میرے اجازت دی ہے۔ پس حضرت عباس نے نکاح ام کلثوم کا ساتھ عمر رض کے کر دیا اور بعد تھوڑی مدت کے ان کو عمر کے گھر بھیج دیا۔ فقط۔ اس روایت کو لکھ کر قاضی صاحب اسی کتاب میں فرماتے ہیں کہ اصحاب حدیث اس روایت کو قبول نہیں کرتے۔ لیکن اس میں خلاف نہیں ہے درمیان ان کے کہ عباس نے ام کلثوم کا نکاح ساتھ عمر رض کے کر دیا۔ بعد بہت سے جھگڑے قصے کے پس میں کہتا ہوں کہ جس کسی نے اس حکایت سے انکار کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عباس نے ام کلثوم کا نکاح ساتھ عمر کے نہیں کیا۔ مگر بہ سبب اس کے کہ جس کو ہمارے مشائخ نے روایت کیا ہے اور وہ مطابق اس روایت کے ہے۔ جو کہ امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت امام نے فرمایا (ہو اول فرج غصبت منا) کہ یہ پہلی شرم گاہ ہے جو ہم سے غصب کی گئی[1]۔

[1] یہ ترجمہ اردو ہے قاضی نور اللہ شوستری کے کلام کا اور ترجمہ فارسی اس کا علے ما ہو مذکور فی ازالۃ الغین یہ ہے۔ وصاحب استغاثۃ گفتہ کہ قائلی از اہل خلاف گفتہ کہ علت چیست در تزویج امیر المومنین علیہ السلام ابنۃ خود را بہ عمر بن الخطاب و ما می گوئیم کہ خبر دادہ اند مارا جماعتے از مشائخ ثقات ما از ایشان جعفر بن محمد بن مالک کوفی ست از احمد بن فضل از محمد بن ابی عمیر از عبد اللہ بن سنان گفت سوال کردم جعفر بن محمد صادق را علیہ السلام از تزویج عمر از ام کلثوم پس گفت این اول فرجی ست کہ غصب کردہ شد از ما و این خبر مشاکل آن خبر ست کہ روایت کردہ اند آنرا مشائخ ما در تزویج عمر از ام کلثوم و آن اینست کہ در خبر ست کہ عمر عباس را نزد علی فرستاد و سوال کرد کہ تزویج کند ام کلثوم با و پس آنحضرت امتناع کرد و چون عباس بازگشت و خبر امتناع علی علیہ السلام بہ عمر رسانید پس عمر گفت ای عباس آیا تانف می کند علی از تزویج من واللہ اگر تزویج نہ کند اور اخواہم کشت۔ پس عباس باز آمد بسوئے علی و آن حضرت در مقام امتناع استاد پس خبر داد عباس عمر را او گفت اے عباس حاضر شو روز جمعہ در مسجد و قریب بہ منبر باش و بشنو آنچہ مذکور خواہد شد۔ پس خواہی دانست کہ من قادرم بر قتل او اگر ارادہ کنم پس حاضر شد عباس در مسجد چون عمر فارغ از خطبہ شد گفت اے مردم در ینجا مردی از اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہست کہ زنا کردہ و او محصن ست

الحاصل ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی نے اپنی خوشی سے نکاح نہیں کیا۔ بلکہ حضرت عباس نے یہ زبردستی نکاح کر دیا۔ لیکن یہ قول باطل ہے چند دلیلوں سے ÷

(پہلی دلیل) اگر ہم تسلیم کریں کہ حضرت علی نے خود نکاح نہیں کیا۔ بلکہ حضرت عباس کو اختیار دے دیا اور انہوں نے نکاح کر دیا۔ لیکن اس سے اصل نکاح کے ہونے میں کچھ شبہ نہ رہا۔ اگر حضرت امیر ام کلثوم کے باپ تھے۔ تو حضرت عباس بھی ام کلثوم کے دادا ہوتے تھے۔ اگر باپ نے نکاح نہ کیا نہ سہی ان کی اجازت سے دادا نے نکاح کر دیا۔ اصل مطلب جو ہم ثابت کرتے ہیں وہ ثابت ہو گیا۔

(دوسری دلیل) حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ لائق زوجیت ام کلثوم کے تھے یا نہ تھے اگر لائق زوجیت کے نہ تھے تو حضرت عباس پر جو کہ حضرت علی مرتضیٰ جناب سید الانبیاء کے چچا تھے اُن پر معاذ اللہ سخت الزام عائد ہوتا ہے کہ انہوں نے فاطمہ کی بیٹی پیغمبر خدا کی نواسی کا نکاح ساتھ ایسے شخص کے کر دیا جو کہ صلاحیت زوجیت کی نہیں رکھتا تھا اور جو ایمان اور زہد و تقوی سے بھی بری تھا۔ پس جو الزام حضرت علی کی ذات پر (وحاشا جنابہ من ذلک) موافق اصول شیعہ کے ہوتا ہے۔ وہی حضرت عباس اُن کے چچا پر ہوگا۔

(تیسری دلیل) وکیل اور مختار ہونا حضرت عباس کا حضرت علی کی طرف سے معاملہ تزویج میں ان روایات سے بھی ثابت ہوتا ہے پس شرعاً و عرفاً فعل وکیل عین فعل موکل ہے اس لئے جو فعل حضرت عباس کا ہے وہی فعل حضرت علی کا سمجھنا چاہیئے۔ پس گو یہ نکاح

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۷۔ ومطلع شدہ بران امیر المومنین تنہا شما درین باب چہ می گوید پس مردم از ہر جانب گفتند کہ ہرگاہ امیر المومنین اطلاع یافتہ باشد چہ حاجت ست کہ مطلع شود بران غیر او باید کہ امضا کند، حکم خدا را در و چون از مسجد باز آمد بعباس گفت برو نزد علی و معلوم او کن انچہ شنیدی پس واللہ اگر نہ کند من می کنم پس عباس نزد علی رفت وانچہ شنیدہ بود بسمع آن حضرت رسانید علی فرمود من می دانم کہ این نزد او آسان ست و من نیستم۔ کہ بحکم انچہ والتماس می کند پس عباس گفت اگر نمی کنی من می کنم و قسم می دہم ترا کہ مخالفت قول و فعل ما ننمائی۔ پس عباس نزد عمر رفت وگفت کہ می کند انچہ ارادہ کردۂ پس جمع کرد عمر مردم را وگفت این عباس عم علی ابن ابی طالب ست و او امر انبتہ خود ام کلثوم را باو راجع کردہ و امر کردہ او را کہ تزویج کند از برای من۔ پس تزویج نمود عباس و بعد از اندک مدتے نزد عمر فرستاد و اصحاب حدیث این روایت را قبول نہ کردہ لیکن خلافی

حضرت عباس نے کر دیا ہو۔ مگر جب کہ وہ وکیل اور مختار جناب امیر کے ہوئے تو یہ نکاح باجازت جناب امیر کی سمجھنا چاہیئے۔ اور اگر حضرت علی نے حضرت عباس کو اجازت نہیں دی اور وکیل نہیں بنایا۔ تو بلا اجازت اُن کے حضرت عباس کا وکیل اور مختار ہونا جائز نہ ٹھہرا۔ اور اس سے سخت الزام حضرت عباس پر آتا ہے۔ اور غصب کرنے میں معین اور مددگار ہونا اُن کا ثابت ہوتا ہے۔ اور پھر نکاح کا ہونا بلا اجازت ولی کے لازم آتا ہے اور اس کا عدم جواز شرعاً و عرفاً ظاہر ہے۔ اور اس سے جو کچھ نتیجہ حاصل ہوتا ہے وہ عقلا کو معلوم ہے۔ خدا حضرات شیعہ کو ذرا عقل و انصاف عطا فرماوے اور تھوڑی سی غیرت اور شرم عنایت کرے کہ وہ ان اقوال کے نتائج پر غور کریں۔ اور جو جو خرابیاں اُن میں ہیں اُن پر نظر فرماویں۔ بار خدایا یہ کیسے دوست اہل بیت کے ہیں۔ اور اُن کی فضیلت اور بزرگی کے کیسے قائل ہیں کہ ایسی باتیں اُن کی طرف منسوب کرتے ہیں اور محبت کے پردے میں اُن کی برائیاں بیان کرتے ہیں۔ خدا کے لئے کوئی انصاف کی آنکھ کھول کر دیکھے کہ وہ کیا کیا تہمتیں ائمہ کے اوپر کرتے ہیں اور ذرا گوش ہوش سے پنبۂ غفلت نکال کر سُنے کہ یہ حضرات کیسی برائیاں اہل بیت اطہار کی بیان کرتے ہیں (نعوذ باللہ من ہفواتہم ومن سوء عقیدتہم اللہم احفظنا من شرور انفسہم ومن سیئات اعمالہم)۔

(چوتھی دلیل) اگر ہم تسلیم کریں کہ حضرت علی دل سے راضی نہ تھے کہ نکاح ہووے لیکن حضرت عباس کے سمجھانے سے راضی ہوئے۔ اور وہ رضامندی بھی کچھ خوشی سے نہ تھی بلکہ مجبوری سے تو اس سے بھی وہی الزام حضرت علی پر عائد ہوتا ہے۔ جس کے بچانے کے لئے یہ بناوٹ کی گئی ہے۔ یعنی خوف سے جان کے حضرت عباس کے کہنے کو بہ مجبوری قبول کر لیا اور جان بچانے کے لئے عزت دینا گوارا فرمایا۔ (و نعوذ باللہ من ذلک) اور اگر خوف جان نہ تھا تو ایسے معاملے میں جس میں عزت و آبرو کی ہتک ہووے اور جس سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۸: نیست میان الشان در دین کہ عباس تزویج نمودہ ام کلثوم را بہ عمر بعد از طول مطالبۂ و مدافعہ پس می گویم کسے را کہ انکار کردہ این حکایت را از فعل عمر آنکہ تزویج عباس ام کلثوم را نبود مگر از جہت چیزے کہ روایت کردہ اند از مشائخ ما چنانچہ حکایت کردیم و این مشاکل روایتی ست کہ از صادق علیہ السلام کردہ اند کہ گفتہ کہ این اول فرجی ست کہ از ما غصب کردہ اند ۱۲

خاندان اہل بیت کو بٹہ لگے کہنا حضرت عباس کا ماننا ضرور نہ تھا۔ بلکہ لازم تھا۔ کہ اپنے انکار پر اصرار فرماتے اور ہزار عباس سمجھاتے ایک بات بھی اُن کی نہ سنتے بلکہ صاف کہتے کہ چچا تم کو بایں بزرگی کیا ہوا ہے جو ایسی سفارش کرتے ہو اور ہمیشہ کے لئے اہل بیت اطہار میں داغ لگاتے ہو۔ عمر ایک کافر یا منافق یا مرتد یا غاصب یا خائن ہے۔ کیونکر مجھ سے ہو سکتا ہے کہ اپنی بیٹی وہ بھی فاطمہ کے بطن سے جس کی اولاد کو پیغمبر خدا نے اپنی اولاد فرمایا ہے اور جس کے بیٹوں بیٹیوں کو سرور انبیا نے اپنا بیٹا بیٹی کہا ہے۔ ایک کافر یا منافق کو دے دوں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فاطمۂ زہرا کی روح کو ایذا دوں۔ اور اگر عمر فاروق نہ مانتے اور جبر کرنے ہی پر آمادہ ہوتے تو لازم تھا کہ اسد اللّٰہی دکھلاتے۔ ذوالفقار کو میان سے باہر نکالتے۔ عرش سے اُتری ہوئی تلوار کے جوہر دکھلاتے مرحب و انتر کی طرح غصب کرنے والوں کے ایک ایک وار میں دو دو ٹکڑے کرتے۔ آخر وہ تلوار جس نے جبریل امین کے پر کاٹے اور وہ ذوالفقار جس نے جعفر جنی کے دو ٹکڑے کئے کس دن کے لئے تھی اور وہ شجاعت و مردانگی جو بدر و حنین میں کفار کو دکھلائی۔ اور وہ قوت جو جنگ خیبر میں ظاہر فرمائی۔ کس روز کے واسطے رکھ چھوڑی تھی برائے خدا کوئی اس عقل کے دشمن فرقے سے پوچھے کہ اس سے زیادہ شیر خدا کے حق میں دوسری ہتک اور بے حرمتی کی بات کیا ہوگی۔ کہ اُن کی بنات طیبات کو بجبر و اکراہ کافر و فاسق لینے پر مستعد ہوں۔ اور شیر خدا سرور اولیا سند الاصفیا سید اوصیا اسد اللہ الغالب امام المشارق والمغارب امیر المومنین علی بن ابی طالب کافروں کے قتل کرنے والے۔ خیبر کے فتح کرنے والے دشمنوں کے ایک نگاہ میں ہلاک کرنے والے ہزار جنوں کو ایک دو دستی میں زیر و زبر کرنے والے جن کی ذات خدا کی قدرت کی نشانی جن کا وجود اللہ کے جلال و عظمت کا نمونہ جن کے نام سے کفار عجم لرزاں۔ جن کی صورت سے شجاعان عرب ترساں کیسے علی خدا کے شیر رسول کے بھائی بتول کے شوہر نامدار حسنین کے پدر بزرگوار

وصیٔ نبی جفت پاک بتول　　فروزندۂ شمع دین رسول　　فشانندۂ جان براہ خدا

نمایندۂ کفر از دین جدا　　در آرندۂ عمرو مرحب زپای　　بر آرندۂ باب خیبر زجای

ٰ حملۂ حیدری جلد اول مطبع سلطانی صفحہ ۵۔ سطر ۳۔ مطبوعہ ۱۲۶۷ھ ہجری

رہانندۂ موسیٰ از رود نیل	دمانندۂ گل ز نار خلیل	بساحل رسانندۂ فلک نوح
کشایندۂ بابہاے فتوح	ہوا خواہ او جبرئیل امین	بفرمان او آسمان و زمین
نہ کس جز نبی ہم ترازوے او	قوی دست قدرت ز بازوی او	

باین ہمہ شجاعت و ہیبت اور باین جلال و عظمت ایک عمرؓ کے ڈرانے سے ڈر جاویں اور کچھ چون وچرا نہ کریں۔ اور عار و ننگ کو اپنے اوپر گوارا کرلیں اور بلا رضامندی اپنے اُس کے گھر اپنی بیٹی لختِ جگر نور نظر کو جانے دیں۔ تف ایسے عقیدے پر اور نفرین ایسی تہمت پر شعر

(پانچویں دلیل) دیکھنے سے کتب معتبرۂ شیعہ کے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ صلاحیت وکالت جناب امیر کی نہ رکھتے تھے۔ کیونکہ وہ حضرت علی کے نزدیک خوار و ذلیل تھے۔ اگرچہ ہمارا یہ لکھنا حضرات شیعہ کو ناگوار گذرے گا۔ اور ناواقفوں کو باعثِ حیرت و تعجب ہوگا۔ لیکن ہمارا قصور نہیں ہے۔ ہم یا ہمارے علماء معاذ اللہ اُن کی نسبت ایسا نہیں کہتے۔ بلکہ حضرات شیعہ کے محدثین اور مجتہدین اُن کا حضرت علی کے نزدیک خوار و ذلیل ہونا بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ علامۂ طبرسی علما شیعہ سے اپنی کتاب احتجاج میں حضرت علی مرتضیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ (ذہب من کنت اعتضد بہم علی دین اللہ من اہل بیتی و لقیت بین حضرین قریبتی العہد بجاہلیۃ عقیل و عباس) کہ وہ لوگ میرے اہلِ بیت کے جاتے رہے۔ جن کی قوت کا خدا کے دین میں مجھے بھروسا تھا۔ اور اب صرف دو خوار و ذلیل قریب زمانۂ جاہلیت کے رہ گئے ہیں۔ یعنی عقیل اور عباس پس حضرت علی اُن کو خوار و ذلیل گنتے اور نادان کو جاہل سمجھتے تو کیونکر اُن کو اپنا وکیل ایسے اہم معاملے میں کرتے اور کس لئے اُن کی بات ایسے بڑے معاملے میں سنتے۔ اور کیوں اُن کے کہنے پر چلتے۔ شاید حضرات شیعہ نے اسی واسطے ایسی ذلت کی باتیں کیا کرتے۔ مگر تعجب ہے حضرت امیر علیہ السلام سے کہ اُنہوں نے ایسی ذلیلوں کی بات کیوں سنی اور کیوں اُن کے کہنے پر عمل فرمایا۔ اور یہ کوئی شیعہ خیال نہ کرے کہ فقط خوار و ذلیل کہ دینے پر جناب امیر نے قناعت کی ہے۔ بلکہ اگر اُن کی کتب معتبرہ سے ڈھونڈھا جاوے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر نے اپنے اور پیغمبر کے چچا عباس کو صاف گالیاں سنائی ہیں اور معاذ اللہ معاذ اللہ توبہ توبہ نقل کفر کفر نہ باشد۔ جناب امیر نے حضرت عباس کو

ولد الزنا بتایا ہے - اگر کسی کو شک ہووے - وہ روضۂ کلینی اور حیوۃ القلوب کو ملاحظہ کرے -

مولانا و بالفضل اولانا مولوی علی بخش خاں صاحب اپنے ایک رسالے میں اُس کی نقل کرتے ہیں - اس سے ہم منتخب کرکے مشتاقین کو سناتے ہیں وہ ہو ہذہ ملا باقر مجلسی نے حیوۃ القلوب میں لکھا ہے (کہ ابو جعفر طوسی بہ سند معتبر روایت کردہ از امام صادق کہ نفیسلہ مادر عباس کنیز مادر زبیر با عبد المطلب دعوے کرد و بہ پرخاش برآمد کہ این کنیز از مادر ما بمامیراث رسیدہ است تو بی رخصت او با او مقارنت کردی و این فرزندی کہ بہم رسید یعنی عباس بندۂ ماست - پس عبد المطلب اکابر قریش را بہ شفاعت نزد وے فرستاد کہ تا آنکہ زبیر راضی شد کہ دست از عباس بردارد - بشرطیکہ نامہ نوشتہ شود کہ عباس فرزند نفیسہ در مجلسی کہ ما و فرزندان ما نشستہ باشند نہ نشنید و در ہیچ امری با ما شریک نشود و حقہ نہ برد - پس باین مضمون نامہ نوشتہ شد و اکابر قریش مہر کردند و این نامہ نزد ائمہ علیہم السلام بود) پس اس روایت سے صاف ثابت ہوا کہ حضرت عباس معاذ اللہ کنیزک زادے اور توبہ توبہ ولد الزنا تھے اور اُن کی کنیزک زادگی وغیرہ کی سند مہری دستخطی آئمہ کے پاس موجود تھی - شاید اسی سبب سے حضرت عباس نے حضرت علی کو ایسا ذلیل کیا کہ اُن کی بیٹی ام کلثوم کا بہ جبر و اکراہ نکاح عمر رضہ کے ساتھ کر دیا - اور جب کہ بروایت اہل تشیع حضرت عباس کی نسبت ولد الزنا ہونا (وحاشا جنابہ عن ذلک) ثابت ہوا تو لامحالہ اُن کا دشمن اہل بیت ہونا بھی لازم ہوا - اس لئے کہ ہزارہا احادیث اور اقوال سے ثابت ہے - کہ نہ ولد الزنا کا کوئی عمل مقبول ہے نہ وہ کبھی دوستی ساتھ اہل بیت کے رکھے گا - کہ اس کو ہم بحار الانوار اور علل الشرائع اور احتجاج طبرسی اور تالیفات قاضی نور اللہ شوستری سے آیندہ ثابت کریں گے - انشاء اللہ تعالے لیکن یہ بات ایسی مشہور ہے کہ عوام و خواص مومنین اس سے واقف ہیں - اُن کے بچوں کی زبان پر یہی کلمہ جاری ہے - کما قال قائلہم - **شعر**

محبت شہ مردان مجوز بے پدری   کہ دست غیر گرفتہ است پای مادر او

کوئی صاحب مومنین سے یہ شبہ نہ کریں کہ یہی ایک روایت حضرت عباس کی نسبت ہوگی بلکہ علاوہ اس کے بہت سے احادیث و اخبار اُن کی شان میں موجود ہیں - چنانچہ ملا

باقر مجلسی حیوۃ القلوب میں بہ سند معتبر فرماتے ہیں (کہ حضرت امام زین العابدین فرمود کہ در حق عبداللہ بن عباس و پدرش این آیہ نازل شد من کان فی ہذہ اعمے فہو فی الآخرۃ اعمی) پس اب تو صاف باپ بیٹے دونوں کا دنیا و عاقبت میں اندھا ہونا اُن کی کتابوں سے نکل آیا بلکہ خدا کی شہادت سے اُن دونوں یعنی عباس اور اُن کے بیٹے عبداللہ کا اعمی اور بے بصیرت ہونا ثابت ہو گیا۔ استغفر اللہ استغفر اللہ تشیع بھی عجیب مذہب ہے جس کے تیر ملامت سے کوئی نہیں بچا۔ اصحاب کو تو کافر اور منافق پہلے ہی بنا چکے اہلِ بیت رہ گئے تھے۔ وہ بھی لعن و طعن سے نہ بچے۔ خدایا تشیع دین و مذہب ہے یا الحاد و زندقہ ہے۔ جس کے بانی نہ رسول کا خیال کرتے ہیں نہ اہل بیت کا لحاظ رکھتے ہیں۔ نہ اصحاب کو برا بھلا کہنے سے چھوڑتے ہیں۔ نہ حضرت کے قریبیوں کو لعن و ملامت سے محفوظ رکھتے ہیں۔ پس جو سامنے آیا اُسی کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ جس کا ذکر آیا اُسی پر تبرا کرنے لگے۔ کسی کو صراحتاً کافر بنایا۔ کسی کو اشارتاً منافق کہا کسی کو یقیناً فاسق ٹھہرایا۔ کسی کو ولد الزنا کسی کو اندھا فرمایا۔ واہ کیا دین ہے اور کیا مذہب۔ جس کے طعن و تشنیع سے کوئی نہ بچا۔ تو ایسے باحیا فرقے کی شکایت ہم صرف اصحاب کے بُرا بھلا کہنے پر کیا کریں۔ شعر۔

گھائل تیرے نظر کا ہے نوع دگر ہر ایک　　زخمی کچھ ایک بندۂ درگاہ ہی نہیں

اگر کوئی مومن حضرت عباس کے اور فضائل اور کمالات کو اس روایت کے معارضہ میں پیش کرے اور اس زخم پر مرہم رکھے تو اس کو چاہیئے کہ اس خیال محال سے درگذر ے اور ملا باقر مجلسی کے فیصلے کو جو حیوۃ القلوب میں اُنہوں نے کر دیا ہے دیکھ لے کہ وہ فرماتے ہیں (کہ بدانکہ در باب احوال عباس و مدح و ذم او احادیث متعارض ست و اکثر علما بخوبی او میل نمودہ اند۔ وانچہ از احادیث ظاہر می شود آن ست کہ او در مرتبہ کمال ایمان نہ بودہ است) پس ملا صاحب نے سب جھگڑا قصہ ہی طے کر دیا۔ اور حضرت عباس کے ناقص الایمان ہونے پر فتوی دے دیا۔ شاید اُن کے نقص ایمان کا سبب سب سے زیادہ یہی تصور کیا گیا ہو کہ اُنہوں نے ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر رض کے ساتھ کرا دیا۔

(چھٹی دلیل) اگرچہ حضرات شیعہ نے واسطے جواز نکاح کے اسلام ظاہری سے حضرت عمر کے اقرار کیا۔ اور اُن کو متمسک بکمال شریعت قرار دیا۔ لیکن (ولا یصلح العطار ما افسدہ

الدہر) جو رخنہ حضرت عمرؓ کے ایمان میں اُن کے بزرگوں نے ڈالا ہے وہ اب اُن کے بند کرنے سے بند نہیں ہوتا اور بغیر ترک مذہب تشیع کے اور اقرار فضیلت حضرت عمرؓ کے اس نکاح کا جواز موافق اصول مذہب شیعہ کے ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ موافق عقائد شیعوں کے ایمان اور اسلام سے بے بہرہ تھے۔ اور معاذ اللہ منافق اور مرتد تھے اور وہ دشمن اہل بیت کے اور ناصبیوں کے پیشوا تھے اور ناصبیوں کے ساتھ نکاح مومنہ کا جائز ہی نہیں ہے۔ پس نکاح حضرت عمرؓ کا کہ جو کفر اور نفاق اور عداوت اہل بیت میں سب سے بڑھ کر تھے۔ ساتھ ام کلثوم کے جو عزت اور بزرگی اور سیادت میں تمام جہان سے بہتر تھیں۔ کیونکر جائز ہوتا۔ چنانچہ ان دونوں امروں کو ہم کتب شیعہ سے ثابت کرتے ہیں۔ امر اول حضرت عمرؓ کا مومن نہ ہونا۔ امر دوم۔ ناصبی کے ساتھ نکاح مومنہ کا جائز نہ ہونا۔ (امر اول) کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ مطابق اصول شیعہ کے مومن نہ تھے۔ کافر اور منافق اور دشمن اہل بیت کے تھے ایسا صاف کھلا ہوا ہے کہ حاجت سند اور دلیل اور شاہد کی نہیں ہے لیکن عبرتاً للناظرین دو ایک روایتیں اُن کے یہاں کی بیان کرتے ہیں۔

(روایت اول) زاد المعاد میں ملا باقر مجلسی حذیفہ بن یمان سے نقل کرتے ہیں کہ جب میں نے فضائل روز قتل عمرؓ کے حضرت پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا کی زبان سے سنے تب سے میں اُن کے کفر پر یقین رکھتا تھا۔ چنانچہ عبارت اس کتاب کی بلفظہ یہ ہے۔

(حذیفہ گفت پس برخاستم و برخاست حضرت رسول خدا او بخانۂ ام سلمہ رفت و من بر گشتم و صاحب یقین بودم در کفر عمر تا آنکہ بعد از وفات حضرت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دیدم کہ او چہ فتنہا برانگیخت و کفر اصلی خود را اظہار کرد و از دین برگشت و دامان بے حیائی و وقاحت برائے غصب امامت و خلافت بر زد و قرآن را تحریف کرد و آتش در خانہ وحی و رسالت زد و بدعتہا در دین خدا پیدا کرد۔ و ملت پیغمبر را تغیر داد و سنت آنحضرت را بدل کرد و نصاری و مجوس را از خود راضی کرد و نور دیدۂ مصطفیٰ را بخشم آورد و تدبیر کشتن امیر المومنین کرد و جور و ستم درمیانہ مردم علانیہ کرد و ہرچہ خدا حلال کردہ بود حرام کرد و ہرچہ حرام کردہ بود حلال کرد) الیٰ آخر ہذیانات المجلسی۔ غرض کہ اس روایت سے صاف کفر حضرت عمرؓ کا (و نعوذ باللہ من ذلک) ثابت ہوا اور اُن کا

کفر اصلی کا ظاہر کرنا اور مرتد ہو جانا اور قرآن کا تحریف کرنا اور انصاری اور مجوس کو راضی کرنا ثابت ہوا تو اب وہ دعوی جو بعض مجتہدین نے کیا تھا کہ وہ اسلام کے دائرے سے خارج نہیں ہوئے۔ باطل ہوا۔

(روایت دوم) ملا باقر مجلسی رسالہ رجعیتہ میں لکھتے ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا کہ ابو بکر و عمر بظاہر کلمہ گو تھے اور بطمع دنیا اسلام کے مظہر ہوئے تھے۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا نے اُن کو کوئی حکومت نہ دی۔ تب پیغمبر صاحب کے قتل و ہلاک پر آمادہ ہوئے۔ وہو ہذہ عبارتہ بلفظہ [ایشان (یعنی ابو بکر و عمر) از روئے گفتہ یہود بہ ظاہر کلمتین گفتند از برای اینکہ شاید ولایتی و حکومتی حضرت بایشان بدہد و در باطن کافر بودند۔ چون در آخر مایوس شدند با منافقان بر بالای عقبہ رفتند و دہنہای خود را بستند کہ کسے ایشان را نشناسد و دبہا انداختند کہ شتران حضرت را رم دہند و حضرت را ہلاک کنند۔ پس خدا جبرئیل را فرستاد و پیغمبر خود را از شر ایشان حفظ کرد) پس اس قول سے شیعوں کے امام مہدی کے ثابت ہوا۔ کہ شیخین پیغمبر کے سامنے ہی بہ سبب مایوسی کے درپے قتل رسول ہو گئے تھے۔ اور حضرت کے ہلاک کرنے کی تدبیر کر چکے تھے۔ تو جو شخص پیغمبر خدا کے قتل پر مستعد ہووے اُس سے زیادہ کفر اور کس کا ہو گا۔ اور جب یہ جرم حضرات شیخین پر امام مہدی فرضی کی زبان سے ثابت ہو گیا تو امام کے قول کو کون رد کر سکے گا۔

(روایت سوم) ملا باقر مجلسی نے بحار الانوار میں ایک حدیث کافی کی نقل کی ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو نص علی امامت مرتضوی کا منکر ہے وہ کافر ہے اور واجب القتل ہے۔ چنانچہ ہم اُس حدیث کو استقصاء الافحام سے نقل کرتے ہیں (بیان قولہ علیہ السلام من ان یرتدوا عن الاسلام ای عن ظاہرہ والتکلم بالشہادتین فابقاءہم علی ظاہر الاسلام کان صلاحا للامۃ لیکون لہم لاولادہم طریق الی قبول الحق والی الدخول فی الایمان فی کرور الازمان وہذا لاینافی ما مر وسیأتی ان الناس ارتدوا الاثلثۃ لان المراد فیہا ارتدادہم عن الدین واقعا وہذا محمول علی بقاءہم علی صورۃ الاسلام وظاہرہ وان کانوا فی اکثر الاحکام الواقعیۃ فی حکم الکفار وخص ہذا بمن لم یسمع النص علی امیر المومنین علیہ السلام ولم یبغضہ ولم یعادہ فان من فعل شیئاً من ذالک فقد انکر قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وکفر ظاہراً ایضاً ولم

یبق لہ شئی من احکام الاسلام و وجب قتالہ) انتہی بلفظہ۔ یعنی یہ فرمایا ہے حضرت امام ابوجعفر علیہ السلام نے کہ جناب امیر علیہ السلام نے دعوئے امامت کا اس خوف سے نہ کیا۔ کہ ایسا نہ ہو کہ اصحاب اُس کو نہ قبول کریں اور اسلام چھوڑ دیں اور مرتد ہو جاویں۔ اور مرتد ہو جانے سے غرض یہ ہے کہ ظاہر اسلام کو چھوڑ دیں اور کلمۂ شہادت سے منکر ہو جاویں اس سے اُن کا اسلام ظاہری پر باقی رکھنا امت کے حق میں بہتر تھا۔ تاکہ شاید وہ یا اُن کی اولاد میں سے کوئی حق کو قبول کرے۔ اور کسی آئندہ زمانے میں مومن ہو جاوے۔ اور یہ مخالف اس روایت کے نہیں ہے کہ سب اصحاب مرتد ہو گئے تھے۔ مگر تین اس لئے کہ مراد اس ارتداد سے ارتداد واقعی ہے اور ارتداد جس کا ذکر امام نے کیا۔ نہ پھرنا اُن کا ظاہری اسلام کی نظر سے ہے۔ اگرچہ وہ اکثر احکام واقعی میں حکم کفار میں داخل تھے۔ لیکن یہ اسلام ظاہری بھی صرف اُنہی لوگوں کی نسبت ہے۔ جنہوں نے نص امامت امیر المومنین علیہ السلام کو نہیں سنا۔ اور اُن سے دشمنی اور عداوت نہیں رکھی۔ اور جس نے نص امامت سن کر اُس سے انکار کیا یا عداوت رکھی تو اُس نے پیغمبر خدا صلواۃ اللہ علیہ کے قول سے انکار کیا اور ظاہر میں بھی کافر ہو گیا۔ اور کوئی حکم اسلام کا اُس کے لئے باقی نہیں رہا اور اُس کا قتل کرنا واجب ہو گیا فقط اور صاحب استقصاء الانحام اس حدیث کے لکھنے کے بعد خود یہ فرماتے ہیں کہ (اگر غرض از نقل این عبارت محض اثبات این معنی ست کہ صاحب بحار ثلثہ و اتباع ایشان را کافر و مرتد می داند پس البتہ این معنی بسر و چشم مقبولست اصلاجای استنکاف و انکار نیست) پس باقرار صاحب بحار الانوار اور صاحب استقصاء کے کافر ہونا خلفاء ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ثابت ہوا اور اُن کا اسلام ظاہری بھی اُن کے قول سے جاتا رہا۔ تو اب درمیان ایمان و کفر کے کوئی واسطہ تیسرا جس کو اسلام کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ باقی نہ رہا۔ اور جب کافر ہونا اُن کا نعوذ باللہ ثابت ہوا تو نکاح ام کلثوم کا کافر کے ساتھ لازم آیا تو اب کہاں رہا قول سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کا جو اُنہوں نے شافی اور تنزیہ الانبیاء میں فرمایا ہے۔ کہ حضرت عمر مظہر اسلام اور متمسک تمام شریعت تھے۔ اس واسطے اُن کے ساتھ نکاح کر دینے میں کچھ خلل دینی نہ تھا اور باطل ہو گیا۔ قول صاحب نزہۂ اثنا عشریہ کا جو اُنہوں نے جواب میں تحفہ کے فرمایا ہے کہ کسی امامیہ کا یہ قول نہیں ہے کہ حضرات

علیہم السلام نے اپنی بیٹی کافر کو دی ہو۔ بلکہ بدعتی اور مظہر اسلام اور منافق کو دی ہے
اور ممنوع اور حرام نکاح کرنا ساتھ مشرک کے ہے نہ کہ بدعتی اور منافق کے اس لیئے
کہ اُن کے امام فرضی کی زبان سے موافق روایت بحار الانوار کے صاف کفر خلفاء ثلثہ
کا اور واجب القتل ہونا اُن کا ثابت ہوتا ہے۔ عجب حال ہے علماء شیعہ کا کہ جب
جیسا موقع ہوتا ہے ویسا ہی کہنے لگتے ہیں۔ جیسی ضرورت ہوتی ہے ویسی ہی حدیثیں بنا
لیتے ہیں۔ کبھی تو حضرت عمر کو کافر اور منکر اسلام اور واجب القتل کہتے ہیں۔ کبھی اُن
کو مظہر اسلام اور متمسک سائر الشریعت فرماتے ہیں۔ جو کہ امر اول یعنی کفر حضرت عمر کا
ونعوذ باللہ منہ موافق روایات صحاح اہلِ تشیع کے ثابت ہو گیا۔ اب ہم کو اس امر کی
ضرورت باقی نہیں رہی کہ ہم اس مسئلے کو ثابت کریں کہ نکاح مومنہ کا ساتھ ناصبی کے گو وہ
مظہر اسلام ہو جائز نہیں ہے۔ لیکن تاکہ وہ لوگ جو ان روایات کو غلط سمجھیں اور کفر ظاہری
کے قائل نہ ہوں اور اسلام کا حکم حضرت عمر پر جاری رکھیں۔ موافق اپنے اصول کے اس
نکاح کو جائز نہ سمجھیں۔ ہم اس مسئلہ کو بھی بیان کرتے ہیں۔

(امر دوم) یعنی نہ جائز ہونا نکاح مومنہ کا ساتھ ناصبی کے (روی الکلینی عن الفضیل
بن یسار قال سالت ابا عبداللہ عن نکاح الناصب فقال لا واللہ ما یحل قال فضیل ثم
سالتہ مرۃ اخری فقلت جعلت فداک ماتقول فی نکاحھم قال والمرأۃ العارفۃ قال ان
العارفۃ لا توضع الا عند عارف) کلینی میں روایت ہے کہ فضیل کہتے ہیں کہ میں نے امام
جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ناصبی کا نکاح جائز ہے تو حضرت نے فرمایا۔ کہ خدا
کی قسم ہرگز حلال نہیں ہے۔ پھر دوسری مرتبہ میں نے پوچھا تو امام نے فرمایا کہ عورت
عارفہ ہے یعنی مومنہ ہے میں نے کہا کہ ہاں تب امام نے فرمایا۔ کہ عارفہ نہیں رہے گی مگر
پاس عارف کے یعنی مومنہ کا مومن کے نکاح میں ہونا چاہیئے۔ پس اس روایت سے صاف
ثابت ہو گیا کہ حضرت امام کے ارشاد کے مطابق نکاح عارفہ کا نہیں جائز ہے مگر ساتھ
عارف کے۔ پس یا حضرت عمر کو مومن اور عارف کہیں یا حضرت ام کلثوم کو ایمان اور
معرفت کے دائرے سے خارج کریں نعوذ باللہ منہ۔ غرض کہ اب موافق قول امام کے
سوائے ان دو حالتوں کے تیسری حالت منتظرہ باقی نہیں رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس
امام کے قول سے حضرت عمر کا عارف اور کامل الایمان ہونا ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ اگر

وہ ایسے نہ ہوتے تو ام کلثوم کا نکاح حضرت امیر اُن کے ساتھ کسی حالت میں گو کہ اُس کو حضرات شیعہ جبر و اکراہ سے تعبیر کریں نہ ہونے دیتے۔ کیا جناب امیر اس آیت کے مضمون سے واقف نہ تھے اَلْخَبِیْثَاتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثَاتِ ط وَالطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبَاتِ اور کیا حضرت علی اس حدیث سے جو امام جعفر صادق نے فرمائی منکر تھے کہ (العارفۃ لا توضع الاعند عارف) پس باوجود ہونے ایسی آیت اور قول امام کے کیونکر حضرت علی اُس کے خلاف کرتے۔ جب کہ ہم اس امر کو ثابت کر چکے کہ یہ نکاح بجبر واکراہ نہیں ہوا تو ہم کو ضرورت اُس قول ناپاک سے بحث کرنے کی نہیں رہی۔ جس کو علماء شیعہ نے امام کی طرف منسوب کیا ہے۔ کہ امام نے فرمایا کہ (ہو اول فرج غصبت منا) کہ یہ پہلی شرم گاہ ہے جو غصب کی گئی۔ لیکن عبرتاً للسامعین اُس کو بھی بغیر بحث کے چھوڑنا مناسب نہیں سمجھتے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ محدثین شیعہ روایت کرتے ہیں۔ کہ امام صادق علیہ السلام سے کسی نے اس نکاح کی نسبت سوال کیا تو امام نے فرمایا کہ (ہو اول فرج غصبت منا) صاحب تحفہ قدس سرہ اس بحث میں لکھتے ہیں (سبحان اللہ چہ کلمہ الیست کہ از زبان ایشان برمے آید۔ نزدیک ست کہ آسمان فرو افتد و زمین بشگافد۔ اول درحق آن سیدۂ پاک بضعۃ الرسول فلذۂ کبد البتول چہ فحش و سوء ادب ست۔ و کدام خصلت خبیثہ را بدامن پاک آن طاہرۂ مطہرہ می بندند۔ دیگر درحق حضرت امیر و حضرت حسنین چہ قدر بے حفاظتے و بے ناموسی ثابت می کنند۔ و درحق حضرت صادق کہ این کلمہ برآنجناب تہمت می نمایند۔ چہ قدر بے حمیتی و بے غیرتے اعتقاد دارند۔ این لفظ را اول بزرگان بر زبان نمی آرند۔ علی الخصوص ذکر این عضو مستور الاسم والمسمی از اقارب بلکہ بزرگان خود امر یست کہ ارازل و اوباش نیز احتراز واجب می دانند) اس کا جواب علامۂ کشمیری نے نزہہ میں چند طرح پر دیا ہے کما قال (امروز دست بچند وجہ اول آنکہ بر تقدیر تسلیم صحت روایت و محفوظ بودن آن انچہ افادہ فرمودہ تسویل و تخیلی بیش نیست) اس عبارت سے علامۂ کشمیری کی معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کی صحت اُن کے نزدیک مسلم نہیں ہے۔ حالانکہ بر تقدیر تسلیم صحت کہنا عوام کو دھوکا دینا ہے۔ اس لئے کہ یہ حدیث چند طرح سے موافق اصول شیعہ کے ثابت ہے۔

اول۔ یہ حدیث کافی کلینی میں جس کو حضرات شیعہ اصح الکتب کہتے ہیں۔ انتہی الفاظ

سے امام صادق سے مروی ہے۔

دوسرے۔ قاضی نوراللہ شوستری نے مصائب النواصب میں اس حدیث کو چند جگہ نقل کیا ہے۔ چنانچہ جہاں بحث فاروق وام کلثوم کی لکھی ہے۔ اُس کی بحث نجم میں چند جگہ اُس کا ذکر کیا ہے اور کسی جگہ اُس سے انکار نہیں کیا۔ چنانچہ ترجمۂ فارسی اُس کا کما ہو منقول فی ازالۃ الغین یہ ہے (واما خامساً بواسطہ آنکہ قول امام صادق علیہ السلام کہ این اول فرجی ست کہ غصب کردہ شدہ از ما مستلزم وقوع زمانیست) اور پھر اسی بحث میں قول صاحب استغاثہ کو نقل کرکے اس طرح فرماتے ہیں وترجمتہ فی الفارسیۃ ہکذا (خبر دادہ اند مارا جماعتے از مشائخ ثقات ما از ایشان جعفر بن محمد بن ملک کوفیست از احمد بن فضل از محمد بن ابی عمیر از عبداللہ بن سنان گفت۔ سوال کردم جعفر بن محمد صادق را علیہ السلام از تزویج عمر از ام کلثوم پس گفت این اول فرجی ست کہ غصب کردہ شدہ از ما) اور بعد اس کے پھر قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ (مشاکل روایتی ست کہ از صادق علیہ السلام کردہ اند کہ گفتہ کہ این اول فرجی ست کہ از ما غصب کردہ اند) اور پھر جہاں جناب امیر علیہ السلام کی صبر اور تحمل پر وصیت رسول کا ذکر کیا ہے۔ وہاں قاضی صاحب موصوف فرماتے ہیں وترجمتہ فی الفارسیۃ ہکذا (چون عمر خواستگاری ام کلثوم نمود۔ علی متفکر شد وگفت۔ اگر مانع شوم او قصد قتل من خواہد کرد و اگر قصد قتل من کند وممانعت کنم او را از نفس خود بیرون روم از اطاعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پس تسلیم ابنہ درین حال اصلح بود از قتل او وبیرون رفتن از وصیت رسول خدا پس تفویض نمود امر او را بخدا ودانستہ بود کہ انچہ عمر غصب کرد از اموال مسلمانان وارتکاب کردہ از انکار حق او وقعود بجای رسول خدا وتغیر احکام الٰہی وتبدیل فرائض خدا چنانچہ گذشت اعظم ست۔ نزد حق تعالےٰ واقطع واشنع ست از اغتصاب این فرج پس تسلیم کرد وصبر نمود) اور علاوہ اس کے اور طرق متکثرہ سے ثبوت ان الفاظ کا ہوتا ہے۔ پس علامۂ کشمیری کا بر تقدیر تسلیم صحت کہنا صرف دھوکا دینا ہے۔ جو کہ شعار قدیم علماء متقدمین شیعہ کا ہے۔ اگر یہ الفاظ امام نے نہیں فرمائے اور اُن کی کتابوں میں مذکور نہ تھے تو چاہیئے تھا کہ صاف انکار کرتے اور اگر مذکور تھے تو اُس کا اقرار کرتے۔ بر تقدیر تسلیم صحت کہنا کیا معنی ؟

غرض کہ اس حدیث کی صحت میں کچھ شک و شبہ نہ رہا۔ اب ہم توجیہ اور تاویل علماء شیعہ کی جو اس لفظ کی نسبت ہم بیان کرتے ہیں۔ علامۂ کشمیری نزہہ میں لکھتے ہیں کہ (مراد ازین کلام آنست کہ این نکاح اول نکاحیست کہ از خاندان عالیہ بغیر طیب خاطر اولیا بطریق اجبار و اکراہ بنا بر مصلحت وقت واقع شدہ و سبب وقوع آن با جبار و اکراہ تعبیر ازان بغصب فرمودہ اند و درین معنی ہیچ گونہ شناعتی نیست و مع وضوح المرام لاعبرۃ بالالفاظ عقد نکاح کہ بغیر طیب خاطر باشد اصلا مستلزم زنا نیست) خلاصہ اس توجیہ کا یہ ہے کہ غصب بمعنی عدم رضا کے ہے اور مطلب (اول فرج غصبت منا) جو امام نے فرمایا ہے یہ ہے کہ یہ پہلا نکاح ہے کہ خاندان اہل بیت اطہار سے بلا رضامندی ولی کے بجبر و اکراہ ہوا۔ اور لفظ غصبت مستلزم زنا نہیں ہے۔ لیکن یہ توجیہ بجائے خود نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ معنی حضرت امام کے دل میں تھے تو چاہیئے تھا کہ انہی لفظوں میں ادا فرماتے نہ کہ ایسا لفظ کریہ (وحاشا جنابہ عن ذلک) زبان پر لاتے۔ پس لفظ غصبت کا فرمانا اور عدم رضا مراد لینا بلا وجہ الفاظ کو اُن کے حقیقی معنی سے پھیرنا ہے علاوہ برین جو نکاح صحیح نہ ہو وہ مستلزم زنا ہے۔ اور از روئے کتب معتبرۂ امامیہ کے مثل غنیہ اور تبصرہ اور کنز العرفان اور غایۃ المرام وغیرہ کے ثابت ہے۔ کہ نکاح مومنہ کا ساتھ ناصبی کے درست نہیں ہے۔ پس جب ایک عام مومنہ کا نکاح ایک عام ناصبی کے ساتھ درست نہ ہو تو کیونکر نکاح قدوۂ مومنات بنت بضعۂ سرور موجودات کا ایک کافر یا منافق کے ساتھ درست ہوگا۔

یہ فرمانا علامۂ کشمیری کا کہ (درین معنی ہیچ گونہ شناعتی نیست) انہی کو زیبا ہے۔ بلا شک نزدیک عبد اللہ بن سبا یہودی کے مقلدین کے جو کہ لباس محبت اہل بیت میں چاہتے ہیں کہ اصول و فروع شریعت مصطفوی کو برہم کریں اور بیخ اسلام و دین محمدی کو اکھیڑ دیں اور خوارج اور نواصب سے بھی گوئے سبقت لے جاویں اور زخارف دنیوی پیرائیہ مداہنت اور قربت میں تحصیل کریں۔ بیشک یہ امر کب بعید معلوم ہوگا۔ کہ رسول کی نواسی فاطمہ زہرا کی بیٹی حسن مجتبیٰ کی بہن ایک رئیس مرتدین اور سرگروہ منافقین کے گھر میں غصب سے جاوے اور وہ غاصب جو چاہے سو کرے۔ اور پھر بھی نہ شیر خدا نہ حسن مجتبیٰ نہ شہید کربلا کچھ چون و چرا کریں۔ اور ایسے واقعۂ ہوشربا کا تماشا دیکھتے رہیں

ورنہ ہم سے ناقص ایمان والوں کے تو ایسے سانحے کے سننے سے ہوش پران ہوتے ہیں اور ہمارے ضعیف دل زبان حال سے الامان الامان پکارتے ہیں۔ ہم حضرات شیعہ ایسی محبت کہاں سے لاویں کہ خود ہی امام کی زبان سے (اول فرج غصبت منا) کی روایت کریں۔ اور پھر خود ہی اُس کی نسبت ہیچ گونہ شناعت نیست کا کلمہ زبان پر لاویں۔ اور ایسے الفاظ ناملائم اور نامناسب کو سُن سُن کر شادیانے خوشی اور فرحت کے بجاویں۔ اور اپنے دین و ایمان کے دعوے میں ثابت قدم رہیں اور ہرگز اس کو خلاف شان ائمہ کے نہ سمجھیں اور اس سے اُن کی فضیلت و عزت میں کچھ خلل کا خیال بھی نہ کریں۔ فقط بعد اس کے علامۂ کشمیری فرماتے ہیں کہ (ہرگاہ جابرے شخصے را در طلاق دادن زوجہ اش اجبار نماید در عرف می گویند غصبت زوجتہ یا وصف آن اگر جابر عقد نکاح با آن زن بکند نزد امام اعظم ابوحنیفہ کوفی زنا متحقق نمی شود و آن جابر زانی نیست) معلوم نہیں کہ علامۂ کشمیری نے باین علم و عقل اس جملے کے لکھنے سے جواب عبارت تحفہ کا کیا تصور فرمایا ہے۔ اس لئے کہ الزام شاہ صاحب قدس سرہ کا مطابق اصول شیعہ کے ہے۔ نہ موافق اصول حنفیہ کے۔ پس اُن کو اپنے اصول پر جواب دینا چاہیئے۔ امام ابوحنیفہ کے اصول پر نظر کرنے سے کیا حاصل۔ اگر وہ فقہی مسائل میں ابوحنیفہ کے قول پر چلنا چاہتے ہیں۔ اور سوائے اس کے دوسرا چارہ اس بلائے جانکاہ سے نکلنے کا نہیں دیکھتے۔ تو دل ماشاد چشم ما روشن وہ فروع حنفیہ کو اختیار کریں اور اس پر عمل فرماویں۔ لیکن صرف فروع کو لینا اور اصول و عقائد کو چھوڑنا کارآمد نہیں ہے۔ پس ایک کلمہ کہہ کر حنفیہ کے شریک ہو جاویں اور فضیلت فاروقی کا اقرار کرنے لگیں۔ پس نہ کچھ جھگڑا رہے نہ قصہ نکاح کے ہونے کو بھی تسلیم کرلیں۔ اُس کی نسبت الطیبات للطیبین پڑھنے لگیں ورنہ جب کہ موافق مذہب امامیہ کے نکاح مومنہ کا ساتھ نواصب کے جائز ہی نہیں ہے تو بیچارے ابوحنفیہ کے قول سے اُن کو کیا فائدہ ہوگا۔ بلکہ اگر کوئی روایات حضرات شیعہ کو دیکھے تو اس کو شناعت اس فعل قبیح کی جس کو (ہو اول فرج غصبت منا) سے تعبیر کیا ہے۔ معلوم ہووے کہ شیخ صدوق نے معانی الاخبار وغیرہ میں معاذ اللہ معاذ اللہ توبہ توبہ نقل کفر کفر نہ باشد۔ حضرت عمر کو ولد الزنا قرار دیا ہے۔ اور اس کی سند امام تک پہنچائی ہے۔ کما قال فی معانی الاخبار (حدثنا علی بن احمد بن موسی رضی اللہ عنہ

قال حدثنا محمد بن ابی عبداللہ الکوفی عن موسیٰ بن عمران النخعی عن عمہ الحسین بن یزید النوفلی عن علی بن ابی حمزۃ عن ابی بصیر قال سالتہ عمار ویٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال ان ولد الزنا شر الثلثۃ قال علیہ السلام یعنی بہ الاوسط انہ شر ممن تقدمہ وممن تلاہ) یعنی ابی بصیر روایت کرتا ہے کہ میں نے امام علیہ سے پوچھا۔ کہ یا حضرت کہ یا حضرت اس حدیث پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کیا معنی ہیں کہ (ولد الزنا تینوں میں سے بدتر ہے امام نے فرمایا کہ مراد اس سے عمر ہے کہ وہ اپنے پہلے یعنی ابوبکر سے اور اپنے پچھلے یعنی عثمان سے بھی بدتر ہے۔ اور تینوں سے زیادہ بُرا ہے۔ پس جب ایسے ناپاک مذہب کے معتقدین ائمہ کی طرف ایسی تہمت کریں۔ اور اُن کی زبان سے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا اولاد زنا سے ہونا بیان کریں ونعوذ باللہ منہ تو اگر بنت فاطمہ کا ایسے شخص کے ساتھ نکاح ہونے کو امام کی زبان سے بالفاظ (اول فرج غصبت منا) کے لفظوں سے ادا کرکے مصداق سواد الوجہ فی الدارین نہ ہوں تو کیا کریں۔ لیکن اگر ہم اس امر کو بھی تسلیم کریں کہ موافق اصول شیعہ کے لفظ کفر کا اطلاق حضرت عمر پر نہیں ہوتا اور اُن کا مظہر اسلام اور متمسک بہ تمام شریعت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور اس بات کو بھی فرض کرلیں کہ اُن کے مذہب میں نکاح کر دینا ساتھ ناصبی کے مومنہ اور عارفہ کا بھی جائز ہے لیکن حضرات شیعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نفاق و بدعت سے کیونکر انکار کریں گے اور اُن کے مومن اور مخلص اور تابع سنت ہونے کو کیونکر قبول کریں گے۔ اگر وہ یہ قبول کرلیں کہ حضرت عمر نہ منافق تھے نہ بدعتی۔ بلکہ سچے مومن اور پکے تابع سنت تھے۔ فنعم الوفاق اگر اس کو نہ مانیں تو سب توجیہات جو معاملۂ نکاح ام کلثوم میں کی ہیں۔ عبث اور فضول اور بیکار ہوئی جاتی ہیں۔ اس لئے کہ جو شناعت نکاح میں ساتھ کافر کے ہے اُس سے بڑھ کر قباحت نکاح میں ساتھ منافق کے ہے۔ چنانچہ خود صاحب تنزیہ اثنا عشریہ نے اس کا اقرار کیا ہے اور اس مضمون کو ان لفظوں سے ادا فرمایا ہے (قال الفاضل الناصب چہارم آنکہ گویند کہ حضرات بنات و اخوات خود بہ کفرہ فجرہ بزنی می دادند مثل حضرت سکینہ کہ در نکاح مصعب بن زبیر بود و علی ہذا القیاس۔ دیگر قریبان خود را در عقد کفرہ و نواصب در آوردند۔ چنانچہ در کتاب الٰہیات بہ تفصیل شرح ست اقوال و بہ نستعین۔ اگر مراد از کافر دو قول را گویند۔ حضرات بنات و اخوات خود را

بہ کفرۂ فجرہ می دادند مشرک ست - این قول کذب محض ست - چہ ہیچک از امامیہ قائل بایں قول نیست - و اگر مراد از آن مبتدع ست بہ بدعتے کہ منجر بہ کفر صاحبش نہ شود - کہ او را کافر تناول گویند یا منافق کہ مظہر اسلام و متمسک بہ سائر شریعت باشد مسلم و محذوری ندارد - بہ فحوای ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا الآیۃ ممنوع و محرم انکاح با مشرک ست و برحرمت مطلق انکاح مبتدع کذائے و تزویج با منافق دلیلی قائم نیست - و قیاس یکے بر دیگرے مع الفارق چہ منافق اگرچہ حرمتش در حقیقت عظیم ترست و فسادش در شریعت شدید تر و بہ فحوای ان المنافقین فی الدرک الاسفل در عقبے بعقوبت الیم گرفتار ست لیکن حکمت الٰہیہ داعی و مقتضی آن شد کہ احکام مشرکین و منافقین در دار دنیا از ہم ممتاز باشد و از ینجاست کہ مشرکین را بہ فحوای فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم معاقب و ماخوذ گردانیدہ منافقین را ازین ورطہ نجات بخشیدہ) اس تحریر پر علامۂ کشمیری کی ہم ان کا دل و جان سے شکرادا کرتے ہیں اور اپنی ممنونی ظاہر کرتے ہیں - کہ جو بات ہم کو لکھنی چاہیئے تھی - وہ خود علامۂ ممدوح نے لکھ دی - اور جو تکلیف ہم کو کرنی پڑتی - وہ خود گوارا فرمائی - اور ان فقروں کو لکھ کر (منافق اگرچہ حرمتش در حقیقت عظیم ترست و فسادش در شریعت شدید تر) ہماری طرف سے خود ہی جواب دے دیا - لیکن ہم محو حیرت ہیں - کہ علامۂ ممدوح نے صاحب تحفہ قدس سرہ کے اعتراض کے جواب میں اس تحریر سے کیا فائدہ خیال کیا - اس لئے کہ اُن کا اعتراض اس پر ہے کہ شیعوں کے نزدیک حضرات علیہ السلام نے اپنی بیٹیاں کافر کو دی ہیں - علامہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ نہیں کافروں کو نہیں دیں - بلکہ منافقوں کو - اس پر ہمارا یہ جواب ہوتا - کہ نکاح مومنہ کا ساتھ کافر کے حرام ہونے پر کوئی دلیل عقلی نہیں ہے - بلکہ صرف قباحت شرعی ہے اور وہ قباحت منافق کے ساتھ نکاح کرنے میں بھی موجود بلکہ کچھ زیادہ ہے - وہ خود حضرت نے فرما دیا - پس اب اہل انصاف غور کریں کہ اعتراض صاحب تحفہ کا اس سے اور مدلل ہوگیا یا اُن کا اعتراض اس جواب سے اُٹھ گیا - باقی رہا یہ امر کہ احکام منافقین کے بہ نسبت کافروں ظاہر شریعت میں سخت نہیں ہیں - اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ منافق ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور احکام شریعت ظاہر پر جاری ہیں - اس لئے وہ قتل وغیرہ سے محفوظ ہیں اور اس کا سبب یہ ہے - کہ کوئی شخص سوائے خدا کے علم غیب نہیں رکھتا جو دل کا حال جانے - پس شریعت نے

نظر بر ظاہر اسلام اُن کے قتل کا حکم نہیں دیا۔ لیکن موافق اصول شیعہ کے ائمہ کرام کو علم ما کان و ما یکون حاصل ہوتا ہے۔ اور امور پوشیدہ اُن پر روشن ہوتے ہیں۔ اور حالات قلوب بنی آدم اُن پر ظاہر ہوتے ہیں۔ پس اُن کو منافقوں سے احتراز کرنا۔ اور اُن کو ذلت دینا اور اُن سے عداوت رکھنا اور اُن سے قرابت نہ کرنا۔ بلکہ اگر وہ کسی دینی کام میں مدد کرنا چاہیں تو اُن سے اعانت نہ لینا۔ اور ان کو کسی دینی کام میں شریک نہ کرنا۔ اور اگر وہ مر جاویں تو اُن پر نماز جنازے کی نہ پڑھنا۔ اور اُن کے لئے استغفار نہ کرنا واجب اور لازم ہے۔ چنانچہ جن منافقوں کا نفاق پیغمبر صاحب کے سامنے کھل گیا تھا۔ یا جن کے نفاق کی خبر خدائے جلشانہ نے حضرت کو دے دی تھی۔ اُن کے ساتھ اسی طرح پر برتاؤ کرنے کے لئے آیات قرآنی نازل ہوئیں۔ اور اُن کے لئے سخت احکام صادر ہوئے۔ بلکہ جس طرح جہاد کرنے کا حکم اوپر کفار کے ہوا۔ اسی طرح اوپر منافقوں کے ہوا۔ جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے کہ یَا اَیُّہَا النَّبِیُّ جَاہِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْہِمْ وَمَاْوٰھُمْ جَہَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ کہ اے پیغمبر جہاد کر اوپر کافروں کے اور منافقوں کے اور نہایت سختی کر اوپر اُن کے اور جگہ اُن کی جہنم ہے۔ غرضکہ جب اُن منافقوں کا جن کے نفاق کا حال معلوم ہو گیا۔ حال مثل کفار کے ہوا اور جہاد بھی اُن پر واجب ہو۔ اور اُن پر غلظت اور شدت بھی مثل کفار کے کرنے کا حکم ہو۔ تو پھر نکاح میں درمیان کفار کے اور اُن منافقوں کے کیا فرق رہا۔ اب سوائے اس کے کہ یا حضرات شیعہ حضرت عمر کو منافق نہ کہیں۔ اور اس کلمۂ کفر کے کہنے سے باز آویں۔ یا کہ اس نکاح کو حرام جانیں۔ دوسرا کوئی علاج نہیں ہے۔

اگرچہ علماء شیعہ نے اس معاملے میں عوام کے فریب دینے کو اور جاہلوں کے سمجھانے کو بہت ابلہ فریبی کی تقریر کی ہے اور حضرت عمر کو مظہر اسلام کہہ کر اس نکاح کا جواز ثابت کیا ہے۔ لیکن یہ فریب ذراسی بات میں کھلا جاتا ہے۔ اور یہ سب تو طیہ اُن کا ایک ادنیٰ بات میں ہباءً منثوراً ہو جاتا ہے۔ یعنی ہم ایک استفتا کرتے ہیں۔ اُس کا فتویٰ لکھ دیں۔ اور جو بات ہم پوچھتے ہیں۔ اُس کے جواب میں صرف لا یا نعم فرماویں وھو ہذہ۔ (کیا فرماتے ہیں جناب قبلہ و کعبہ ان دو مسئلوں میں جن میں سے پہلا یہ ہے کہ ایک منافق جس نے خدا کی کتاب میں تحریف کی جس نے پیغمبر کی سنت کو بدلا۔ جس نے حضرت فاطمہ علیہا السلام

کا حق غصب کیا۔ جس نے معصومہ کے جسم اطہر پر ایسا صدمہ جسمانی پہنچایا کہ اُس سے معصوم بچہ شہید ہوُا۔ اور جس نے سیدۃ النساء کا حق نہ دیا۔ اور اُن کو جھوٹا جانا اور اُن کا دعوئے ارث پدری کا نہ سنا اور جس نے امیر المومنین علی علیہ السلام کا حق غصب کیا۔ اور جس نے اُن پر جبر و ظلم کیا۔ وہ ایک مومنہ عارفہ کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے جائز ہے یا نہیں ؟ (دوسرا مسئلہ) ایک مومن نے جس کو خدا نے ذاتی شجاعت اور شرافت میں یکتائے روزگار پیدا کیا ہے۔ اور جس کے بازو کو قوت اور طاقت قلعہ شکنی کی دی اور جس کو جرأت دس ہزار جنگی سوار کے ساتھ لڑنے کی دی ہے۔ اپنی بیٹی مومنہ عارفہ کا نکاح ایک منافق مرتد غاصب خائن کے ساتھ صرف اُس کی تہدید زبانی پر کر دیا۔ اُس کی نسبت کیا حکم شرعی ہے آیا وہ گنہگار ہوا یا نہیں) اور اگر ایسے استفتاء پر فتوی دینے میں بھی چون و چرا کو جناب قبلہ و کعبہ دخل دیں اور صاف جواب نہ دیں۔ تو اُن سے ہم ایک صاف مسئلہ پوچھتے ہیں اُسی کو لکھ دیں (کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع متین کہ نکاح مومنہ کا ساتھ سنی ناصبی کے جائز ہے یا نہیں) پس جو کچھ جواب اس کا لکھ دیں۔ وہی تمام اس بحث کے طے کرنے کے لئے کافی ہے۔ پھر نہ کسی توجیہ کی حاجت ہے نہ کسی تاویل کی ضرورت ہے۔ ایک دو حرفی فتوے پر مدار اس تمام قصے جھگڑے کے فیصلے کا ہے۔ پس اے حضرات شیعہ بنظر عنایت اس سوال کا جواب لکھ دو۔ اور اس جھگڑے قصے کو مٹیو ؎ **شعر**

ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا ۔۔۔ بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

بعد اس کے علامہ کشمیری بجواب تحفہ کے فرماتے ہیں (استبعاد ذکر فرج مستور الاسم و المسمی برزبان اکابر در کمال استبعاب ست و در واقع ثراثہ خائیست کہ ہیچ خرنہ نماید۔ چہ در کلام الٰہی کہ چند جا ذکر این عضو مستور الاسم و المسمی جاری شدہ و حضرت عائشہ صدیقہ در مجالس و محافل نام عضو مخصوص حضرت سرور عالم علیہ السلام کہ مستور الاسم ست برزبان می بردند الخ) اس تقریر سے مطلب علامہ کشمیری کا یہ ہے کہ شاہ صاحب کا یہ فرمانا کہ لفظ فرج کا زبان پر امام کے آنا خلاف شان بزرگی کے ہے موجب تعجب ہے اس لیئے کہ خدا کے کلام میں یہ لفظ مذکور ہوا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰے عنہا نے عضو مستور الاسم کا نام لیا ہے۔ تو پھر امام نے اگر لیا تو کیا گناہ کیا۔ فقط۔ جواب اس کا

یہ ہے۔ کہ یہ نافہمی اور نادانی حضرت علامہ کی ہے۔ اس لئے کہ آیات اور احادیث میں اگر نام اس عضو کا ہے تو مسائل شرعیہ کے بیان میں یا بتالیش مومنین کے مقام پر ہے۔ نہ کہ ایسے موقع و محل پر جو محل نزاع ہے۔ اور مسائل شرعیہ کے بیان میں ایسے الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو اس کے بیان کا ایک سبب خاص ہے۔ ہاں اگر شاہ صاحب اُن احادیث و اخبار امامیہ پر طعن کرتے جن میں واسطے بتلانے مسئلہ شرعی کے اس عضو کا نام لیا گیا ہے۔ تو یہ معارضہ یا تمثیل صحیح ہوتا۔ حالانکہ صدہا احادیث امامیہ میں ائمہ کرام کی زبان سے اس عضو کا نام مذکور ہے۔ اور شاہ صاحب نے کسی پر کچھ اعتراض نہیں کیا اور اس محل خاص پر جو اعتراض کیا۔ اُس کا مطلب یہ ہے کہ اراذل عوام کو بھی اس قدر غیرت اور حیا ہوتی ہے کہ اگر کوئی اُن کی جورو یا بیٹی کو لے جاوے تو وہ ایسا لفظ زبان پر نہیں لاتے اور اپنی جورو یا بیٹی کی نسبت شرمگاہ کے غصب کر لینے کا لفظ زبان پر نہیں لاتے۔ تو کیونکر ممکن ہے کہ جناب امام نے ایسا لفظ زبان سے نکالا ہو۔ بلکہ اگر فی الواقع یہ نکاح بجبر و اکراہ ہوا تھا۔ تو امام کو مناسب تھا کہ وہ سائل کے جواب میں فرما دیتے۔ کہ بضرورت یہ نکاح ہُوا تھا۔ اور بوجہ مظہر اسلام اور متمسک بہ شریعت ہونے عمرؓ کے شرعاً ایسا نکاح کر دینا جائز تھا نہ کہ اس عبارت و الفاظ کو چھوڑ کر ایسا کریہ لفظ جس کے ہزار معنی بنائے جاویں۔ مگر سمجھنے والے اور ہی کچھ سمجھتے ہیں زبان پر لاتے۔ اور اس تقریر کا جواب خدا کے کلام میں اس لفظ کے ہونے یا حضرت عائشہ کے بنظر ضرورت مسئلہ شرعی کے اس لفظ کو زبان پر لانے سے نہیں ہوتا۔ این ہذا من ذلک۔

(تنبیہ اول) بعض علماء شیعہ نے یہ خیال کر کے کہ نکاح کے ہونے سے انکار کرنا اپنی احادیث و اخبار کی کتابوں پر خط نسخ کھینچنا ہے اور روایت (اول فرج غصبت منا) کہ جو خاص کلینی نے کافی میں امام صادق علیہ السلام کی حدیث کر کے لکھی ہے۔ غیر صحیح کہنا امام کو جھٹلانا ہے۔ اور اُس کو بغیر توجیہ و تاویل کے تسلیم کرنا عقل اور ایمان اور عزت سے ہاتھ اُٹھانا ہے۔ اس لئے اس کے معنی بنانے اور الفاظ کو حقیقت سے مجاز کی طرف پھیرنے پر آمادہ ہوئے۔ جب اُس کو بھی بے سود دیکھا۔ اور اُس سے بھی کچھ مطلب حاصل نہ ہُوا۔ تب دوسری طرح کی تاویلات دور از کار کے جانب توجہ فرمائی۔ اور صبر اور وصیت اور تقیے سے پناہ لی۔ چنانچہ ہم ہر ایک تاویل کو بہ تفصیل بیان کرتے ہیں ؛

دہلی تاویل صبر بعض علماء شیعہ نے فرمایا ہے۔ کہ جو معاملہ جناب امیر کو پیش آیا اکثر انبیا اور اوصیا کو ایسے معاملے پیش آئے ہیں۔ اور انہوں نے صبر فرمایا ہے۔ اور اس سے اُن کے درجات خدا نے بڑھائے ہیں۔ جیسا کہ حضرت لوط پر بھی ایسا ہی واقعہ گذرا ہے چنانچہ حضرت لوط کے پاس جب فرشتے آدمی کی صورت ہو کر آئے۔ اور اُن کو کچھ شبہ ہوا۔ تو انہوں نے اپنی بیٹیاں اُن کے سامنے کر دیں اور کہا کہ یا قوم ہٰؤلاءِ بناتی ہن اطہر لکم کہ یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں تمہارے واسطے اور یہ اچھی ہیں تمہارے ملئے۔ اور بلکہ صاف فرمایا کہ ہٰؤلاءِ بناتی اِن کنتم فاعلین کہ یہ میری بیٹیاں موجود ہیں۔ اگر تم کو کچھ کرنا ہے کرو۔ پس تعجب ہے کہ جب حضرت لوط پیغمبر خدا نے اپنی بیٹیاں سامنے کر دیں۔ اور ایسا کلمہ فحش زبان سے کہا کہ اگر کرنا ہے تو یہ بیٹیاں حاضر ہیں۔ اور اس کا ثبوت آیات قرآنی سے ہوتا ہے۔ تو پھر ناصبیوں کا یہ اعتراض کہ حضرت امیر نے کیوں اپنی بیٹی عمر کو دے دی تھی۔ سراسر بے جا ہے۔ جو جواب ناصبی حضرت لوط کے معاملے کا دیتے وہی ہم مومنین کی طرف سے خیال کریں۔ فقط۔ چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری نے مصائب النواصب میں اور اور علماء شیعہ نے اپنی کتابوں میں اس کو لکھا ہے اور علاوہ اس کے حضرت ابراہیم اور حضرت آسیہ زن فرعون کی بھی مثالیں دی ہیں۔ چنانچہ ہم اُن سب کو لکھ کر اس کا جواب دیں گے۔ بالفعل بہ نسبت صبر جناب امیر کے جو کچھ حضرات نے فرمایا ہے اس کو ہم ایک کتاب سیف صارم سے جو بعد ملاحظہ جناب مجتہد صاحب کے ۱۲۹۶ سنہ ہجری میں مطبع جعفریہ یعنی مطبع اثناعشریہ میں چھپی ہے۔ نقل کرتے ہیں۔ گویا مولف نے اپنے تمام مجتہدین و علماء کی اقوال کا خلاصہ اُس میں لکھا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اُس کو غور سے دیکھیں۔ اور اس بیچارے مولف کی اور اُن کے مجتہدین و علماء کی حیا و شرم کی داد دیں اور اُن کے حق میں احسنت و آفرین کہیں وہو ہٰذہ بلفظہ (تو اب کالشمس فی وسط النہار ظاہر و ہویدا ہے کہ ایسی صغیر سن معصومہ کا نکاح ایسے شخص مظہر الاسلام اور مظہر اور مقر کلام مرقوم سے قربت و وصلت کا بھی مفید نہیں۔ صرف ظہور اور اجبار شیخ فانی تھا۔ اور اذیت رسانی اور مضطر کرنا اور بظاہر تمتک پہنچانا نفس رسول کو اور مظہر اتمام حجت اور ثبوت غلبہ غالب کل غالب تھا نفس یہ کہ اگرچہ در حقیقت قربت معصومہ طاہرہ یعنی و توسع اتصال و مواصلت جو کہ ظاہر میں غایت مناکحت ہے۔ بموجب اقرار شیخ فانی اور ہم بہ سبب صغیرہ ہونے معصومہ

کے ممتنع الوجود یقینی تھا۔ اور باعتبار ظاہر کے بھی اور باعتبار باطن کے از روئے علم باطنی کے بھی حضرت مولی پر ہویدا تھا۔ اور مظہر الاسلام بظاہر مقر رسالت و شرائع رسول انام سے قطع نظر اس کے بھی مناکحت ممنوع شرعی نہیں تھی۔ لیکن باعتبار ظاہر حال بنظر خواص و عوام البتہ کما انتہا گ حرمت ولی خدا ظاہر کہ ایک منگیتر بیٹی ایسی صغیرہ باوصف دامادی اور ابن عمی رسول اور ملقب ہونے ساتھ نفس رسول کے اور خیبر گیر اور غالب کل غالب ہونے کے اور مخاطب بہ لافتا الا علی لاسیف الا ذوالفقار ہونے کے ایک شیخ فانی سے نکاح کرنا اور باوجود درپیش اس قدر اعتلال و تکرار کے ایسے بید عرب و عجم امیر المومنین کہ اس لقب کے خود صدیق و فاروق و صدیقہ نواصب تک گواہ ہیں۔ لوگوں کی نظر میں ایک شیخ نو مسلم ظاہری سے مغلوب دکھائی دیں اور مجبور کہلاویں۔ حتی کہ بیٹی حوالہ کر دیں کہ نفس ہر کس کسی البشر کا ہر گز باوصف ظہور علت اباحت شرعی کے بھی اس ہتک کو نہیں گوارا کر سکتا۔ سوائے انبیا و اوصیا کے کہ صبر و رضائے حضرات علیہم التحیۃ والبرکات بعطائے حضرت کبریا انہیں پر ختم ہے۔ کہ باوصف عطائے قوت و معجزہ صبر و تحمل بھی ایسا ہی اُن کو عطا ہے کہ یہ استعداد اور حوصلہ کسی اور بشر کو نہیں حاصل کہ نفس پر اتنا غلبہ ہو سکے کہ انتہائے مرتبہ اور غایت کمال ہے غالب کل غالب ہونے کا) اے مسلمانو کہاں ہو کس نیند میں سو رہے ہو۔ ذرا چونکو ہوش میں آؤ۔ اٹھ کر بیٹھو۔ اس بچۂ نادان مؤلف سیف صارم اور اُس کے پیران نابالغ یعنی مجتہدین و علماء کی عقل و حیا پر نوحہ کرو۔ اُن کے ایمان و انصاف کے جانے پر مرثیہ پڑھو۔ اُن کے حال زار پر رحم کرو۔ دیکھو کہ کیسی عقل و حیا اُن کی جاتی رہی ہے۔ کہ عیب کو ہنر کر کے دکھلاتے ہیں۔ اور پردے میں محبت اہل بیت کے اُن کی شان میں کیا کچھ بکتے ہیں۔ جس کے سننے سے بدن پر رعشہ جس پر خیال کرنے سے دل کو لرزہ ہوتا ہے۔ خیال کرو کہ بے عزتی کو شجاعت کہتے ہیں۔ بیحیائی کو صبر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اے یارو یہ کیسے دوست اہل بیت کے ہیں۔ کہ اُن حضرات عالی درجات پر جن کی شان میں آیۂ تطہیر نازل ہوئی۔ جن کی عصمت و عفت پر پاکی نے قسم کھائی۔ اُن کی نسبت کیا کیا کہتے ہیں۔ اے بھائیو! صبر اسی کا نام ہے کہ ایک منافق بیٹی کو غصب کر لے اور نہ بجبر و اکراہ نکاح ناجائز کرا لے۔ اور حضرات علیہم السلام بیٹھے بیٹھے دیکھا کریں۔ اور سوائے سکوت کے زبان سے بھی کچھ نہ فرما دیں۔ اور باوصف عطائے

قوت معجزہ و کرامات کے صبر و تحمل کو کام فرماویں۔ خدا کی قسم ہے کہ میں تعصب کو دخل نہیں دیتا۔ اپنے مذہب پر خیال نہیں کرتا۔ بلکہ صرف عقل و حیا سے پوچھتا ہوں کہ جس کا نام حضرات شیعہ نے صبر رکھا ہے۔ اور جس حالت کو صبر و تحمل سے تعبیر فرمایا ہے۔ حقیقت میں وہ صبر و تحمل ہی ہے یا اُس کی اور کچھ حقیقت ہے۔ میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے۔ کہ اُنہوں نے وقاحت اور بے عزتی کا نام صبر و تحمل رکھا ہے۔ اور محبت کے حیلے سے اہل بیت اطہار کو ذلیل کیا ہے۔ نعوذ باللہ نعوذ باللہ یہ کیا خرافات ہے۔ جو شیعہ لکھتے ہیں ابھی کسی ادنیٰ عامی کے گھر جا کر کوئی شخص گروہ شجاعت میں بے نظیر اور قوت میں لاثانی اور مال و دولت میں لاجواب ہو۔ اُس کی بیٹی سے بجبر و اکراہ نکاح کرنے کا قصد کرے۔ پھر تماشہ دیکھے کہ وہ عامی چپ چاپ رہتا ہے۔ یا اپنی جان عزت پر قربان کرتا ہے۔ معلوم نہیں کہ حضرات شیعہ نے امیر المومنین یعسوب الدین صاحب ذوالفقار جد ائمہ اطہار کی عزت اور ہمت اور شجاعت کو ایک ادنےٰ آدمی کے برابر بھی خیال نہیں کیا اور وقاحت کو بنام صبر و تحمل کے قرار دیا ہے اور طرفہ ماجرا یہ ہے۔ کہ ایسی وقاحت کی باتیں اُن کی طرف منسوب کرتے جاتے ہیں۔ اور ایسے الزام اُن کو دیتے جاتے ہیں اور پھر بھی اُن کو غالب کل غالب مطلوب کل طالب امیر البررۃ قاتل الکفرۃ والفجرۃ سید الابرار مخاطب بہ فتا الا علی لا سیف الا ذوالفقار کہتے جاتے ہیں نہ خدا سے شرماتے ہیں نہ رسول کا لحاظ کرتے ہیں۔ حقیقت میں دین و ایمان کو حضرات شیعہ نے بگاڑا۔ اور شریعت محمدی کو اُنہوں نے درہم و برہم کیا۔ اور شیطان کا نام بدنام ہوا۔ یہ باتیں شیطان کے دادا کو بھی نہ سوجھی ہونگی۔ جو اِن حضرات کو سوجھی ہیں۔ **شعر**

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقان　　مصلحت را تہمتے بر آہوئے چین بستہ اند

اب میں قصہ لوط کا بھی مختصر جواب لکھتا ہوں اور آیۂ کریمہ کی تفسیر بیان کرتا۔ پوشیدہ نہ رہے کہ آیۂ مذکورہ کے یہ معنی نہیں ہیں۔ جو حضرات شیعہ نے تصور کئے ہیں کہ حضرت لوط نے ویسے ہی بلا نکاح اپنی بیٹیاں زنا کرنے کے لئے کسی کے سامنے کر دی ہوں۔ بلکہ مراد حضرت لوط کی پیش کرنے سے یہ تھی۔ کہ تم اُن سے نکاح کر لو۔ اور چونکہ اُس وقت نکاح کافر کے ساتھ جائز تھا۔ اس لئے اُس میں کوئی قباحت شرعی نہ تھی۔ اسی واسطے حضرت لوط کی طرف سے خدا نے یہ الفاظ فرمائے ہیں کہ ہُنَّ اَطۡهَرُ لَكُمۡ کہ حضرت لوط نے

یہ فرمایا کہ میری بیٹیاں تمہارے واسطے پاک و پاکیزہ ہیں۔ اور طہارت بے نکاح کے نہیں ہوتی۔

اگر کوئی شیعہ کہے کہ ہم اس امر کو نہیں مانتے۔ لفظ نکاح کا آیہ میں نہیں ہے۔ بہ جواب اس کے ہم کہیں گے کہ وہ تفسیروں کو ملاحظہ کریں۔ اور سنیوں کی تفسیروں کو نہ دیکھیں۔ اپنی ہی تفاسیر سے اس کی سند لیں۔ چنانچہ امین الدین طبرسی مجمع البیان میں جو کہ نہایت معتبر تفاسیر شیعہ سے ہے اور طہران دار السلطنت ایران میں چھپی ہے۔ اسی آیہ کے ذیل میں فرماتے ہیں (قال یا قوم ہٰؤلاءِ بناتی ہُنّ اطہر لکم وکان یجوز فی شرعہ تزویج المومنۃ من الکافر) کہ حضرت لوط کی شریعت میں نکاح مومنہ کا ساتھ کافر کے جائز تھا۔

اگر کوئی دانشمند شیعہ یہ کہے کہ گو اس آیہ کے ان الفاظ سے مطلب نکاح کا ہو۔ لیکن دوسری آیہ میں تو صاف فعل کرنا مذکور ہے کہ (ہٰؤلاءِ بناتی ان کنتم فاعلین) کہ حضرت لوط نے کہا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تم کرنے والے ہو تو کرو۔ اس کے جواب میں بھی ہم انہی کی تفسیروں پر رجوع کرتے ہیں۔ اور جو ان آیات کا مطلب انہوں نے بیان کیا ہے اس کو نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان مذکور میں علامہ موصوف فرماتا ہے (کہ قولہ ان کنتم فاعلین کنایۃ عن النکاح ای ان کنتم متزوجین) کہ فعل سے مراد نکاح ہے۔ یعنی اگر تم نکاح کیا چاہو تو یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں۔ اگر حضرات شیعہ کو ایک تفسیر پر اطمینان نہ ہو۔ تو دوسری تفسیر کی عبارت بھی سنیں۔ کہ فاضل کاشانی علماء شیعہ سے خلاصۃ المنہج میں اسی آیہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ (گفت لوط اے گروہ من اینہا دختران من اند۔ ایشاں را بخواہید کہ ایشان پاکیزہ اند شمارا و تزویج دختران بشرط ایمان بودہ یا در شریعت او تزویج مومنات بکفار جائز بود) الحاصل قصہ لوط سے اور واقعہ نکاح ام کلثوم سے کیا مناسبت ہے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ حضرت لوط کی شریعت میں نکاح مومنہ کا ساتھ کافر کے جائز تھا۔ اور ان کا کہنا زنا کے لئے نہ تھا۔ بلکہ نکاح کے واسطے تھا۔ اور پیغمبر خدا کی شریعت میں اخیر کو نکاح ساتھ کافر کے حرام ہو گیا تھا۔ اور مطابق اصول شیعہ کے دشمن اہل بیت اور ناصبی کے ساتھ بھی نکاح حرام تھا۔ علاوہ بریں حضرت لوط کی بیٹیوں کو کوئی غصب کر کے لے نہیں گیا۔ نہ ان عفت و عصمت میں خلل آیا۔ اور یہاں تو معاملہ برعکس ہے کہ حضرت عمر نے نکاح بھی بجبر کرا لیا۔ جو کہ شرعاً جائز نہ تھا۔ اور پھر ام کلثوم کو

اپنے گھر لے گئے اور چند سال تک رکھا۔ اور اُنسے اولاد پیدا ہوئی۔ پس دونوں شخصوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اے حضرات شیعہ کہاں تک باتیں بناؤ گے۔ کیا کیا تاویلیں کروگے۔ جو کچھ کہو گے اُس میں جھوٹے ٹھہرو گے۔ جو کچھ تاویل کرو گے۔ اُسی سے اہل بیت پر الزام دو گے۔ اس بحث کو اول سے آخر تک دیکھ لو۔ کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ سچ ہے یا جھوٹھ۔ اب لاف محبت اہل بیت نہ مارو اور صاف صاف اُن کی دشمنی کا اقرار کرو۔ اور اپنے ہر عقیدے اور ہر مسئلے پر غور کرکے انصاف کرو۔ کہ اُس سے محبت اہل بیت کی ظاہر ہوتی ہے یا عداوت۔ اگر محبت اہل بیت ہوتی۔ تو کیا اُن کے جناب پاک کی نسبت ایسی ایسی وقاحت کی باتیں منسوب کرتے۔ اُن کی شان میں ایسی ایسی بے غیرتیاں بیان کرتے۔ استغفر اللہ استغفر اللہ۔ شعر

جامی چہ لاف می زنی از پاک دامنی   بر خرقۂ تو این ہمہ داغ شراب چیست

جو کہ حضرت لوط کے قصے کا بھی جواب بخوبی ہو چکا۔ اب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کا کچھ بیان کرتا ہوں۔ بعض حضرات شیعہ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ کی بی بی سارہ کو بھی ایک بادشاہ جابر نے زبردستی چھین لیا تھا۔ اور اُس وقت حضرت ابراہیم سے سوائے صبر اور دعا کے کچھ نہ ہوا۔ چنانچہ مؤلف سیف صارم اس مضمون کو اس عبارت سے بیان کرتا ہے۔ وہو ہذہ بلفظہ (علاوہ اس کے تفسیر عزیزی سے ایک اور مختصر مضمون مقام حاجت ہم لکھتے ہیں۔ زیادہ تفصیل تفسیر مذکور میں وہ دیکھ سکتے ہیں کہ اُن کے پیر عزیز کی ہے۔ المختصر کہ سارا بی بی حضرت ابراہیم کی کہ بہت خوبصورت تھیں بسبب ظلم و جور اشقیا کے اپنے خاوند ابراہیم کے ساتھ سر بصحرا نکلیں۔ جب مصر میں پہنچیں۔ تو وہاں کا بادشاہ نہایت جبار تھا۔ اُس کی عادت تھی کہ جو عورت خوشرو ہوتی تھی۔ اُس کے خاوند کو مار ڈالتا تھا اور بھائی بند ہوتا تو اُس سے چھین لیتا تھا۔ غرض اُن پر بھی وہی نوبت پہنچی کہ پیادے ظالم کے حضرت پاس آئے اور پوچھا کہ یہ عورت تمہاری کون ہے۔ حضرت نے کہا۔ کہ بہن ہے یعنی مراد حضرت کے دل میں یہ تھی کہ دینی بہن ہے۔ اور اولاد آدم منصف فہم اس جگہ سے طریقۂ تقیہ اور شعار انبیا ایسے مقام مجبوری و اضطرار میں خیال کرسکتا ہے کہ اوصیا کو اسوۃ و اقتدا با انبیا ہوتی ہے۔ اور مومنین کو اسوۃ اُن سے تو ناصح صاحب کو اگر کچھ بھی قوت منفعلہ ہو تو سوچیں اور شرم کریں کہ اُن کے پیر عزیز خود کیا لکھتے ہیں

غرض پیادگاں شاہ مذکور نے ابراہیم کو تو چھوڑ دیا۔ اور حضرت سارہ خاتون کو زبردستی لے گئے۔ حضرت ابراہیم نے جب یہ حال دیکھا۔ تو نماز و دعا میں مشغول ہوئے۔ اور حضرت سارہ جب اُس شقی کے پاس پہنچیں۔ وہ شقی عاشق ہو گیا اور چاہا کہ بے ادبی کرے بالجملہ حضرت سارہ نے دعا کی کہ اُس کا حال یہ ہوا کہ دونوں ہاتھ خشک ہو گئے بدحال ہوا۔ انجام کو حضرت سارہ نے دعا کی اچھا ہو گیا۔ پھر بدذاتی کی۔ پھر وہی حال ہوا۔ غرض تیسری دفعہ حضرت سارہ کو رخصت کیا اور ہاجرہ حوالہ کیں) ہم اس تحریر پر بھی آفرین و مرحبا کہتے ہیں۔ اور اس قصے کے اس موقع پر ذکر کرنے پر شاباش شاباش کہہ کر مؤلف کا دل بڑھاتے ہیں کہ اُس نے ایسے قصے کو چھیڑا۔ جس سے ہمارا مطلب حاصل ہوتا ہے اور ہم کو ایک حجت اُن پر ہوتی ہے۔ لیکن سخت حیرت اُن کی عقل اور سمجھ پر ہے کہ اس میں اُنہوں نے اپنا کیا فائدہ تصور کیا ہے۔ یعنی خلاصہ اس قصے کا یہی ہے کہ حضرت ابراہیم کی بی بی سارہ کو اُس بادشاہ جابر کے آدمی پکڑ کر لے گئے اور جب اُس شقی نے بے حرمتی چاہی۔ حضرت ابراہیم نے خدا سے دعا کی۔ خدا نے اُس کا ہاتھ خشک کر دیا۔ اور اُن کی بی بی کی عصمت کو بچا دیا۔ بلکہ ایسا معجزہ دکھلایا۔ کہ جس کے سبب سے اُس نے ایک لونڈی ہاجرہ اور نذر کی۔ اب کوئی اس قصے کو حضرت ام کلثوم کے حال سے ملائے کہ مطابق ہے یا مخالف۔ اگر حضرت ام کلثوم کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوتا۔ کہ جب حضرت عمر اُن کو اپنے گھر لے گئے تھے۔ تب حضرت علی خدا سے دعا کرتے۔ اور اللہ جلشانہٗ حضرت ابراہیم کی طرح اُن کی عصمت بچانے کے لئے عمر کا ہاتھ خشک کر دیتا اور اُن کو ڈرا دیتا۔ اور وہ معجزہ دیکھ کر صحیح و سالم ام کلثوم کو حضرت علی کے گھر بھیج دیتے۔ بلکہ اپنی طرف سے ایک لونڈی اور پیشکش کرتے۔ اور تقصیر اپنی معاف کراتے۔ تو بیشک قصہ ابراہیم و سارہ کا مطابق اُن کے حال کے ہوتا۔ حالانکہ برخلاف اُس کے حضرت عمر نے زبردستی ام کلثوم کا نکاح کرا لیا۔ اور اپنے گھر آٹھ دس برس تک اُن کو رکھا۔ اور ایک بیٹا اور ایک بیٹی بھی اُن سے پیدا ہوئی۔ اور اُن کے جیتے جی حضرت ام کلثوم اُن کے گھر رہیں۔ اور بعد اُن کی وفات کے حضرت جعفر طیار کے بیٹے کے ساتھ ان کا نکاح ہوا۔ پس تعجب ہے۔ کہ خدا نے حضرت سارہ کی عصمت بچانے کے لئے تو معجزات دکھلائے۔ بادشاہ جابر کا ہاتھ بھی خشک کر دیا۔ اور حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ بنت رسول کے غصب کا جب ایک

منافق مرتد نے ارادہ کیا تو نہ خدا کے دریائے غیرت کو جوش ہوا۔ نہ اُس کا قہر و جلال ظاہر ہوا۔ نہ اُس نے کوئی معجزہ دکھلایا۔ نہ اُس غاصب کا ہاتھ خشک کیا۔ نہ کسی اور طرح اپنے رسول کی نواسی کو بچایا۔ پس سوائے اس کے کیا کہا جاوے کہ شیعوں کا خدا بھی عمر سے ڈر گیا اور اُس نے بھی خوف کے مارے کچھ دم نہ مارا یا آنکہ اپنے رسول کے وصی کی طرح اُس نے بھی صبر کیا اور تحمل فرمایا۔ چونکہ ادنیٰ آدمیوں کو ایسے معاملات میں بے صبری ہو جاتی ہے۔ اور وہ جان دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ مگر چونکہ امام اور وصی کا رتبہ اور درجہ سب سے بڑا ہوتا ہے۔ اس لئے اُنہوں نے ایسے معاملے میں بھی صبر کیا (نعوذ باللہ من ہفواتہم ومن سوء عقیدتہم) اس قصّے میں ایک شبہہ جاہلانہ اور رہا جاتا ہے۔ جس کا رفع کرنا بھی مناسب ہے۔ وہ یہ ہے کہ تواریخ و سیر سے ثابت ہے کہ جب حضرت ابراہیم کی بی بی کو اُس جابر شقی نے پکڑوا بلایا۔ حضرت ابراہیم نے خدا سے دعا کی۔ اُس دعا پر خدا نے معجزہ دکھلایا۔ اور اُس کا ہاتھ خشک کیا۔ اور حضرت علیؑ نے بعد جانے ام کلثوم کے دعا نہیں کی کہ خدا اس کو قبول کرتا اور معجزہ دکھلاتا۔ فقط بیشک یہ سچ ہے کہ حضرت علی نے دعا نہیں کی۔ اور یہ بھی درست ہے کہ جب خود حضرت امیر حسن کی بیٹی غضب کی گئی خاموش ہو گئے۔ تو خدا کیا کرتا۔ وہ بغیر دعا و سوال کے کیوں اپنا قہر نازل کرتا۔ لیکن حضرت امیر کو دعا کا مانع کون تھا۔ انہوں نے کیوں سکوت فرمایا اور دعا کے لئے انہوں نے اپنے گھر میں رات کے وقت کیوں دروازہ بند کر کے ہاتھ نہ بڑھایا۔ اگر مقابلہ کرنے میں خوف جان کا اور لڑنے میں اندیشہ قتل کا تھا۔ تو یہ تو ایک مجبوری تھی۔ جس کے باعث سے خاموش ہو گئے۔ لیکن گھر میں رات کے وقت کس کا ڈر تھا جس کے سبب سے دعا نہ مانگی۔ شاید خیال حضرت عمر کا ہو گا۔ کہ وہ اکثر رات کو بھی گشت کے لئے نکلا کرتے اور لوگوں کی خبر لیا کرتے تھے۔ اگر کہیں حضرت امیر کو دعا کرتے سن لیتے تو شاید اُن کو تکلیف دیتے اور پھر وہی امر پیش آجاتا۔ جس کے لحاظ سے حضرت امیر ساکت ہو گئے تھے یعنی خوف قتل۔ مگر خیال اُس وقت کرنا ضرور تھا جب کہ دعا کے لئے چلانا ضرور ہوتا۔ حالانکہ جہر دعا کے لئے ضرور نہیں ہے۔ خدا دل کی دعا کو بھی ویسا ہی سن لیتا ہے۔ جیسا کہ زبان سے چلانے کو سنتا ہے۔ پس دل ہی سے دعا کرتے اور زبان سے کچھ نہ فرماتے۔ غرض تو مطلب حاصل ہونے سے تھی۔ پس حضرت امیر کے

مقابلہ نہ کرنے کا سبب تو ہم نے مانا - کہ خوف جان کا تھا - اور آواز سے دعا نہ کرنے کے لئے بھی ہم نے معذور تصور کیا - کہ اندیشہ عمر کے سن لینے کا تھا - لیکن دل سے دعا نہ کرنے کا کوئی سبب سمجھ میں نہیں آتا - کاش کوئی شیعہ ہم کو یہ بتادے اور ہمارا شبہہ دور کردے - اگر کوئی دانشمند یہ فرماوے کہ جب نکاح کر دیا تو پھر دعا مانگنے کی کیا ضرورت تھی - معاذ اللہ معاذ اللہ عمر زانی اور فاسق نہ تھے - جن کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کرنے سے حضرت علی کچھ لحاظ فرماتے تو بس یہی قول ہمارا ہے - پھر روایت (اول فرج غصبت منا) کو کیا کریں گے - اور اُن صدہا اوراق کو جو اس نکاح کی توجیہ کے لئے علماء نے سیاہ کئے ہیں - کس آنکھ کے پانی سے دھوویں گے - اگر نفس الامر یہی ہے کہ حضرت علی حضرت عمر سے راضی اور حضرت عمر حضرت علی سے خوش تھے اور دونوں ایمان اور اخلاص میں ایک دوسرے پر بھروسہ رکھتے تھے - اس لئے اپنی خوشی سے نکاح کر دیا - تو بس جھگڑا طے ہوا - لیکن مذہب تشیع کا بطلان کالشمس فی نصف النہار ثابت ہوا - اگر حقیقت میں یہ بات جو ہم نے بیان کی حضرات شیعہ تسلیم کرلیں - تو اُن کو سوائے اپنے مذہب کے چھوڑنے کے دوسرا چارہ نہیں ہے - اور اسی واسطے اُن کے علماء نے ہزاروں قسم کی تاویلات فرمائیں جن کی ضرورت نہ تھی - لیکن اصل حقیقت کے بیان کرنے سے چشم پوشی کی - کسی نے عذر خوف جان کا بیان کیا - کسی نے اس کو صبر و تحمل پر محمول کیا - کسی نے اُس کے معاوضے میں حضرت لوط کے قصے کو پیش کیا - کسی نے حضرت ابراہیم کی بی بی سارہ کے پکڑے جانے پر بطور نظیر کے بیان کیا - کسی نے حضرت ام کلثوم کی شکل پر جنیہ کی شکل ہونے کا دعوےٰ کیا - بہرحال یہ سب نظیریں اور مثالیں اور حکایتیں بیان کرنا اور اُس کے عذرات اور وجوہات پیش کرنا - بلکہ اس نکاح کو مثل مردار کے کھانے کے جو ضرورتاً شرعاً حلال ہو جاتا ہے[1] - سمجھنا کس لئے ہے اس لئے تاکہ یہ ثابت نہ ہو - کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ لائق زوجیت حضرت ام کلثوم کے تھے - اور حضرت علی نے خوشی سے اُن کے ساتھ نکاح کیا - پس ایک حضرت عمر رض کی فضیلت سے انکار کے واسطے

---

[1] جیسا کہ صاحب تنزیہہ نے لکھا ہے کہ تجویز تزویج در مقام ضرورت و اضطرار از باب رخصت ست - چنانچہ تجویز تناول میتہ در حالت مخمصہ و اضطرار ۱۲

کیا کیا توجیہات کی ہیں۔ اور کیسے کیسے الزام حضرات اہل بیت پر دیے ہیں۔ کہ کچھ ہو۔ خواہ اہلِ بیت بدنام ہوں۔ خواہ اُن کی بنات طیبات مغضوبہ ٹھہریں۔ خواہ اُن کے اولیا پر وقاحت کا الزام آوے۔ سب کچھ منظور اور قبول ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی فضیلت کا اقرار نہ کیا نہ کرتے ہیں نہ کرینگے۔

(دوسری تاویل وصیت) جو کہ ہم اوپر صبر و تحمل کی تاویل سے جواب دے چکے اب دوسری تاویل کو بیان کر کے اُس کا رد کرتے ہیں۔ جب کہ حضرات شیعہ نے خیال کیا کہ صبر کی تاویل درست نہیں ہے۔ اور بغیر کسی وجہ خاص کے ایسے نازک معاملے میں تحمل کا عذر صحیح نہیں۔ اس لئے اس کی تائید دوسری طرح سے کی۔ اور اُس کے لئے ایک وجہ خاص پیدا کی یعنی وصیت کرنا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہ حضرت سرور کائنات اپنے وصی اور امام اول کو وصیت فرما گئے تھے کہ وہ سوائے صبر کے کچھ نہ کریں۔ اور جو جو ظلم و ستم خلفاء جور کریں۔ اُن سب کی برداشت کریں۔ اور جو جو واقعے پیش آنے والے تھے۔ سب حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب امیر سے کہہ چکے تھے۔ اور ہر ایک واقعہ پر صبر و تحمل کی وصیت کر گئے تھے۔ تو پھر کیونکر ممکن تھا کہ وصی نبی کے حکم کے خلاف کرتے اور صبر کو چھوڑ دیتے۔ چنانچہ اس مضمون کو قاضی نور اللہ شوستری نے اپنے مصائب میں بیان کیا ہے۔ جس کا ترجمہ فارسی ازالۃ الغین میں مذکور ہے۔ اُس کو ہم نقل کرتے ہیں وہو ہذہ (وبعضے از جہال ایشان گفتہ اند کہ چہ گنجائش دارد کہ علی تسلیم نکاح کند۔ البتہ خود را برین کہ شما وصف کردید و ما می گوئیم۔ کہ این سخن جہل ست۔ بہ وجود تدبیر و بیان این آنست کہ چون رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصیت کرد۔ علی را بآن چہ محتاج بود۔ در وقت وفات و معلوم او گردانید۔ جمیع آن چہ جاری خواہد شد از امر مستولین واحداً بعد واحد۔ پس علی گفت۔ مرا بہ چہ امر می کنی۔ آن حضرت فرمود صبر کن تا مردم رجوع کنند۔ بسوئے تو از روئے طوع پس آن ہنگام قتال کن با ناکثین و قاسطین و مارقین و با احدی از ثلثہ منازعت مکن۔ تا خود را بدست خود در تہلکہ نیندازی و مردم از نفاق بشقاق برگردند۔ پس علی علیہ السلام حافظ وصیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بود۔ بواسطہ حفظ دین تا مردم بہ جاہلیت برنہ گردند۔ و چون عمرؓ خواستگاری ام کلثوم نمود۔ علی متفکر شد و گفت اگر مانع شوم۔ او قصد قتل من خواہد کرد

واگر قصد قتل من کنند و مخالفت کنم او را از نفس خود بیرون بروم از اطاعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و مخالف وصیت او می کنم و داخل می شود۔ در دین آنچہ منع کردہ می کرد۔ از آن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پس تسلیم اینہ درین حال اصلح بود از قتل او و بیرون رفتن از وصیت رسول خدا پس تفویض نمود امر او را بخدا او دانستہ بود کہ آن چہ عمر غصب کرد۔ از اموال مسلمانان و از تکاب کردہ از انکار حق او و قعود بجائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و تغیر احکام الٰہی و تبدیل فرائض خدا۔ چنانچہ گذشت اعظم ست نزد حق تعالےٰ و افظع و اشنع ست از اغتصاب این فرج پس تسلیم کرد و صبر نمود چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امر نمودہ بود) خلاصہ اس کا یہ ہے کہ حضرت امیر کو پیغمبر خدا نے وصیت کی تھی۔ کہ تم خلفاء ثلثہ کے عہد میں کچھ نہ کرنا۔ اور نہ کچھ کہنا جو ظلم وستم وہ چاہیں کریں سر نہ ہلانا۔ جو کچھ چاہیں وہ غصب کر لیں۔ کچھ نہ بولنا۔ اسی واسطے حضرت علی نے اصل معاملہ امامت و خلافت میں کچھ دم نہ مارا۔ اور سکوت کامل اختیار فرمایا۔ حالانکہ عمر کے خلیفہ ہونے سے جو کچھ خرابیاں ہوئیں وہ ظاہر ہیں۔ پس خلافت کا غصب کرنا اور مسلمانوں کے مال پر متصرف ہونا اور جناب امیر کو الگ کر کے خود پیغمبر خدا کی جگہ پر بیٹھنا خدا کے نزدیک بہت قبیح اور شنیع تھا۔ بہ نسبت غصب کرنے فرج ام کلثوم کے پس جب ایسے بڑے قبیح اور شنیع معاملے میں یعنی غصب خلافت میں حضرت پیغمبر خدا کی وصیت کے سبب سے حضرت علی نے صبر کیا۔ تو پھر ایک بیٹی کی شرمگاہ غصب کرنے پر صبر فرمایا۔ تو کیا تعجب ہے اور اس تقریر لطیف کو لکھتے قاضی نور اللہ شوستری مصائب النواصب میں اپنے حیا و شرم کے جوہر دکھلاتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ دعویٰ کرنا خلافت کا جو عمر نے کیا۔ اور بیٹھنا مسند رسول پر خدا کے نزدیک ہزار فرج کے غصب کرنے سے بھی زیادہ برا تھا۔ چہ جائے فرج واحد کا ذکر ترجمتہ فی ازالتہ الغین (و آن چہ دعوی کردہ از برای خود از امامت از روی ظلم و جور و تعدی و خلاف بر خدا و رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و بدفع اماحی کہ نصب کردہ او را خدا و رسول خدا و استیلای او بر امور مسلمانان پس حکم بہ خلاف خدا و رسول اعظم ست نزد حق تعالےٰ از اغتصاب ہزار فرج از زنان مومنہ چہ جائے فرج واحد) اے مومنین باحیا اور اے شیعیان باصفا تم کو اپنی حیا اور صفا کی قسم ہے۔ کہ قاضی نور اللہ شوستری کی اس تقریر

لطیف کی لطافت دیکھو۔ اور اُس کے الفاظ اور مضامین کو سوچو کہ ائمۂ اطہار اور بنات طیبات کی نسبت کیا کچھ فرمایا ہے اور نکاح ام کلثوم کو کن لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔ سبحان اللہ جناب سیدۃ النساء فاطمہ زہرہ کی محبت کا دعویٰ بھی کرنا اور اُن کی بنات طاہرات پر ایسی تہمت بھی کرنا اور ایسی بے ادبی کے الفاظ اُن کی شان میں زبان سے نکالنا قریب ہے کہ زمین شق ہو وے۔ آسمان سے بجلی قہر کی گرے کہ کس منہ سے کس کی شان میں کیا کہتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ ام کلثوم اُس معصومہ کی بیٹی ہیں جس کی صورت کبھی نے نہیں دیکھی۔ جس کی عفت کی عصمت نے قسم کھائی۔ جب قیامت کے دن میدان محشر میں اُن کا گذر ہوگا۔ تب منادی ندا کرے گا کہ (غضوا ابصارکم) یعنی سب اپنی آنکھیں بند کر لو کہ رسول کی بیٹی عفیفہ معصومہ گذرتی ہے۔ کسی کی اُس پر نظر نہ پڑے غرضکہ جس کی ماں کی عصمت کی خدا کے نزدیک یہ قدر و منزلت ہو وے۔ اس کے جگر گوشہ کی حضرات امامیہ ایسی فضیحت و رسوائی بیان کریں۔ اور جو باتیں ایک عامی کی نسبت کسی کی زبان سے نہ نکلیں۔ اُن کو ایسی جناب کی شان میں بیان کریں۔ رہا عذر وصیت رسول خدا علیہ التحیتہ والثنا کا یہ ایسا عذر ہے کہ نہ عقلاً لائق تسلیم ہے۔ نہ نقلاً۔ عقلاً اس لئے کہ پیغمبر خدا واسطے ہدایت خلق کے مبعوث ہوئے تھے۔ اُن کا کام تھا۔ خود وہ کام کرنا جس میں لوگ گمراہی سے بچیں۔ اور اوروں سے۔ خصوصاً اپنے جانشینوں اور وصیوں سے وہ کام کرانا جس میں خلق خدا ضلالت سے محفوظ رہے۔ پس کیونکر عقل قبول کرے کہ پیغمبر خدا نے یہ وصیت حضرت امیر کو کی ہو کہ خلفاء ثلثہ خلافت غصب کریں اور تمہارا حق چھین لیں۔ اور لوگوں کے مال پر متصرف ہو ویں اور خدا کی کتاب میں تحریف کریں۔ اور میری سنت کو بدلیں۔ اور تمہاری بیٹیوں کو چھین لے جاویں۔ مگر دم نہ مارنا اور چپ رہنا۔ اور یہ سب جور و ستم اپنے نفس پر گوارا کرنا۔ بھلا کسی کی سمجھ میں یہ بات آویگی۔ کہ پیغمبر خدا نے ایسا فرمایا ہو۔ نعوذ باللہ من ہو۔ اس سے بڑھ کر اور کیا تہمت پیغمبر خدا پر ہوگی۔ رہا یہ عذر کہ یہ اس واسطے پیغمبر خدا نے فرمایا تھا کہ لوگ ظاہر اسلام نہ چھوڑ دیں۔ اور علانیہ کفر و شرک نہ کرنے لگیں۔ تو یہ امر بھی عقل کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ لاکھوں آدمی جنھوں نے برسوں پیغمبر خدا کی صحبت پائی ہو۔ اور جنھوں نے ابتدائے اسلام سے اُس کی ترقی کے وقت تک وقتاً فوقتاً ایمان

قبول کیا ہو۔ اور جنہوں نے جہاد اور لڑائیوں میں اپنی جان دینے میں دریغ نہ کیا ہو اور جنہوں نے اپنی آنکھ سے ہزار ہا معجزات دیکھے ہوں۔ اور جن کی شان میں خدا نے آیات فضیلت نازل کی ہوں۔ وہ سب کے سب الا قلیلا منہم ایسے منافق اور ناقص الایمان ہوں کہ وہ صرف حضرت علی کے مقابلہ کرنے سے ساتھ خلفاء ثلثہ کے ظاہری اسلام کو بھی چھوڑ دیں اور اپنے کفر اصلی کو ظاہر کر دیں۔ اور علانیہ مشرک ہو جاویں۔ اور باوجودیکہ حضرت امیر حق پر ہوں۔ اور صرف مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کو اُن کے دست تعدی سے محفوظ رکھنے۔ اور خدا کے دین کو تغیر و تبدل سے بچانے اور لوگوں کے گمراہ نہ ہونے کے واسطے وہ اُن کا مقابلہ اور اُن سے مقاتلہ کریں۔ اور پھر بھی کوئی مسلمان اُن کا ساتھ نہ دے۔ بلکہ ساتھ دینا کیسا اسی قصور میں حضرت علی کو چھوڑ دیں اور ظاہری اسلام سے ہاتھ اُٹھا کر بت پرستی اختیار کر لیں۔ تو ایسی جماعت کے ایمان اور اسلام سے کیا فائدہ تھا۔ اور بلکہ اُن کا مسلمان رہنا اور کافر ہو جانا برابر تھا۔ تو پھر پیغمبر خدا علیہ التحیتہ والثنا کا وصیت فرمانا اور حضرت علی کو بخیال کافر نہ ہونے اُن لوگوں کے صبر پر تاکید کرنا کیا ضرور تھا۔ اس لئے کہ جس امر کا اندیشہ تھا کہ لوگ ایمان و اسلام سے نہ پھر جاویں۔ وہ موجود ہی تھا۔ اور وہ سب کے سب ایمان و اسلام سے ہاتھ اُٹھائے ہوئے تھے۔ ورنہ خیال کرنا چاہیئے۔ کہ اگر حضرت علی اس بات پر کہ اُن کی خلافت خلفاء جور نے غصب کی۔ اور لوگوں کے مالوں پر تصرف کیا۔ اور سنت نبوی کو تغیر دیا اور رسول کی نواسی کو غصب کر لے گئے۔ اُن خلفاء سے مقابلہ کرتے اور اصحاب رسول سے مدد چاہتے تو وہ بجائے مدد دینے کے کلمۂ شہادت سے بھی منکر ہو جاتے اور خدا کی توحید اور رسول کی رسالت کا بھی انکار کرنے لگتے۔ تو پھر اُن کے اسلام کا لحاظ کیا ضرور تھا۔ اگر ایسے دلی کافر ظاہری مسلمان ظاہر میں کلمہ گو رہتے تو کیا اور بت پرست ہو جاتے تو کیا۔ صرف اُن کے ظاہری اسلام کے لحاظ سے اس قدر ظلم و ستم اُٹھانا اور خدا کے دین کو غارت ہونے دینا اور بیٹیوں کو چھین لے جانے دینا کیا معنی۔ اور ایسے لوگوں کی خاطر وصیت کرنا پیغمبر خدا کا۔ اور صبر و تحمل پر ثابت قدم رہنے کی اپنے وصی کو تاکید کرنے سے کیا حاصل تھا۔ اے حضرات یہ معاملہ نکاح ام کلثوم کا ایسا آسان نہیں کہ (اول فرج غصبت منا) کہہ کر اس کو ٹال دو۔ اور اُس کو

ایسی پوچ لچر باتوں میں بہلادو۔ ذرا انصاف کرو کہ اگر کسی شخص کا غلام یا خدمت گار یا ملازم جس نے چند ہی روز اپنے آقا کا نمک کھایا ہو۔ وہ دیکھے کہ بعد مرنے اُس آقا کے کوئی شخص اُس کے مال کو غصب کرتا ہے۔ یا اُس کے خاندان کی کسی لڑکی کی عزت لیتا ہے بلکہ غصب کرنا کس کا۔ عزت لینا کیسا۔ وہ یہ سمجھے کہ ایسا ارادہ بھی رکھتا ہے تو اگر وہ نمک حلال ہوگا۔ تو ضرور اپنی جان دینے پر مستعد ہوگا۔ اور اپنے جیتے جی اپنے آقا کی حُرمت و عزت میں داغ نہ آنے دیگا۔ پس کیا چار لاکھ اصحاب رسول میں ایک بھی ایسا نہ تھا کہ وہ حضرت علی کا شریک ہوتا۔ اور پیغمبر خدا کے خاندان کی عصمت و عفت بچاتا۔ اصحاب رسول کو جانے دو۔ اُن سب کو مرتد اور منافق سمجھو۔ کیا بنی ہاشم میں بھی کوئی شخص نہ تھا۔ جو اپنی بیٹیوں کی عزت بچاتا۔ اور دست تعدی سے ایک منافق کے اُن کو محفوظ رکھتا۔ شاید اس کا جواب حضرات شیعہ یہ دینگے۔ کہ پیغمبر خدا نے وصیت صبر کی کی تھی اور فرما دیا تھا۔ کہ گو کوئی شخص کتنا ہی ظلم کرے اور گو تمہاری لڑکیوں کو غصب کرے جاوے۔ اور جو چاہے سو کرے مگر کوئی دم نہ مارنا۔ تب ہم کہیں گے کہ وہ وصیت جنگ شام اور صفین میں کیوں بھلادی گئی۔ اور کس لئے ہزاروں آدمی کا خون کرایا۔ تب شاید یہ فرماویں کہ اُس وصیّت میں یہ بھی تھا کہ خلفاء ثلاثہ کے زمانے میں کچھ نہ کرنا۔ مگر معاویہ سے لڑنا۔ تب ہم کہیں گے کہ وصیّت پیغمبر خدا کی کیا ٹھہری۔ مرزا دبیر اور میر انیس کا مرثیہ ٹھہرا کہ جو مضمون اُن کے ذہن میں آیا۔ اُسی وقت ایک روایت اپنی طرف سے جھوٹی سچی بنالی۔ اور اپنی شاعری دکھلادی۔ آخر اس وصیّت کا کچھ سبب کوئی وجہ بھی ہے یا نہیں۔ اگر یہ وجہ ہو کہ نوبت خونریزی کی نہ پہنچے۔ تو جنگ معاویہ میں وہ وجہ موجود تھی۔ کہ ہزار ہا آدمی کے قتل کی نوبت آئی۔ اور اگر یہ سبب ہو کہ کوئی اصحاب میں سے شریک نہ ہوگا۔ ناحق علی کی جان جاوے گی۔ تو اُس کا حال جنگ معاویہ میں کھل گیا۔ کہ تمام مہاجرین اور انصار اور اہل حل و عقد اور بزرگان دین حضرت علی کے ساتھ تھے۔ اور ہزاروں اُن کی اعانت میں شہید ہوئے۔ تو کیا وہ لوگ جنہوں نے حضرت علی کو پیچھے مدد دی پہلے مدد نہ دیتے۔ اور جس طرح معاویہ کے ساتھ لڑے۔ اُس طرح خلفاء کے ساتھ نہ لڑتے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ یہ وصیّت کا مضمون صرف بنایا ہوا ہے اور ناحق تہمت رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثنا پر ہے۔ اگر شک ہو تو ہم اُس کو نقلاً بھی

ثابت کرتے ہیں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ قطع دلائل عقلی کے جس سے بطلان اس وصیت کا ثابت ہوتا ہے۔ اگر ہم احادیث واخبار پر کتب شیعہ کے غور کرتے ہیں۔ تو اُس سے بھی غلط ہونا اس کا معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ماحصل وصیّت کا یہ ہے کہ حضرت علی خلفاء ثلٰثہ کے زمانے میں صبر و تحمل کریں اور اُن کے کسی ظلم و ستم پر کچھ نہ بولیں۔ پس اگر حضرت علی اُن کے زمانے میں صابر اور شاکر رہے ہوں۔ اور اُن کے ساتھ سختی اور درشتی کے ساتھ پیش نہ آئے ہوں اور اُن کا مقابلہ نہ کیا ہو۔ تو بیشک ہم بھی تسلیم کر سکتے ہیں۔ کہ شاید ایسی وصیّت ہوئی ہو۔ لیکن اگر یہ امر ثابت ہو جائے کہ حضرت علی نے اپنے جلال و قہر کو کام فرمایا۔ اور خلفاء ثلٰثہ سے بہ سختی پیش آئے اور اُن سے مقابلہ کیا اور اُن کو ہر طرح پر ڈرایا۔ اور اُن کے قتل پر آمادہ ہوئے۔ تو کیونکر ہم قبول کریں کہ پیغمبر خدا نے وصیّت کی تھی اس لئے کہ اگر وصیت کرتے تو ضرور حضرت علیؓ اس پر عمل کرتے اور کسی امر میں چون و چرا نہ فرماتے۔ لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں میں تو حضرت امیر اُن کا مقابلہ کریں۔ اور مرنے مارنے پر مستعد ہو جاویں اور وصیت نبوی کو بھلا دیں۔ اور ایسے بڑے معاملے میں مثل غصب ام کلثوم کے صبر و تحمل کریں۔ اور وصیت پر عمل فرماویں یہ امر ہماری ناقص فہم کی سمجھ سے باہر ہے۔ اس دقیق مضمون کو حضرات شیعہ ہی سمجھتے ہونگے۔ اب ہم چند احادیث واخبار کتب معتبرہ شیعہ کے نقل کرتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی ذرا ذرا سی بات پر مقابلہ خلفاء کا کرتے اور اُن کے قتل پر مستعد ہوتے تھے۔

(پہلی روایت) کشف الغمہ میں محمد بن خالد سے ایک روایت لکھی ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک روز حضرت عمر نے اثنا خطبے میں لوگوں سے کہا کہ اگر میں چاہوں کہ تم کو معلومات دینیہ اور معتقدات یقینیہ اور احکام شرعیہ محمدیہ سے پھیروں اور یہ کہوں۔ کہ اس کو چھوڑ کر اُن قاعدوں پر چلو۔ جو جاہلیت کے زمانے میں تھے۔ تو تم میری اطاعت کرو یا نہیں۔ کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ جب تین مرتبہ اسی طرح پر حضرت عمر نے پوچھا۔ تو حضرت علی نے فرمایا کہ اگر یہ حالت تمہاری ہم دیکھیں اور تم کو خدا کے دین سے پھرا ہوا پاویں۔ تو دوسرا نائب ہم طلب کریں۔ اور اگر تم توبہ کرو۔ تو تمہاری توبہ قبول کریں۔

اگر توبہ نہ کرو۔ تو ہم تمہاری گردن ماریں۔ حضرت عمر نے یہ سُن کر کہا۔ کہ الحمد للہ کہ ہمارے دین میں ابھی ایسے آدمی ہیں۔ کہ اگر میں منحرف ہو جاؤں۔ تو وہ مجھے راہ راست پر لا سکتے ہیں فقط پس جب حضرت علی حضرت عمر کے پوچھنے پر ایسا سخت جواب دیں اور اُن کے قتل کرنے اور گردن مارنے پر اپنی مستعدی ظاہر کریں۔ تو اگر حقیقت میں حضرت عمر دین سے پھر جاتے۔ اور احکام شرعیہ محمدیہ کو بدل دیتے۔ تو حضرت علی اپنے قول کو پورا کرتے۔ اور ضرور اُن کو مار ہی ڈالتے۔ پس حضرت علی سے مستعد کیونکر حضرت عمر کو اپنی بیٹی لے جانے دیتے اور کچھ چون وچرا نہ کرتے۔ اصل ترجمہ بلفظہ اُس حدیث کا یہ ہے (روایت ست از محمد بن خالد الضبی کہ روزے عمر بن خطاب در اثناء خطبہ از حاضراں سوال کرد کہ اگر من خواہم کہ شمارا از معلومات دینیہ و معتقدات یقینیہ و احکام شرعیۂ محمدیہ صرف نمایم و گویم کہ از معتقدات برگردید و رجوع نمائید بقواعد کہ در زمان جاہلیت بود شما با من چہ خواہید کرد۔ آیا تابع من دراں خواہید شد یا مخالف من مردماں ہمہ خاموش شدند و ہیچ کس جواب نہ گفت۔ عمر دیگر بارہمیں سخن را اعادہ کرد۔ از ہیچ کس جوابے نشنید پس دیگر بار ہمیں مقالہ اعادہ کرد۔ شاہ ولایت فرمود کہ ہرگاہ از تو این حالت مشاہدہ گردد و ترا از دین مصطفےٰ منحرف یابیم۔ نایب دیگر طلب کنیم۔ و اگر توبہ کنی توبۂ ترا قبول کنیم و اگر نہ کنی ترا گردن زنیم عمر چون این سخن از شاہ اولیا شنید گفت کہ در دین ما مرداں ہستند کہ اگر منحرف شویم ما را بطریق مستقیم مقیم و ثابت دارند) انتہے بلفظہ (دوسری روایت) ملا باقر مجلسی نے حیٰوۃ القلوب میں ایک حدیث طویل نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عمر فاروق کے دل میں اس قدر خوف اور ہیبت شاہ مردان کی تھی کہ بمجرد دیکھنے کے لرزہ آجاتا تھا۔ چنانچہ بعد لکھنے ایک قصۂ طول طویل کے اس مضمون کو ان لفظوں سے ادا کیا ہے (علی بن ابراہیم از ابو ذرؓ ثلثہ روایت کردہ است کہ گفت روزے با عمر بن خطاب براہے می رفتم۔ ناگاہ اضطرابے در راہ یافتم و صدای از سینۂ او شنیدہ شد مانند کسی کہ از ترش مدہوش شود۔ گفتم چہ می شود ترا اے عمر۔ گفت مگر نہ بینی شیر بیشۂ شجاعت را و معدن کرم و فتوت را و کشندۂ طاغیان و باغیان و زنندۂ شمشیر را و علمدار صاحب تدبیر را چون نظر کردم۔ علی بن ابی طالب را دیدم۔ الی قولہ تا این ساعت ترس او از دل من بدر نرفتہ است۔ و ہرگاہ کہ او را می بینم

چنیں ہراساں می شوم) فقط۔ پس اب اس حدیث سے زیادہ اور کیا سند چاہیئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر حضرت علی کی صورت دیکھنے سے ڈر جاتے تھے۔ اور اُن کے بدن پر ہیبت سے لرزہ ہونے لگتا تھا۔ اور بہت دیر تک ہوش و حواس اُن کے درست نہ ہوتے تھے۔ پس جب کہ حضرت علی کے دیکھنے سے یہ حال حضرت عمر کا ہوتا ہو۔ اور اُن کے ہوش و حواس اُن کی صورت دیکھنے سے جاتے رہتے ہوں۔ تو کیونکر قیاس میں آوے کہ پھر اُن کی بیٹی سے بجبر نکاح کرایا ہو۔ شاید حضرات شیعہ یہ فرماویں کہ اُس وقت حضرت علی کا جلال جاتا رہا تھا۔ بلکہ معاملہ برعکس ہو گیا تھا۔ (تیسری روایت) جناب مولوی حضرت دلدار علی صاحب قبلہ عماد الاسلام میں لکھتے ہیں۔ کہ کتب امامیہ میں لکھا ہوا ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم کیا۔ کہ سب کے دروازے مسجد سے بند کریں۔ سوائے اپنے اور علی کے دروازے کے۔ بعد چند روز کے عباس نے عرض کی کہ میرے لئے بھی خدا سے عرض کیجئے۔ کہ میرا دروازہ کھول دیا جاوے۔ آپ نے کہا ممکن نہیں۔ تب حضرت عباس نے کہا۔ کہ ایک میزاب ہی کے لئے دعا کیجئے۔ حضرت خاموش ہوئے۔ اور خدا نے حضرت عباس کی درخواست ثانی کو منظور کیا۔ پس حضرت خود اُٹھے۔ اور حسب خواہش حضرت عباس کے سقف خانہ پر پرنالہ نصب کیا۔ چنانچہ وہ پرنالہ تین برس تک زمانہ خلافت عمر میں قائم تھا۔ ایک روز اُس پرنالے کا پانی بہتا تھا کہ عمر کے کپڑوں پر گرا۔ اُنہوں نے حکم دیا کہ یہ پرنالہ اُکھاڑ دیا جائے۔ چنانچہ وہ اُکھاڑ دیا گیا۔ اور عمر نے غیظ و غضب میں آکر کہا کہ اگر کوئی اس کو پھر لگائے گا۔ تو میں اُس کی گردن اُتاروں گا۔ حضرت عباس اپنے لڑکوں پر تکیہ کر کے اُسی شدت مرض میں حضرت امیر کے پاس فریاد کو آئے اور کہا۔ کہ میں دو آنکھیں رکھتا تھا۔ ایک تو جاتی رہی یعنی پیغمبر خدا دوسری باقی ہے یعنی علی بن ابی طالب میں نہ جانتا تھا۔ کہ تمہارے جیتے جی مجھ پر یہ مصیبت ہوگی۔ حضرت امیر نے فرمایا۔ کہ تم اپنے گھر میں آرام سے بیٹھو۔ دیکھو میں کیا کرتا ہوں (ثم نادے یا قنبر علے بذی الفقار فتقلدہ ثم خرج اسے المسجد والناس حولہ وقال یا قنبر اصعد فرد المیزاب الی مکانہ فصعد قنبر فردہ الی موضعہ وقال علی وحق صاحب ہذا القبر والمنبر لئن قالع لاضربن عنقہ وعنق الآمر لہ بذلک ولاصلبنہا فی الشمس حتے

ينفذوا فبلغ ذالك عمر بن الخطاب فنهض ودخل المسجد ونظر الى الميزاب وهو فی موضعه فقال لا يغضب احد با الحسن فيما فعله وتكفر عنه عن اليمين فلما كان من الغداة مضے علی بن ابی طالب الے عمه العباس فقال له كيف اصبحت يا عم قال بافضل النعم ما دمت لی يا ابن اخی فقال له يا عم طب نفسك وقر علينا فو الله لو خاصمنی اهل الارض فے الميزاب لخصمتهم ثم تقلتهم بحول الله وقوة ولا ينالك ضيم ولا غم فقام العباس فقبل بين عينيه وقال يا ابن اخی ما خاب من انت ناصره فكان هذا فعل عمر بالعباس عم رسول الله وقد قال فی غير موطن وصية منه فی عمه ان عمی العباس بقية الآباء والاجداد فاحفظونے فيه كل فی كنفے وانا فی كنف عمی العباس فمن اذاه اذانی ومن عاداه فقد عادانے فسلمه سلمے وحربه حربے وقد اذاه عمر فی ثلث مواطن ظاهرة غير خفية منها قصة الميزاب ولولا خوفه من علی عليه السلام لم تيركه علی حاله) انتهی بلفظه۔

پس حضرت امیر نے قنبر کو آواز دی اور کہا کہ میری ذوالفقار لانا۔ چنانچہ وہ ذوالفقار لایا۔ اور حضرت علی نے اُس کو حمائل کیا اور ہمراہ آدمیوں کے مسجد میں آئے اور قنبر سے کہا کہ پرنالے کو جہاں تھا وہاں لگا وے۔ چنانچہ قنبر نے لگا دیا۔ بعد اُس کے حضرت امیر نے فرمایا کہ قسم ہے مجھ کو صاحب قبر و منبر کی کہ اگر کسی نے اس پرنالے کو اُکھیڑا تو میں اُس کی گردن ماروں گا۔ یہ خبر عمر کو پہنچی۔ تب وہ مسجد میں آئے اور پرنالے کو اپنی جگہ پر دیکھا اور کہا کہ کوئی ابوالحسن یعنی امیر کو غضب میں نہ لاوے وقت صبح کے حضرت امیر نے حضرت عباس سے پوچھا کہ کیسے گیا ہوا۔ حضرت عباس نے کہا کہ جب تک تم زندہ ہو۔ چین و آرام سے گذرتی ہے۔ حضرت امیر نے فرمایا۔ کہ قسم ہے خدا کی کہ اگر تمام اہل زمین مجھ سے بخصومت پیش آویں۔ میں سب کو قتل کر دوں فقط۔ اس روایت کو مطاعن حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ میں لکھ کر مجتہد صاحب فرماتے ہیں کہ اگر عمر کو علی کا خوف نہ ہوتا۔ تو کبھی پرنالے کو اپنی جگہ پر لگانے نہ دیتے غرضیکہ جب ایک خفیف بات یعنی پرنالے کے لگانے پر جناب امیر اس قدر غیظ و غضب میں آجاویں۔ اور قنبر سے ذوالفقار منگا کر مسجد میں آویں۔ اور اپنے سامنے کھڑے پرنالہ نصب کرادیں اور باوجودیکہ حضرت عمر کو تین برس گذر چکے تھے اور اُن کی خلافت کا زمانہ شباب پر تھا۔ اور پھر بھی اُن سے نہ ڈریں اور اُن کے

قتل کرنے پر مستعد ہو جاویں۔ بلکہ تمام دنیا کے قتل کا بحالت مخالفت دعوی کریں تو کیونکر قیاس قبول کرے کہ پیغمبر خدا نے ان کو وصیت صبر کی ہوگی۔ اگر واقعی حضرت نے وصیت کی ہوتی۔ تو اس واقعۂ میزاب میں جناب امیر کیوں اُس کو بھول جاتے۔ اور کس لئے ذوالفقار لے کر باہر آتے۔ اور اگر حضرت علی سے حضرت عمر ڈرتے نہ ہوتے تو کیوں وہ چپ ہو جاتے۔ اور کس لئے اُن کے لگائے ہوئے میزاب کو اکھڑوا نہ دیتے۔ عجب حال ہے حضرات شیعہ کا کہ کبھی تو حضرت علی کو ایسا شیر دل بنا دیتے ہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر اُن کے قہر و جلال کے قصے بیان کرتے ہیں۔ اور خفیف خفیف معاملات میں اُن کا قتل و قتال پر مستعد ہو جانا ثابت کرتے ہیں۔ اور کبھی اُن کو ایسا خائف اور کمزور کر دیتے ہیں کہ بڑے بڑے معاملات میں اُن کو صابر شاکر کہتے ہیں۔ کیا حضرات شیعہ کے نزدیک حضرت ام کلثوم کا غصب ہونا حضرت عباس کے سقف خانہ کے میزاب کے برابر بھی نہ تھا۔ کہ اُس پر تو اس قدر غیظ و غضب ہووے۔ اور اس پر صبر و سکوت کیا جاوے کاش جناب امیر میزاب کے معاملے میں سکوت فرماتے اور حضرت ام کلثوم کے معاملے میں اپنے جلال و قہر کو ظاہر کرتے اور قنبر سے ذوالفقار لے کر باہر آتے اور عمر کے قتل کرنے اور گردن مارنے پر مستعد ہوتے تو یہ قہر و غضب بجائے خود ہوتا۔ معلوم نہیں کہ حضرات شیعہ اس نکاح کو قبل از واقعۂ میزاب کے روایت کرتے ہیں یا بعد اُس کے۔ اگر نکاح قبل از واقعہ میزاب تھا۔ تو حضرت عباس کا جناب امیر کے پاس معاملۂ میزاب میں فریاد کو آنا بعید از قیاس ہے۔ اس لئے کہ حضرت عباس خوب جانتے تھے۔ کہ حضرت عمر کے ڈر سے انہوں نے اپنی بیٹی کو دے دیا اور کچھ نہ بولے۔ تو کیونکر حضرت عباس پھر اپنے میزاب کے معاملے میں اُن کے پاس فریاد کو جاتے۔ کیونکہ جب جناب امیر لڑکی کے معاملے میں نہ بولے اور صبر کیا تو پھر ایسے خفیف معاملے میں کیا بولتے۔ اور اگر یہ نکاح بعد از واقعۂ میزاب ہوا۔ تو جب حضرت عباس حضرت علی کو سمجھانے گئے تھے کہ عمر آمادہ فساد ہے۔ تم نکاح ہونے دو۔ ورنہ وہ تم کو تکلیف دیگا۔ تب اگر حضرت عباس اس قصے کو بھول گئے تھے تو جناب امیر یاد دلاتے۔ کہ چچا تم کو یاد نہیں ہے کہ تمہارے میزاب کے

معاملے میں سنے کیا گیا اور عمر کو کیسا ڈرا دیا۔ پس کیونکر ایسے بڑے معاملے میں ہیں اُس سے ڈر جائیں اور اُسی وقت قنبر سے تلوار منگا کر عمر کے پاس آتے۔ اور اُن کو میزاب کے معاملے کی طرح ڈرا دیتے۔ اگر ایسا کرتے تو پھر کیا مجال عمر کی تھی کہ وہ کچھ بولتے۔ غرض کہ اب تو حضرات شیعہ ان روایات کو دیکھیں اور صبر یا وصیت کا نام زبان پر نہ لاویں۔ اس لئے کہ ان روایات سے ان کا ابطال ایسا نہیں ہوا ہے۔ کہ کسی کو کچھ کہنے کی گنجائش رہی ہو۔

(تیسری تاویل تقیہ) اگرچہ جو کچھ ہم نے صبر اور وصیت کی تاویل میں بیان کیا اُس کا بھی بطلان بخوبی ہو گیا۔ لیکن خاص اس لفظ سے ہم کچھ بحث کرتے ہیں بعض علماء شیعہ نے فرمایا ہے کہ حضرت امیر کو حکم تقیہ کرنے کا تھا۔ اس لئے وہ معذور و مجبور تھے اور نکاح کر دینے میں وہ بجا آوری فرمان الٰہی کی کرتے تھے۔ اور امتثال امر الٰہی مقتضی اجر ہے۔ چنانچہ اسی مضمون کو بایں الفاظ صاحب تنزیہ اثناء عشریہ نے بجواب تحفہ کے ادا کیا ہے (قائلین بہ تقیہ می گویند کہ شارع فعلے را کہ بطریق تقیہ واقع شود۔ مقام مامور بہ قرار دادہ پس درین جا آوردن آن امتثال امر الٰہی ست و این معنی مقتضی اجر ست) اور اسی طرح پر سید مرتضیٰ ملقب بہ علم الہدیٰ اور ابن مطہر علی نے بھی فرمایا ہے۔ کہ یہ تقیہ اُس سے زیادہ نہیں ہے۔ جو کہ درباب امامت کے جناب امیر نے کیا اور صاحب تنزیہ کی یہ عبارت بعینہٖ ترجمہ مصائب النواصب کے اعتراض چہارم کا ہے۔ غرضکہ ان روایات سے یہ امر ثابت ہے کہ جناب امیر نے تقیے کے سبب سے نکاح کرا دیا۔ اور چونکہ حضرت امیر مامور بہ تقیہ تھے۔ اس لئے اس نکاح میں مستحق بہ اجر ہوئے۔ لیکن تاویل تقیے کی باطل ہے چند وجوہ سے۔

(وجہ اول) تقیہ خود تہمت حضرات شیعہ کی ہے۔ اہل بیت کرام پر۔ اور کبھی کسی امام نے نہ تقیہ کیا نہ وہ مامور بہ تقیہ تھے۔ کہ اس کو ہم بحث تقیے میں ثابت کرینگے انشاء اللہ تعالےٰ۔

(وجہ دوم) تقیہ کرنے کے دو سبب خیال میں آتے ہیں یا خوف جان یا خوف عزت۔ عزت تو اس نکاح کے کر دینے سے جاتی ہی رہی۔ پس اُس کا خوف تو باقی ہی نہ رہا۔ جس کے لئے حاجت تقیہ کی ہوتی۔ رہا خوف جان اُس کے سبب سے جناب امیر

مامور بہ تقیہ نہ تھے کہ اس کو علماء شیعہ نے خود تسلیم کیا ہے۔ جیسا کہ تقلیب المکائد
میں علامہ کنتوری لکھتے ہیں کہ کہ (شیعیان ہر گز نمی گویند کہ حضرت امیر المومنین بسبب
خوف ہلاکت جان خود ترک قتل و قتال ابوبکر کردہ بود بلکہ می گویند کہ حضرت امیر المومنین
ہیچک از فرائض و واجبات را ترک نہ کردہ و تقیہ بجہت خوف ہلاکت جان خود نہ نبود۔
بلکہ بجہت خوف ہتک عرض و ناموس بود)۔

(وجہ سوم) اگر ہم تسلیم کریں کہ حضرت علی کو خوف جان کا تھا تو خود حضرات شیعہ
اس کو قبول نہ کریں گے۔ اس لئے کہ ان کی مذہبی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ کئی
دفعہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے حضرت امیر
کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن وہ بہ سبب شجاعت حضرت امیر کے پورا نہ ہوا۔ جیسا کہ
ملا باقر مجلسی حق الیقین میں لکھتے ہیں۔ کہ جب حضرت علی نے معاملۂ فدک میں ابوبکر
و عمر کو بہت سخت سُست کہا اور اُن سے معارضہ کیا۔ تب ابوبکر نے عمر کو بلایا اور کہا
کہ تم نے دیکھا کہ آج علی نے کیا کیا۔ اگر ایک دفعہ اور ایسا ہی وہ کریں گے تو ہمارے
سب کام درہم برہم ہو جاویں گے۔ یہ سُن کر عمر نے کہا کہ میری صلاح یہ ہے کہ علی قتل
کر دیئے جاویں۔ اور اس خدمت پر خالد بن الولید کو متعین کیا۔ اور صبح کی نماز کا وقت
اُن کے قتل کا مقرر ہوا۔ چنانچہ جب صبح کی نماز کو حضرت علی مسجد میں آئے اور براہ
تقیہ ابوبکر کے پیچھے نماز کو کھڑے ہوئے۔ اور خالد تلوار باندھ کر حضرت علی کے برابر
کھڑے ہوئے مگر جب کہ ابوبکر تشہد کے لئے بیٹھے۔ تب اُن کو ندامت ہوئی۔ اور فتنہ و
فساد سے ڈرے اور شدت اور سطوت اور شجاعت حضرت امیر کی اُن کو معلوم تھی
تب ایسا خوف ابوبکر پر غالب ہوا کہ نماز ختم نہ کر سکے۔ بار بار تشہد پڑھیں اور خوف
کے مارے سلام نہ پھیریں۔ آخر خالد سے کہا کہ جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ نہ کرنا
چنانچہ بعد نماز کے حضرت علی نے خالد سے پوچھا کہ تم سے ابوبکر نے کیا کہا تھا۔ اُنہوں
کہا کہ تمہارے قتل کو کہا تھا۔ اور اگر وہ مجھے منع نہ کرتے تو ضرور میں تم کو مار ڈالتا۔
کہ حضرت علی نے غصے میں آکر خالد کو پکڑا اور زمین پر دے مارا۔ جب عمر چلانے لگے
اور لوگ جمع ہو گئے۔ تب حضرت امیر نے خالد کو تو چھوڑ دیا اور گریبان عمر کا پکڑا او
کہا کہ اگر وصیت رسول خدا کی اور تقدیر الٰہی نہ ہوتی تو تم اس وقت دیکھتے کہ کون ضعیف

ہے۔ ہم یا تم۔ اور ایک روایت میں یہ ہے۔ کہ حضرت امیر نے خالد کو ایک اُنگلی پر اُٹھا لیا اور ایسا دبایا کہ اُس کی جان نکلنے کے قریب ہو گئی۔ اور خالد نے پاخانہ پھر دیا۔ اور اور پاؤں میں رعشہ پڑ گیا اور بات زبان سے نہ نکل سکی۔ اور جو کوئی نزدیک جاتا۔ کہ خالد کو چھڑا وے۔ اُس کی طرف شیر خدا ایسی غضب کی نگاہ سے دیکھتے کہ وہ ڈر کے مارے لوٹ جاتا۔ کہ آخر حضرت عباس آئے اور اُنہوں نے قسم دے کہ خالد کو چھڑایا فقط۔ اے حضرات شیعہ اس روایت کو دیکھو۔ اور شیر خدا وصی رسول کی شجاعت اور مردانگی پر خیال کرو۔ اور پھر معاملۂ نکاح ام کلثوم پر نظر کرو۔ اور سوچو کہ اگر نکاح بجبر و اکراہ ہوتا اور حضرت امیر کو منظور نہ ہوتا۔ تو عمر کی یا کسی شخص کی مجال تھی۔ کہ وہ جناب امیر کو ڈرا کر اُن کی بیٹی لے لیتا۔ اور حضرت علی قتل کے خوف سے کچھ نہ کہتے اگر حضرت امیر کو حضرت عمر نے خوف دیا تھا۔ اور اُن کے مارنے کی دھمکی دی تھی تو کیوں حضرت علی خاموش ہو گئے۔ اور کس لئے عمر کو ایک اُنگلی پر اُٹھا کر زمین پر نہ دے مارا اور اگر کوئی اُن کا حامی ہوا تھا۔ تو کیوں اُس کی طرف غضب کی نگاہ سے نہ دیکھا۔ ہم اگر اس روایت کو ملا باقر مجلسی کی قبول کریں تو پھر کبھی ہمارے ذہن میں یہ بات نہیں آسکتی کہ حضرت علی ام کلثوم کے نکاح میں ایسے خوف زدہ اور مضطر ہو جاویں کہ کچھ نہ فرماویں اور اپنی معصومہ بیٹی کا غصب ہونا پسند کریں۔ اگر اس روایت پر بھی خاطر جمع نہ ہو۔ تو ہم دوسری سند شجاعت علی مرتضٰی شیر خدا کی بیان کرتے ہیں کہ ملا باقر مجلسی حق الیقین میں لکھتے ہیں کہ (بعد از غصب فدک حضرت امیر المومنین بہ ابوبکر نامہ نوشت در نہایت شدت وحدت و تہدید و وعید بسیار دران درج نمود۔ چون ابوبکر نامہ را خواند بسیار ترسید و خواست کہ فدک را و خلافت را ہر دو رد کند) پس اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی کی ایک خفگی کے خط سے حضرت ابوبکر صدیق ایسا ڈر گئے کہ فدک اور خلافت چھوڑنے پر مستعد ہوئے تو حضرت علی کو کون مانع تھا۔ کہ حضرت ام کلثوم کے معاملے میں بھی حضرت عمر کو ایک نامہ لکھتے اور اپنی شجاعت اور مردانگی کی یاد دلاتے۔ اور جو تہور اور سطوت پہلے حضرت سے ظاہر کی تھی۔ اُس کا ذکر کر کے ڈراتے حالانکہ یہ بھی کسی روایت سے شیعوں کے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علی نے کوئی خط لکھا ہو یا حضرت عمر کو ڈرایا ہو۔ اگر اور کچھ نہ ہوتا تو حجت تو تمام ہو جاتی۔ لیکن جناب امیر کے سکوت اور خاموشی کا سبب ایسے نازک معاملے میں ہماری سمجھ

میں نہیں آتا اور تقیہ کرنے کی کوئی وجہ ایسے بڑے عظیم امر میں ہم کو معلوم نہیں ہوتی۔ شاید اس معاملے میں کوئی سر اسرار امامت سے ایسا ہوگا۔ جو ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اس لئے کہ اسرار امامت کو سوائے ملک مقرب اور پیغمبر مرسل کے اور مومن کامل کے دوسرا سمجھ ہی نہیں سکتا ہے۔ جیسا کہ ملا باقر مجلسی حق الیقین میں لکھتے ہیں کہ (غرائب احوال وخفایای اسرار ایشاں را خلق نمی دانند وتاب شنیدن آنہا ندارد مگر ملک مقربے یا پیغمبر مرسلے یا مومن کاملی کہ حق تعالیٰ دل اورا امتحان کردہ باشد وبنور ایمان منور گردانیدہ باشد) مجھے اس مقام پر ایک حدیث محمد باقر علیہ السلام کی یاد آتی ہے جو کہ کلینی نے بسند معتبر لکھی ہے کہ امام کی دس نشانیاں ہیں منجملہ اُن نشانیوں کے نشانی نہم میں وہ لکھتے ہیں کہ جو فضلہ امام سے جُدا ہوتا ہے اس سے مشک کی بو آتی ہے اور زمین کو خدا نے موکل کر دیا ہے کہ وہ اُس فضلے کو نگل جاتی ہے فقط۔ پس نہایت تعجب ہے حضرات شیعہ سے کہ باوجودیکہ امام کے فضلے کی نسبت تو یہ اعتقاد کریں کہ اس کو زمین نگل جاتی ہے اور اس میں بدبو نہیں ہوتی بلکہ مشک کی بو اُس سے آتی ہے اور پھر اُسی امام کے جگر پارہ اور بدن کے ٹکڑے کی نسبت یہ کہیں کہ اس کو ایک غاصب نے غصب کر لیا۔ اے حضرات شیعہ ذرا تو سوچو کہ فضلہ امام کا کس لئے زمین کو سپرد ہوا اور خدا نے کیوں اس میں مشک کی خوشبو رکھی اسی واسطے کہ فضلہ ایک نجس اور ناپاک چیز ہے اگر وہ زمین پر رہیگا۔ کیڑے پڑینگے بدبو پھیلے گی۔ لوگ دیکھ کر نفرت کرینگے! اور چونکہ اس کو ایک تعلق امام سے ہے گو وہ تعلق نہایت تعلقات بعیدہ سے ہے اس لئے خدا نے امام کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے فضلے کو زمین کے سپرد کیا۔ کہ وہ نگل جاوے۔ تو کیا حضرت ام کلثوم جو حضرت سیدۃ النسا کی ایک جزو تھیں۔ اور حضرت علی کے جسم کی ایک ٹکڑا تھیں خدا کے نزدیک ایسی بے قدر تھیں کہ خدا نے اُن کی کچھ بھی حفاظت نہ کی اور اُن کو ایک غاصب کے پنجے سے نہ بچایا کیا اُن کو کچھ بھی نسبت حضرت علی سے نہ تھی! اور کیا اُن کو کچھ بھی تعلق سیدۂ پاک سے نہ تھا اور کیا اُن کی ایسی بے عزتی سے کچھ لوث دامن پاک پر جناب امیر کے نہ آتا تھا اور کیا اُن کے غصب سے کوئی داغ ائمۂ اطہار کی شان میں نہ لگتا تھا۔ اے بھائیو ذرا سوچو اور شرماؤ اور انصاف کو دخل دو کہ سوائے اس کے کہ تم اقرار کرو کہ حضرت عمر صلاحیت زوجیت کی رکھتے تھے اور کسی طرح یہ الزام رفع ہو سکتا ہے یا نہیں ؛ (چوتھا قول) جب کہ حضرات شیعہ نے دیکھا کہ نہ تاویل صبر کی درست ہوتی ہے نہ وصیت اور تقیہ کی توجیہ سے کچھ مطلب حاصل ہوتا ہے اس لئے بعضوں نے ان سب کو چھوڑ کر اور ہی دعویٰ کیا۔ اور صحبت اور ہم بستری سے انکار کیا۔ چنانچہ صاحب سیف صارم فرماتے ہیں (کہ اگرچہ درحقیقت قربت معصومہ طاہرہ یعنی وقوع اتصال و مواصلت جو کہ ظاہر مرغایت

مناکحت ہے بموجب اقرار شیخ فانی اور بہم سبب صغیرہ ہونے معصومہ کے ممتنع الوجود یقینی تھا اور باعتبار ظاہر کے بھی اور باعتبار باطن کے از روئے علم باطنی کے بھی حضرت مولی پر ہویدا تھا) اور پھر بعد چند اوراق کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ (مواعظ حسنیہ جناب غفران مآب وغیرہا کتب حقہ میں جو اہل ایمان بہ تصریح دیکھا چاہیں تو وہاں رجوع کر سکتے ہیں صاف واضح ہوگا کہ وصلت و قربت زن دشوی ہرگز نہیں وقوع میں آئی۔ بلکہ بطریقۂ اہل بیت طاہرہ روایات صحیحہ مخبر ہیں اس بات کے کہ ظاہر میں یہ رنج و صعوبت بیشک مولائے مومنین نے اپنے سر لیا لیکن حقیقت میں قربت و مواصلت بامعصومہ ہرگز وقوع میں نہیں آئی۔ بلکہ از راہِ اعجاز بہ عنایت کریم کار ایک جنیہ مشکلہ بشکل جناب معصومہ حوالہ کی گئیں۔ اور جناب معصومہ تا حیات شیخ فانی نظر سے لوگوں کے غائب کی گئیں و زید التصریح فی المبسوطات) انتہی بلفظہ جو کہ مؤلف سیف صارم نے بعد اس عبارت کے بڑی بڑی کتابوں پر حوالہ دیا ہے اس سے مشتاقین کو اشتیاق اُن کے دیکھنے کا بھی پیدا ہوگا تاکہ معلوم ہووے کہ اُن کے بڑوں نے کیا نکات و اسرار لکھے ہیں۔ اس لئے میں اُن کے علماء اعلام کے قول کو بھی نقل کرتا ہوں اور سامعین کے لئے حالت منتظرہ باقی نہیں رکھتا ہوں۔ واضح ہو کہ قطب الاقطاب راوندی مؤلف خرائج جرائح نے یہ دعویٰ کیا ہے۔ اور جناب مولوی دیدار علی صاحب قبلہ نے مواعظ حسنیہ میں اس کو ان لفظوں سے بیان فرمایا ہے۔ (گفت عرض نمودم بخدمت حضرت صادق علیہ السلام کہ مخالفین بر ما حجت می آرند و می گویند کہ چرا علی دختر خود را بہ خلیفۂ ثانی داد۔ پس حضرت صلوات اللہ علیہ کہ تکیہ کردہ نشستہ بودند درست نشستہ فرمودند کہ آیا چنیں حرفہا می گویند۔ بدرستیکہ قومیکہ چنیں زعم می کنند لا یہتدون سواء السبیل سبحان اللہ حضرت امیر را این قدر قدرت نبود کہ حائل شود۔ میان خلیفہ و دختر خود دروغ می گویند کہ ہرگز چنیں نبود۔ بدرستیکہ چون خلیفۂ ثانی پیغام عقد را بحضرت امیر داد۔ حضرت انکار نمودند پس خلیفۂ ثانی بہ عباس گفت کہ اگر دختر علی را بمن عقد نمی کنی۔ سقایت و زمزم از دستِ تو می گیرم۔ پس عباس بخدمت حضرت امیر آمدہ حقیقت حال را گفت حضرت انکار نمودند۔ چون عباس باز الحاح نمود۔ حضرت امیر باعجاز خود جنیہ را از اہل نجران طلبیدند و او یہودیہ بود۔ پس او بموجب امر بصورت ام کلثوم ممثل گردید۔ و حضرت امیر ام کلثوم را باعجاز خود از نظرہا مستور گردانیدند۔ پس تا مدت دراز جنیہ پیش او ماند۔ تا این کہ یک روز بعضے از قرائن دریافت نمود کہ زن او ام کلثوم نیست بلکہ از بنی آدم ہم نیست۔ گفت ندیدہ ام ساحرہ تر از بنی ہاشم کسی را و چون خواست کہ این امر با اظہار نماید خود کشتہ شد۔ پس جنیہ بخانۂ خود رفت و ام کلثوم ظاہر گردید

انتہی) اے حضرات شیعہ اپنے قطب الاقطاب اور اپنے قبلہ و کعبہ کے علم و عقل و فہم کی دا
دو اور شکر ان کے احسان کا ادا کرو۔ کہ ایک نکتے میں سب مشکلیں حل کر دیں۔ اور سنیوں،
ناصبیوں کے اعتراض کو ایک لطیفے میں دُور کر دیا۔ اور معصومہ کی عصمت و عفت بچانے کے
لئے اُن کی مقارنت سے ساتھ حضرت عمر کے انکار کیا۔ اور حضرت امیر کی قدرت اور معجزہ دکھلانے
کے واسطے ایک جنیہ کا بشکل ام کلثوم کے متشکل کر دینے کا دعوے کیا۔ حقیقت میں اس تقریر
سے تمام اعتراض ناصبیوں کے باطل ہیں گئے۔ اب نہ کوئی معصومہ کی عصمت پر حرف رکھ
سکتا ہے۔ نہ کوئی حضرت امیر کو عاجز کہ سکتا ہے۔ نہ کوئی خلیفہ دوم کی فضیلت بیان کر سکتا ہے
نہ اہل بیت کے ننگ و ناموس پر کوئی انگشت اُٹھا سکتا ہے۔ لیکن اس جواب میں یہ امر لائق عرض
کرنے کے ہے کہ اگر جنیہ بشکل ام کلثوم کے بناکر خلیفہ دوم کے پاس بھیج دی گئی تھی۔ تو اولاد بھی
اُس سے پیدا ہوئی تھی یا کہ وہ ام کلثوم سے۔ اور زید بن عمرؓ جو بالغ ہو کر مرا۔ ماں اُس کی وہی
جنیہ تھی یا ام کلثوم ؛

مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب کی تصانیف
نوٹ دس روپے کے مال کے لئے پوری قیمت
زیادہ کیلئے آدھی قیمت پیشگی ارسال فرمادیں
شان حبیب الرحمٰن
قیمت صرف پانچ روپے
سلطنت مصطفےٰ در مملکت کبریا
قیمت صرف بارہ آنے
اسرار الاحکام بانوار القرآن
قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے
تفسیر نعیمی
پارہ اول دس روپے پارہ دوم پارہ سوم سات روپے آٹھ روپے
علم القرآن لترجمۃ الفرقان
قیمت صرف دو روپے
رحمت خدا بوسیلۂ اولیاء
قیمت صرف گیارہ آنے
فتاوی نعیمیہ
قیمت صرف دو روپے
حاشیۃ القرآن
(زیر طبع) ہدیہ پچیس روپے
امیر معاویہ پر ایک نظر
قیمت ایک روپیہ چار آنے
مواعظ نعیمیہ
قیمت
اسلامی زندگی
قیمت صرف ایک روپیہ
جاء الحق
قیمت صرف پانچ روپے
نئی تقریریں
قیمت صرف ایک روپیہ
رسالۂ نور
قیمت صرف آٹھ آنے
پتہ ملنے کا
نوری کتبخانہ
بازار داتا صاحب لاہور
الکلام المقبول
قیمت تین آنے
ایک اسلام
قیمت دو آنے
علم المیراث
دیوان سالک